۷۸۶

ان اللہ لطیف بعبادہ

خاص نمبر



اللطیف

بیادگارِ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

دار العلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور



زیر ظل حمایت و سرپرستی

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر
صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور
(قدس سرہ العزیز)

مدیر اعلیٰ:-

حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی بی اے
ناظم دار العلوم لطیفیہ (مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز)

مدیر مسئول:

مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی۔ یو پی پروفیسر دار العلوم لطیفیہ



مدیران معاون:

مولانا مولوی عبد الواحد صاحب جونپوری (یو پی)
(پروفیسر دار العلوم لطیفیہ)

مولانا مولوی سید مصطفیٰ حسین بخاری کڈپوی (اے پی)
(لکچرار دار العلوم لطیفیہ و جنرل سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف)

نمائندگان طلباء:-

مولوی محمد ابوبکر ملیباری سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف
مولوی سید بشیر احمد پلمنیری جنرل مانیٹر دار العلوم لطیفیہ
مولوی کے۔ پی۔ محمد صبغۃ اللہ کنجیپوری سکرٹری انجمن دائرۃ المعارف

دار العلوم لطیفیہ
سنہ ۱۳۸۹ھ
1969ء

فتوحی پریس نگار

فہرست مضامین

تمت

۱۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزل

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین سید المشائخ حضرت رکن الدین سید شاہ ابو الحسن قادری

قربی رحمۃ اللہ علیہ

بحمد اللہ چہ دولت دارم امشب ❊ کہ مہماں شد بتِ عیارم امشب

رخش گل، چشم نرگس، زلف سنبل ❊ ز تابِ ایں چمن گلزارم امشب

ز زلفِ او بیں از چندیں شب تار ❊ بدستِ خویش تاری دارم امشب

ز ذوقِ دیدنِ آں روئے چوں گل ❊ سراپا دیدہ نرگس دارم امشب

شد از بے خوابیٔ شبہا بدیدار ❊ بچشم ایں طالع بیدارم امشب

شود از دولتِ آں بخت بیدار ❊ رفیقم بخت و دولت یارم امشب

دو عالم بر رخش قربی حجاب است

حجاب از پیش او بر دارم امشب

عطیہ از حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین

سیّد شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی

المعروف بہ

میراں پاشاہ صاحب

۱۲

نگارِ اولین

از ادارہ

خلاقِ عالم نے بنی نوعِ انسان کو پیدا کیا تو ان کی بقاء و ترقی کے لئے تصادم، تنازع، اور جنگ و پیکار کو شرط قرار دیا بلکہ اس کرۂ زمین پر رہنے بسنے والے خواہ انسان ہوں یا حیوانات سب اپنے تحفظ و بقا کے لئے ایک طویل اور مسلسل جد و جہد میں مصروف ہیں۔ بڑا جانور یا درندہ جب کسی چھوٹے جانور کو اپنا لقمۂ تر بنانا چاہتا ہے تو چھوٹا اور کمزور حفاظتِ خود اختیاری کے طور پر تمام وہ اسباب و ذرائع اختیار کرتا ہے جس سے وہ دشمن کے حملہ اور گرفت سے بچ جائے، اسی طرح اگر کسی بڑے جانور کی اُس سے بھی قوی اور زبردست سے مڈبھیڑ ہوتی ہے تو وہ اپنے تحفظ و بچاؤ کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کر دیتا ہے۔

سمندر میں بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں پر قابو پاتی ہیں تو انہیں نگل جاتی ہیں۔ جنگل میں جہاں شیر رہتے ہیں وہاں ہرن بھی چوکڑیاں مارتے نظر آتے ہیں۔ شاہین و دراج کی جائے پرواز میں تیتر و بٹیر کی نسلیں بھی موجود نظر آتی ہیں۔ اس کارخانۂ عالم پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو یہی دیکھتے ہیں کہ طاقتور اپنی فوقیت اور اصلحیت کی بنا پر کمزور کو فنا کرتا ہے اور کمزور اپنے جہدِ مسلسل اور سرگرم سعی و عمل کے ذریعہ زندگی کے منافع اور فوائد سے متمتع اور فیضیاب ہو رہا ہے۔

حضرت انسان تمام مخلوقات میں اپنی عقل و ادراک کی وجہ سے ممتاز اور اشرف المخلوقات ہے، اس لئے یہ البقاء للاصلح کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اگر انسان عقل و ادراک سے معریٰ ہوتا تو یہ ایسا عاجز اور بے بس ہوتا کہ کہ معمولی سے معمولی دشمن کے حملہ سے بھی اپنی مدافعت نہ کرسکتا اور جنگل کے شیر اور بھیڑئیے اُسے آسانی سے ہڑپ کر جاتے لیکن قادرِ مطلق اور حکیم علی الاطلاق نے ایسی کمزور و بے سروساماں مخلوق کو عقل و فہم کی وہ متاعِ بیکراں عطا فرمائی ہے جس سے نہ صرف یہ کہ وہ اپنے تحفظ و بقا کا ضامن ہو گیا ہے بلکہ دوسرے قوی الجثہ حیوانات اس کی قوتِ تسخیر سے عاجز و مغلوب رہتے ہیں۔ پہاڑ کی بلند چوٹی ہو یا تاریک غار، لق و دق وسیع ریگستان ہو یا خوفناک جنگل و بیابان، آسمان کی بلندی ہو یا سمندر کی گہرائی غرض خشکی و تری کا کونسا ایسا حصہ ہے جہاں انسان کی دسترس نہ ہو۔ اس تمام تصرف و اقتدار ملک گیری و جہاں بانی کا راز انسان کی بیش از بیش صلاحیت و لیاقت میں مضمر ہے جو دیگر حیوانات میں مفقود ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام دیگر حیوانات انسان کے خادم اور محکوم ہیں اور وہ ان سب پر حکمران اور متصرف ہے۔ دیگر حیوانات کی طرح انسان کو بھی حصول مقصد کے لئے مسلسل جد و جہد اور جنگ و پیکار کرنی پڑتی ہے، تب کہیں وہ اپنے مقصود سے ہمکنار ہوتا

مثلاً ایک "مٹیریا" کی تمام افراد کو بے شمار مصیبتوں سے
دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایک نافہ حاصل کرنے کے لئے
سینکڑوں ہرنوں کا شکار کرنا پڑتا ہے، لاکھوں پروانے
نثار ہوتے ہیں تو ایک شمع محفل کو رونق بخشتی ہے، گلاب
یا چنبیلی کا پھول بہت خوشنما نظر آتا ہے لیکن ہزاروں سال
تک ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد اس میں یہ حسن و دلکشی
پیدا ہوئی ہے۔ قدرت نے لاکھوں گلشن بنائے اور بگاڑے
ہیں تب پھول میں یہ حسن و دلکشی پیدا ہوئی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ کائنات کی تخلیق قادر مطلق نے
اسی طرح کی ہے کہ یہاں ہر جگہ اور ہر وقت جنگ و جدل
کا سلسلہ جاری رہے اور اس تنازع للبقاء کا نتیجہ "بقائے
اصلح" کی صورت میں ظاہر ہو یعنی وہی اشیاء باقی رہیں، جو
زیادہ عمدہ بہتر، صالح و نافع ہوں جیسا کہ قرآن حکیم کا
ارشاد ہے۔ فاما الزبد فیذھب جفاء واما ما
ینفع الناس فیمکث فی الارض یعنی جو چیز کارآمد اور
اصلی ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور جو چیز بے سود اور غیر نافع
ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے، خواہ عرب اسرائیل کی جنگ
ہو، یا ویٹنام و امریکہ کی لڑائی یا مسلمان اور دیگر فرقہ
پرست اقوام کی کشمکش و آویزش، یہ سب ایک ہی اصل
یعنی تنازع للبقاء کی جزئیات ہیں اس کا ہونا لازمی ہے
یہی قانون قدرت ہے، یہی اقتضائے فطرت ہے اور
قانون قدرت میں تبدیلی ناممکن ہے ولن تجد لسنت
اللہ تبدیلا۔

جس قوم کی اخلاقی حالت جس قدر اعلیٰ و ارفع
اس کے عمل و کردار میں اسی قدر استقلال و استحکام
جذبۂ سرفروشی، اولوالعزمی، ایثار و قربانی کا مادہ ہوگا اور
جب یہ اعلیٰ اوصاف کسی قوم میں جمع ہو جائیں، تو اس کے
لئے فتح و نصرت کا حصول اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب
کے لئے شعاع کا وجود لازم ہے۔ لیکن جب کوئی قوم اخلاق
عالیہ اور اعمال صالحہ سے عاری ہو اور پھر عیش پرستی، تن
آسانی، غفلت و جمود، گراں خوابی اور دیگر خصائل ردیہ
کی خوگر ہو جائے تو قدرت کا ہاتھ ان کی تعزیر و تعذیب
کے لئے بڑھتا ہے اور غلامی و محکومی کا طوق ان کے گلے میں
ڈال دیا جاتا ہے اور تمام دنیا کی قومیں ان کو ذلیل و حقیر
سمجھنے لگتی ہیں۔ قوموں کی ترقی و تنزلی، ارتقاء و انحطاط
بلندی و پستی، رفعت و ذلت کا یہ سلسلہ اس وقت تک قائم
رہے گا جب تک کہ یہ نظام عالم قائم ہے۔

جب یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ قوموں کے عروج و
زوال، رفعت و ذلت میں انکے اخلاقی معیار اور کردار و عمل
ہی کو دخل ہے تو یہ بھی ایک ناقابل تردید صداقت ہے، کہ
صرف قرآن و سنت ہی سب سے اعلیٰ جامع اور کامل ضابطۂ
اخلاق و دستور العمل ہے جس کی برابری دنیا کا کوئی بہتر
سے بہتر دستور بھی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف چونکہ
قرآن و سنت کی تعلیمات پر پوری طرح ظاہر و باطن سے عامل
تھے تو وہ زمانہ میں معزز و سربلند تھے اور ہم نے قرآنی
تعلیمات کو یا تو یکسر نظر انداز کر دیا، یا برائے نام ظاہری
طور سے بعض پر عمل کیا اور بعض تعلیمات کو اپنی دنیوی
اغراض و مصالح پر قربان کر دیا اور ادخلوا فی السلم

کافّہ پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہوے تو یہ قوم ذلیل وخوار ہوگئی۔

لہٰذا اگر ہم اپنی عزت و سربلندی، عروج وقار چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس بھولے ہوے سبق کو حرزِ جان بنانا چاہیئے۔ خدائے قادر وقیوم اپنے وعدے کے مطابق ضرور ہماری مدد کریگا۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم ہمارے لئے فتح ونصرت کا وعدہ ہے بشرطیکہ ہم دین کے تقاضوں کو پورا کریں۔

تمام مدارس عربیہ اسلامیہ اس دور ظلمت و معصیت میں امید کی ایک شمع ہیں جو صراط مستقیم کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ دارالعلوم لطیفیہ اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے جو خالصًا مخلصًا حسبتہً للّٰہ دین کی خدمت اور قوم کی ہدایت ورہنمائی کے لئے تن من دھن سے وقف ہے، اور زمانہ کے بے شمار حوادث ومصائب کے باوجود یہ قافلہ اپنی منزل کیطرف رواں دواں ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ کا سنگ بنیاد حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا اور خوب علم کی اشاعت کی۔ آپ کے بعد اس خاندان کے افراد اپنے زمانہ میں اسے فروغ دیتے رہے۔ حضرات اقطاب ویلور کی دینی وعلمی خدمات سے متعلق مختلف مضامین پچھلے رسالوں میں آچکے ہیں۔

چونکہ زبدۃ العارفین اعلیحضرت محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ کی وفات ۱۱ محرم ۱۲۸۹ھ کو مدینہ میں ہوی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوے، اس لحاظ سے اس سال ۱۱ محرم ۱۳۸۹ھ کو آپ کے وفات کی ایک صدی پوری ہوگئی ـــ !

اس لئے آپ کی صدسالہ یادگار کے لئے اس سال اللطیف کا خاص نمبر شائع کیا گیا۔ جس میں متعدد مضامین کے ذریعہ حضرت قطب ویلور کی جامع و کامل اور آپکے علمی وعملی کارناموں کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے اور آپ کی بے مثال دینی وملی خدمات پر گراں قدر تبصرہ وتعارف پیش کیا گیا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

روئدادِ دار العلوم لطیفیہ

خالقِ کائنات نے انسان کے اندر اور دیگر قویٰ کے ساتھ قوتِ طبعیہ بھی ودیعت فرمائی ہے طبیعت کی تین حالتیں ہیں۔ بعض طبائع پر بہیمی خصائل کا غلبہ رہتا ہے، ان سے ہمیشہ بہیمانہ افعال سرزد ہوتے ہیں اس کا نام نفسِ اَمّارہ ہے بعض طبائع بہیمیت اور ملکیت کے درمیان دائر و متردد ہوتے ہیں، کبھی بہیمیت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور کبھی ملکیت کی طرف اس کو نفسِ لوّامہ کہتے ہیں۔ اور جب نفس شریعت کا پوری طرح پابند ہو جائے، کبھی کسی معاملہ میں شریعت کی خلاف ورزی نہ کرے بلکہ شریعت کا جو منشا ہو وہی اسکی خواہش ہو تو اس کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔ ایسے نفوس کاملین کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح عقل و قلب کا بھی حال ہے، ان پر بھی شیطان کا تصرف اور عمل دخل ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ راہِ حق اختیار کرنے اور راہِ رست پہ چلنے میں شیطان قدم قدم پر مزاحم ہوتا ہے اور ہر ممکن طریقے سے انسان کو گمراہ اور معاصی و جرائم فسق و فجور میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں قلب و نفس کی اصلاح و تربیت کا کام کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ درسی کتابوں کے پڑھ لینے سے علم و حکمت آسکتی ہے لیکن قلب و نفس کی طہارت و پاکیزگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے کسی اہلِ دل صاحب نظر کی خدمت اور فیضِ صحبت کی ضرورت ہے علامہ اقبالؒ نے خوب کہا۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب، دیں از نظر

الحمدللہ! یہ ادارہ اس لحاظ سے امتیازی خصوصیت رکھتا ہے دارالعلوم لطیفیہ جب سے عالمِ وجود میں آیا ہے بڑے بڑے پاک باطن اور صاحبدل بزرگوں کی سرپرستی اسے حاصل رہی ہے جن کی روحانیت و نقوش کا فیض و اثر آج بھی جاری و ساری ہے۔ جس سے تشنگانِ علوم و معرفت فیضیاب و سیراب ہو رہے ہیں۔ موجودہ منتظمین مدرسہ یعنی صاحب سجادہ اعلیٰحضرت قبلہ مدظلہٗ اور آپکے برادران، ناظم مدرسہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ اور حضرت مولانا ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ طلباء کی علمی ترقی کے ساتھ ان کے اخلاق، اور چال وچلن کی بہتری و درستگی کیطرف بھی خاص توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ بقول حضرت سعدی علیہ الرحمہ

علم چنداں کہ بیشتر خوانی | چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق شدی نہ دانشمند | چار پائے برو کتابے چند

اس لئے ان حضرات کی کوشش رہتی ہے کہ متعلمین صرف گفتار ہی کے غازی نہ بنیں بلکہ کردار و عمل کے جوہر سے بھی آراستہ ہوں۔

انجمن دائرۃ المعارف کے جلسے

فن تقریر وخطابت میں طلباء کو مشاق و کامیاب بنانے کے لئے انجمن دائرۃ المعارف کا ہفتہ وارا جلاس اساتذہ دارالعلوم کی نگرانی میں منعقد ہوا کرتا ہے کبھی کبھی طلباء کی تقریری صلاحیتوں کا جائزہ لینے کے لئے حضرت ناظم مدرسہ جلسہ کی صدارت فرماتے ہیں اس طرح طلباء کی ہمت افزائی بھی ہوتی ہے اور انہیں اپنی صلاحیتوں کو ترقی دینے کا زیادہ شوق و حوصلہ ہوتا ہے اور وہ اپنی تقریر کو بہتر سے بہتر معیار کے مطابق بناتے ہیں۔

انشاء پردازی

فن تقریر کی طرح فن تحریر بھی بے حد ضروری ہے۔ تحریر وکتابت ہی سے انسان کی علمی لیاقت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ تحریری امتحانات میں بھی کامیابی کا دارومدار اسی انشاء وکتابت پر ہے۔ اس کے لئے طلباء کو ہفتہ میں کسی عنوان پر ایک مضمون لکھنا ضروری ہوتا ہے جس کی اصلاح حضرت ناظم صاحب خود فرماتے ہیں۔ اگر دفتر کے کاموں میں زیادہ مصروفیت کی وجہ سے آپ کو موقع نہ مل سکا تو اساتذہ دارالعلوم میں سے کوئی اسکی جانچ واصلاح کرتا ہے۔ اس طرح طلباء میں بتدریج تحریر وکتابت کا اچھا خاصہ ملکہ بہم پہنچتا ہے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

طلباء میں مزید شوق وذوق پیدا کرنے کے لئے ایڈیٹوریل بورڈ قائم ہوا تاکہ جن لڑکوں میں کسی قدر امتیازی صلاحیت پیدا ہو جائے تو ان کا مضمون رسالہ اللطیف میں شائع ہو سکے گویا یہ بورڈ لڑکوں کے لئے ترغیب وتحریص کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اس جذبۂ مسابقت میں متعلم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مضمون معیار کے مطابق ہو۔ اس سلسلہ میں طلباء کو وقتاً فوقتاً مناسب ہدایت ورہنمائی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو کامیاب فرمائے

چونکہ یہ مضامین بلندی متوسط ہر درجہ کے طالب علم کا ہوتا ہے اس لئے اپنی صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے مضامین میں فرق مراتب کا ہونا ضروری ہے لہٰذا ناظرین کرام فرق مراتب کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطالعہ فرمائیں۔

صحت اسباب

اوقات تعلیم کے بعد عصر ومغرب کے درمیان لڑکوں کو کھیل کود کا موقع دیا جاتا ہے۔ لڑکے اپنی خواہش کے مطابق مختلف کھیل مثلاً والی بال۔ بیڈمنٹن ٹنی کائٹ وغیرہ کھیلوں میں حصہ لیتے ہیں جس سے لڑکوں کی دماغی تھکن وسستی بھی دور ہوتی ہے اور ساتھ ہی کسرت وجسمانی ورزش بھی ہوتی ہے جو صحت وتندرستی کے لئے ضروری ہے۔

امتحان اسپورٹس وانعامات

تعلیمی امتحان کی طرح لڑکوں کے کھیل کود کا بھی امتحان ہوتا ہے اس کے لئے دیانت دار وانصاف پسند ریفری مقرر ہوتے ہیں۔ جو کامیاب ہونے والے طلباء کے درجات مقرر کرتے ہیں کھیل میں اول ودوم ہونے والوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

نصاب تعلیم

عالم کا کورس دو سال کا ہے۔ سال اول میں جلالین۔ مشکوٰۃ۔ شرح عقائد نسفی ہدایہ اولین۔ مختصر المعانی۔ اخلاق ناصری۔ ملاحسن ہے۔

سال دوم میں بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ھدایہ آخرین۔ مختصر المعانی۔ سراجی۔ دیوان حافظ۔ تفسیر مدارک داخل درس ہے۔

نصاب فاضل

فاضل کا کورس بھی دو سال کا ہے سال اول میں طحاوی شریف۔ بیضاوی مسلم الثبوت۔ میر زاہد۔ ملا جلال۔ میبذی۔ حماسہ۔ سکندر نامہ ہے۔

سال دوم میں فصوص الحکم، جواہر الحقائق، جواہر السلوک تحفۂ مرسلہ، احیاء العلوم، حجۃ اللہ البالغہ، ابن ماجہ، معجز مصطفائی داخل درس ہے۔

امتحان ماہی و ششماہی

دار العلوم ہذا کا سہ ماہی و ششماہی تحریری و تقریری امتحان سب دار العلوم کے اساتذہ ہی لیا کرتے ہیں۔ سوالات کے پرچے اساتذہ دار العلوم بناتے ہیں۔ جوابات کی جانچ اور ہر ایک کے حسب استحقاق نمبر اساتذہ ہی دیتے ہیں۔ نمبر کے متعلق حضرت ناظم مدرسہ کی خاص ہدایت ہوتی ہے کہ لڑکوں کو ان کا حق ضرور دیا جائے مگر رعایت سے پاس نہ کیا جائے تاکہ لڑکے اپنی تعلیمی جدوجہد اور اپنی کاوش و محنت سے بے فکر و غافل نہ ہوں سہ ماہی و ششماہی کے اعلان نتائج کے وقت حضرت ناظم صاحب کی تقریر جو نصیحت و فضیحت دونوں پر مشتمل ہوتی ہے وہ بڑی کارگر اور تازیانۂ عبرت ہوتی ہے جو لڑکوں کی تعلیمی سفر کیلئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔

سالانہ امتحان و انعامات

سالانہ امتحان کے پرچے باہر کے ممتحن بناتے ہیں، اور وہی حضرات جوابات کے نمبر بھی مقرر کرتے ہیں۔ سالانہ امتحان کے اعلان نتائج کے موقعے پر علماء اور خواص کا اجتماع ہوتا ہے اس میں منتہی، طلباء اور علماء کرام کی تقریریں ہوتی ہیں، اور کامیاب ہونے والے طلباء کو ان کی ہمت افزائی کے لئے انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔

شعبۂ حفظ، امتحان و انعامات

شعبۂ حفظ کا سالانہ امتحان لینے کے لئے باہر سے حافظ بلائے جاتے ہیں شعبۂ حفظ میں کامیاب ہونے والے طلباء کو بھی انہیں انعامات سے نوازا جاتا ہے جن سے مولوی عالم و فاضل کے طلباء کو نوازا جاتا ہے۔ تجوید و قرأت کی مشق کے لئے ہفتہ وار اجلاس کے موقعے پر طلباء سے قرأت سنی جاتی ہے تاکہ وہ قرآن تجوید و ترتیل کے ساتھ بخوبی پڑھ سکیں۔

ختم دورۂ حدیث

دورۂ حدیث شریف کا ختم اعلیحضرت قبلہ سرپرست مدرسہ کے حجرۂ مبارکہ میں ہوتا ہے جس میں فارغ التحصیل طلباء آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے ہیں، ایصال ثواب، دعا اور تقسیم شیرینی پر مجلس برخواست ہوتی ہے۔ ختم دورۂ حدیث کیلئے ۲۵ رجب کی تاریخ مقرر ہے۔

تقسیم اسناد جبہ و دستار

فارغ التحصیل طلباء کو خواہ حافظ ہوں یا عالم سند فضیلہ مع دستار و عبا اعلیحضرت قبلہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے، جو فارغین کیلئے موجب برکت و سعادت ہوتی ہے۔

انجمن کے مخصوص جلسے

حسب سابق اس سال بھی ۱۲ ربیع الاول اور ۱۱ ربیع الثانی کو تمام طلباء اور اساتذۂ دار العلوم نے اور حضرت ناظم صاحب قبلہ نے حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات اور سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر مختلف طرز و انداز سے روشنی ڈالی جس کا منظر بہت پر کیف تھا۔ ۱۵ اگست کو یوم آزادی کے موقعہ پر اساتذۂ دار العلوم اور حضر

ناظم مدرسہ نے عنوان آزادی پہ تقریریں کیں۔ یہ تمام جلسے
زیر صدارت اعلیحضرت عظیم البرکت سجادہ نشین حضرت
مکان منعقد ہوئے۔

دار المطالعہ طلباء کی دینی دنیوی، سیاسی، مذہبی معلومات کے لئے متعدد رسائل و اخبار کا اجراء
کیا گیا ہے۔ تاکہ لڑکے دنیا کی رفتار اور اس کے سیاسی
حالات سے بھی باخبر رہیں۔ وہ سرد مہری اور بے حسی کا شکار
نہ ہوں اس طرح دار العلوم کے ماحول میں رہ کر ان کا سیاسی
شعور اتنا پختہ ہو کہ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے قدم بہ قدم
چل سکیں۔

دار الافتاء عام لوگوں کی ضروریات کے تحت مدرسہ میں شعبۂ دار الافتاء کا قیام
عمل میں آیا الحمد للہ یہ شعبہ بھی بخیر و خوبی اپنے فرائض انجام
دے رہا ہے۔ استفتاء کے جوابات بہت تحقیق و احتیاط سے
قلمبند کر کے روانہ کئے جاتے ہیں جس سے لوگوں کی بڑی اہم
ضرورت پوری ہو رہی ہے۔

سالانہ افتتاحی اجلاس انجمن دائرۃ المعارف مورخہ ۲ فروری سنہ ۱۹۶۹ء شب یکشنبہ انجمن دائرۃ المعارف
کا افتتاحی اجلاس دار العلوم لطیفیہ کے وسیع و عریض ہال
میں حسب سابق امسال بھی زیر صدارت عالیجناب مولانا مولوی
اعلیحضرت ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب
قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ العزیز ٹھیک ۹ بجے منعقد ہوا جس میں معزز میہمان
جناب الحاج افضل العلماء مولانا مولوی محمد یوسف صاحب کوکن
ایم اے۔ ایم لٹ صدر شعبۂ عربی فارسی اردو مدراس یونیورسٹی
اور جناب مولانا مولوی محمد سلام اللہ صاحب کونور کو طلباء دار العلوم
سے خطاب کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا گیا۔ تلاوت
قرآن و نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مولانا مولوی
محمد یوسف صاحب کوکن نے آیۃ کریمہ فلولا نفر من کل فرقۃ
منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم
اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون پہ کافی شرح و بسط کے ساتھ
روشنی ڈالی۔ اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ زمانہ کے حالات و رفتار
کو دیکھتے ہوئے جو لوگ انگریزی علوم کی طرف توجہ کر رہے ہیں وہ
مورد الزام نہیں ہیں کیونکہ اسلام دنیوی ترقی کا مانع نہیں ہے
بلکہ اسلام نے دین و دنیا دونوں کی ترقی و کامیابی کے لئے
ہدایت و تلقین کی ہے جیسا کہ ہمیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں
میں یہ جامعیت پورے آب و تاب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ البتہ
یہ ضروری ہے کہ جہاں ہم دنیوی ترقی کے لئے کوشش کریں، تو
اسکے ساتھ دینی علوم سمجھنے کے لئے زبان عربی کی تحصیل ضروری ہے
کسی طرح غفلت نہ برتیں بلکہ اسکی ضرورت و اہمیت کو تمام
علوم و فنون سے بڑھکر سمجھیں اور اس کے لئے جہاں تک
ممکن ہو عملی طور سے جد و جہد کریں۔ آپ نے آیت مذکورہ سے ثابت
کیا کہ جو لوگ علم دین کی طلب میں جد و جہد کرتے ہیں وہ مجاہد
فی سبیل اللہ کے حکم میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی فضیلت
یا کوئی معمولی درجہ نہیں ہے لیکن علم دین کی برکت سے مجاہدین
کا ثواب اللہ تعالیٰ طالب علم کو بھی عطا فرماتا ہے۔ اسی علم
دین کی عظمت و اہمیت کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے

میں باب العلم قبل القول والعمل کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت آیت کریم فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ سے استدلال کیا ہے کہ توحید لسانی یا قولی سے پہلے توحید کا علم ضروری ہے۔ توحید کا علم کے بغیر محض زبانی توحید بیکار ہے۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ مسائل دینیہ اور علوم عربیہ کی تحصیل میں تحقیق، تفقہ اور بصیرت کی ضرورت ہے محض کورانہ تقلید سے نہ کبھی عقدہ کشائی ہوئی ہے اور نہ آج ہی کسی مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔ آخر میں آپ نے انجمن دائرۃ المعارف کے متعلق فرمایا کہ انجمن کا نام بہت اونچا اور شاندار ہے گویا یہ انجمن تمام علوم وفنون کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ خدا کرے اس کو اس قدر ترقی و عروج حاصل ہو کہ واقعی کما حقہٗ انسائیکلوپیڈیا ثابت ہو۔

۲۔ اس کے بعد مولانا مولوی سلام اللہ صاحب کوثر نے اپنے دلچسپ واعظانہ انداز میں حضرات اولیاء کرام کے سبق آموز کارنامے اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رُوح پرور واقعات کو پیش کرتے ہوئے اکل حلال کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے ایک صحابی کا واقعہ بیان فرمایا کہ نماز فجر کے بعد دعا میں شرکت کئے بغیر فوراً گھر چلے جاتے تھے، دو تین دن تک جب یہی کیفیت صحابۂ کرام دیکھتے رہے تو ان کے متعلق صحابہؓ میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالت معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تحقیق حال سے پہلے بدگمانی اور چہ میگوئی درست نہیں ہے۔ احتیاط اور دیانت کی بات یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائی سے اس کا حال معلوم کرو۔ چنانچہ دوسرے دن جب وہ صحابی آئے تو حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کیا وجہ تھی کہ تم دعا میں شرکت کے بغیر گھر چلے جاتے تھے۔

صحابی نے عرض کیا یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پڑوس کے گھر میں کھجور کا درخت ہے۔ کھجوریں پک گئی ہیں اور وہ میرے گھر میں گر پڑتی ہیں۔ میرے نماز سے فارغ ہونے تک میری بیوی بچوں کی نگرانی کرتی ہے کہ کہیں بچے کھجور اٹھا کر نہ کھالیں اور جب میں گھر جاتا ہوں تو میں بچوں کی نگرانی کرتا ہوں اور بیوی نماز پڑھتی ہے۔ پھر میں ان کھجوروں کو اٹھا کر پڑوس کے گھر میں پھینک دیتا ہوں۔ چونکہ میں نے آپ کا فرمان سُنا ہے کہ جس جسم کی نشو ونما رزق حرام سے ہوگی اس کے لئے جہنم زیادہ سزاوار ہے۔ اسی وجہ سے دعا میں شرکت کے بغیر میں گھر جلدی سے چلا جاتا ہوں۔ آپ نے ان کا عذر قبول فرمایا۔ صحابۂ کرام کی غلط فہمی بھی دُور ہوگئی۔ رزقِ حرام کے بڑے مفاسد ہیں اس سے انسان کا ضمیر بھی مردہ ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آخر میں آپ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ زمانہ کے ساتھ ہم آہنگ ہونے اور موافقت کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور کہتے ہیں ع
چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ مسلمان کبھی ابن الوقت اور زمانہ ساز نہیں ہوتا۔ بلکہ بقول علامہ اقبالؒ

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی قوت عزم وعمل سے زمانہ کی رفتار وحالات کو بدل کر رکھ دے۔

۳۔ آپ کے بعد عالیجناب مولانا مولوی حضرت ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی بی اے ناظم دار العلوم

لطیفیہ عربک کالج نے دار العلوم کی ترقیات، انجمن دائرۃ المعارف کے قیام، سالنامہ اللطیف کا اجراء، دار التصنیف والاشاعت کا قیام اور اس سے شائع ہونے والی کتابوں کی افادی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے معزز مہمانوں کا تعارف اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

بحمد اللہ جلسہ صلوٰۃ و سلام پر بہ حسن و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

مدیران اخبار و مطابع کی خدمات میں

مدیران اخبار مسلمان، آزاد سالار۔ پاسبان اور مولوی عبد المتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور سب کی خدمات میں ہم ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں، جنہوں نے وقتاً فوقتاً ہماری مختلف کارروائیوں کی رپورٹوں کو شائع فرما کر ہماری ہمت افزائی کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان سب پر اپنا رحم و فضل فرمائے اور دینی و دنیوی ترقیوں سے سرفراز کرے آمین۔

اطباء و ڈاکٹروں کی خدمات میں

ان اطباء و ڈاکٹروں کے ہم تہ دل سے ممنون و مشکور ہیں جنہوں نے مریض طلباء کی جانب اپنی خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور ان کی صحت و تندرستی بحال کرنے ہر ممکن سعی و کوشش فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنے فضل سے نوازے اور ان کے دلی مقاصد پورا فرمائے۔ آمین۔

دار التصنیف والاشاعت

دار التصنیف کا شعبہ جس مقصد کے لئے قائم ہوا بحمدہ تعالیٰ وہ کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کیطرف رواں دواں ہے۔ اس سے قبل حضرات اقطاب ویلور کی مختلف تصنیفات کے تراجم و شروح منظر عام پر آچکے ہیں۔ انشاء اللہ اس سال بھی انشاء عقائد ذوقی کا پہلا حصہ اصل کتاب مع ترجمہ شائع ہوگا فالحمد للہ علیٰ ذالک

پیغام مسرت

اس سال بھی ۱۳ لڑکے فضل العلماء منشی اور ادیب فاضل مدراس یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہوئے اور بفضلہ تعالیٰ ۱۲ کامیاب ہوئے۔

تعلیمی سیر و سیاحت

طلباء کے شوق و دلچسپی کی وجہ سے اس سال یہ نیا پروگرام بنایا گیا۔

چونکہ کنسیشن ٹکٹ حضرت ناظم صاحب قبلہ کی کوشش سے منظور ہو گیا تھا اس لئے بیس سٹوڈنٹس تعلیمی سفر کے لئے مولانا سید حمید صاحب اشرف کی رفاقت میں تیار ہو گئے۔ سفر میں ناگور شریف، وناگا پٹنم جو مدراس کا علاقہ ہے اور وہاں سے تھوڑے فاصلہ پر کاریکال جو پانڈیچری کا علاقہ ہے تینوں جگہ کی معلومات سے بہرہ مند ہوئے۔ زیارت و حضوری کا شرف حاصل کیا۔ ناگور شریف میں حضرت شاہ قادر ولی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے متبنّیٰ فرزند حضرت خواجہ سید محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ سید محمد یوسف کی زوجہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا تینوں حضرات کے بڑے مبارک و مقدس روضے ہیں، بڑا پُر فیض آستانہ ہے۔ خلق اللہ کا ہمیشہ ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ ہندو مسلم راجے مہاراجے سب اس آستانہ پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان جلیل القدر اولیاء اللہ کے آستانوں پر پہنچکر ان کے حیرت انگیز کارناموں کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کیطرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان مقدس و برگزیدہ بندوں کو خدا کی طرف سے قوت تسخیر و تصرف حاصل ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، آپ کی کرامات بے شمار ہیں سے

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است



یادگار قطب ویلور

صدیاں منائی جاتی رہیں اور منائی جاتی رہیں گی

اسلامی دنیا میں اگر کسی کی صدی منائی جاسکتی ہے

تو وہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے

یا پھر وہ حضرات ذوی الاحترام ہیں جن کے متعلق زبان نبوت نے

"العلماء ورثۃ الانبیاء" کہا

چنانچہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ کو

علیحضرت قدوۃ السالکین محی الدین سید **شاہ عبد اللطیف** قادری المشہور حضرت

قطب ویلور قدس سرہ العزیز کو دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے

ایک صدی ہو چکی ہے

لہٰذا اس یادگار موقع پر عقیدت کے پھول بارگاہ قطبیت پہ

نچھاور کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

بخاری

از جناب
سید مصطفےٰ حسین بخاری
کڈپوی (فاضل لطیفیہ)
مدرس دار العلوم لطیفیہ
و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ
المعارف حضرت مکان
قطب ویلور

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ



منصۂ شہود پہ روزانہ لاکھوں افراد وجود پذیر ہوتے ہیں اور سینکڑوں زندگی کا آخری سانس لے کر پردۂ عدم میں ہمیشہ کے لئے گمنام ہو جاتے ہیں لیکن دنیا نے ہمیشہ ہر دور میں ان فرزندانِ توحید کو یاد رکھا جن کی بے لوث و پُرخلوص خدمات نے انسانیت کے صحیح خد و خال کو واضح کرتے ہوئے آدمی کو کما حقہٗ انسان بنانے کی کوشش کی اور اس کے منصب جلیلہ سے متعارف کرایا۔ اگرچیکہ اس دشوار گذار اور کٹھن راہ میں مختلف صعوبتوں اور مشقتوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن خدا کے ان پاکباز بندوں کیلئے یہ چیزیں رکاوٹ تو کیا بن سکتیں، ان کے جوش ایمانی کو اور ابھارنے میں ممد و معاون ثابت ہوگئیں۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ان سر فروشانِ اسلام نے محدود وسائل و ذرائع کے باوجود وقت کے فرعونوں اور بوجہلوں کا پامردی سے مقابلہ کرتے ہوئے ہر میدان میں باطل کو شکست فاش دی۔

آج سے تین سو سال پیشتر جنوبی ہند کا خطہ، غلط عقائد و فاسد معتقدات کا شکار ہو چکا تھا، اس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاکباز بندوں میں سے اقطابِ ویلور نے انتہائی جد و جہد سے کام لیا۔ اس خاندان میں پیدا ہونے والے ہر فرد نے دین حق کے اعلاء و اشاعت کے لئے اپنے سرمایہ حیات کو وقف کردیا۔ آج ان کی علمی، عرفانی، ادبی، و اصلاحی خدمات اہل جنوب کے لئے مایۂ صد افتخار ہیں۔

آئیے اس خاندان کی ایک متبرک شخصیت زبدۃ العارفین الحاج حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی المشہور بہ حضرت قطب ویلور قدس سرّ العزیز کی مقدس زندگی کا جائزہ لیں جن کے عظیم کارناموں سے ایک عالم انگشت بدنداں ہے۔

زمانہ میں آئی بہارِ زمانہ
ہوا تازہ نقش و نگارِ زمانہ
ہوی رحمت رب نثار زمانہ
ہوا جلوہ گر افتخار زمانہ

آپ کی ولادت باسعادت ویلور دار السرور میں بوقت صبح صادق ۴؍ ماہِ جمادی الاخریٰ ۱۲۰۷ھ دوشنبہ کے دن ہوی۔ آپکے والد بزرگوار کا اسم گرامی قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابو الحسن قادری محوی قدس سرہٗ اور آپ کی والدۂ ماجدہ کا نام نامی حضرت بی بی امۃ المجید بنتِ سید علی محمد قادری ہے۔ آپ کا قد میانہ، رنگ سبز پیشانی کشادہ، سینہ فراخ تھا۔

آپکی اعلیٰ ذہانت و فطانت کے پیش نظر چار سال کی عمر میں آپ کو مدرسہ میں داخل کردیا گیا۔ جہاں آپ نے

قرآن مجید ناظرہ مع تجوید کے مکمل فرمایا۔ ابھی آپ کی عمر آٹھ
سال کی تھی کہ آپنے والد ماجد سے جمعہ کے دن قبولیت دعا
کے وقت کو سن کر مابین خطبتین اپنے لئے ترقی علم کی دعا کی
جو مقبول بارگاہ الٰہ ہوئی۔

آپنے اپنے والد بزرگوار اور دیگر اساتذۂ روزگار سے
کتب فقہ، عقائد، انشاء و عقائد، ادب و اخلاق، صرف و نحو
منطق و فلسفہ، نظریات و عملیات، طبابت، ہندسہ، ہیئت
ریاضی، مساحت، علم فرائض، اصول، حقائق و سلوک کی
تکمیل کی۔ سنہ ۱۲۲۶ھ میں شاہی اساتذہ سے فن حرب میں کمال
حاصل کیا۔ سنہ ۱۲۲۷ھ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع
کیا۔ صرف ایک سال کی قلیل مدت میں یعنی سنہ ۱۲۲۸ھ میں
حفظ قرآن مکمل کرلیا۔

این سعادت بزور بازو نیست ۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مزید تحصیل علوم کے لئے سنہ ۱۲۳۴ھ میں آپ مدراس
تشریف لے گئے اور قابل علمائے کرام سے استفادہ فرمایا۔
آپ نے جس فن کی کتاب اٹھائی اس کو بحیثیت فن کے پڑھا
جس وقت علم ہیئت سیکھ رہے تھے ہندوستان میں کوئی
اطمینان بخش کرہ نہ مل سکا لہٰذا آپ نے ولایتی کرہ کی
مدد سے مسائل ہیئت کو حل فرمایا۔ اسی مقام پر آپ کی
انگریزی دانی سے متعلق ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ
ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ایک انگریز کمشنر بغیر کسی مترجم کے بالراست
آپ سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپنے سترہ دن
کی قلیل مدت میں زبان انگریزی سمجھنے لگے اور بغیر کسی ترجمان
کی مدد کے صاف اور شستہ انگریزی میں کمشنر صاحب سے
گفتگو کی۔

دوران تعلیم میں آپکے علمی مشاغل کا یہ عالم تھا کہ صبح
سے نصف شب تک اپنی پیٹھ زمین سے نہیں لگائی اور نہ
کسی سے لایعنی گفتگو کی۔ جو بھی آپ سے بات کرنے کیلئے آتا پہلے
آپ اس سے دریافت فرمالیتے کہ کتنا وقت درکار ہے۔ اگر
معینہ وقت سے زائد کوئی گفتگو کرنے کی کوشش کرتا، تو
آپ کلام فرمانے سے انکار کر دیتے۔

شہر مدراس سے واپس لوٹنے کے بعد اپنے والد
بزرگوار قدوۃ السالکین اعلیحضرت مولانا شاہ سید ابو الحسن
قادری صحوی قدس سرہ العزیز کے دست حق پرست
پر بیعت کی۔ خلافت عظمیٰ سے مشرف ہوئے اور ایک سو اکانوے (۱۹۱)
سلاسل مقدسہ میں اجازت حاصل کی۔ حضرت صحوی قدس سرہ
العزیز نے فرزند بلند اختر کی استعداد و ظرف کا مشاہدہ کرتے
ہوئے وہ امانت مقدسہ جو بزرگوں سے سینہ بسینہ چلی آئی تھی،
اپنے عزیز فرزند زبدۃ العارفین حضرت محی الدین سید شاہ
عبد اللطیف قادری المشہور بہ حضرت قطب ویلور
کے سینہ میں ودیعت فرما دیا اور سنہ ۱۲۴۳ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ مسند درس
و تدریس پر فائز ہو کر علوم و فنون کے دریا بہانے لگے۔
صاحب مقالات طریقت مولانا عبد الرحیم ضیاء حیدرآبادی
فرماتے ہیں کہ آپ ذکر و اذکار اور نماز اشراق سے فارغ ہو کر
علوم دینیہ کے درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے حقائق
و سلوک کے راز ہائے سربستہ تلامذہ پر اس طرح منکشف فرماتے
کہ دل میں کوئی خلش باقی نہیں رہتی۔ آپ کے حلقۂ درس میں

فقیہ وقت حضرت فقیر محی الدین صاحبؒ فقیہ المعروف دُبلے محی الدین صاحبؒ ۔ مولانا سید کریم اللہ صاحب قادری مولانا عبدالوہاب صاحب بانی مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور۔ مولانا عبدالحی صاحب مصنف جنان السیر وغیرہم نے شریک ہوکر استفادہ کیا۔

سلسلۂ درس و تدریس سے فارغ ہوکر خطوط و مراسلات کے جواب دینے میں مشغول ہو جاتے جن میں استفتا بھی شامل ہیں۔ فتاویٰ نویسی میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ زمانے میں پیش آنے والے لاینحل اور پیچیدہ مسائل کو بہ آسانی حل فرماتے۔ ملک اور بیرون ملک سے آنے والے استفتاء کے جوابات اسی وقت بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے مرقوم فرماتے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے مفتی حضرات نے بھی آپکی جلالت علمی واصابتِ رائے کے پیش نظر آپ سے استفادہ کیا۔

تبلیغ دین کا جذبہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھا۔ لہٰذا زمانے کے گمراہ کن حالات کا جائزہ لیتے ہوئے آپ نے درس و تدریس کے علاوہ وعظ و نصیحت کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ مولانا سید شاہ محمد صاحب ضمیمۂ جواہر السلوک، اور مولانا عبدالحی صاحب واعظ بنگلوری مطلع النور میں لکھتے ہیں کہ آپ ہر جمعہ مردوں میں اور ہر سہ شنبہ عورتوں میں وعظ فرماتے۔ اس سلسلہ سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور راہِ حق کے سمجھنے میں آسانی ہوی۔ آپ نے تبلیغ دین کے لئے نہ صرف تقریر سے کام لیا بلکہ تحریر سے بھی وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو رہتی دنیا تک یادگار زمانہ رہیں گے۔

جبکہ حکومت برطانیہ کا آفتاب نصف النہار پر تھا مشرق سے مغرب تک اسی کی حکمرانی تھی وہ عظیم سلطنت جس میں سورج نہ ڈوبتا تھا، جس کی ہیبت وسطوت ہر قلب پر طاری تھی لیکن حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ نے شہنشاہ وقت ملکۂ وکٹوریہ کو دعوت اسلام کا پروانہ بھیج دیا۔ سچ پوچھئے تو یہ کام ان اسلامی حکومتوں کو انجام دینا چاہئے تھا جو آزاد ہونے کے علاوہ دولت و دبدبہ کی مالک تھیں۔ اہل ہند کے لئے کیا یہ کم عزت کی بات ہے کہ انہیں میں کا ایک مرد خداشناس نے شہنشاہ وقت کو دعوتِ اسلام دے کر اپنے جذبۂ ایمانی پر مہر صداقت ثبت فرمادی۔ اس کے علاوہ آپ نے راجستھان، میواڑ، بروڈہ، ٹراونکور وغیرہ کے مختلف راجہ مہاراجوں کو دعوتِ اسلام کے پروانے روانہ کئے۔

مزید آپ نے بیعت و خلافت کے ذریعہ بھی سینکڑوں انسانوں کو راہِ حق پر گامزن کردیا۔ چنانچہ عرب و عجم میں آپ کے مریدین کا کوئی شمار نہیں، ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کے سات لاکھ مریدین ہیں

خلفاء کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی۔ تحقیق سے اب تک ۴۹ خلفاء کا پتہ لگ سکا ہے جن میں سے بعض خلفاء کے اسماء کا ذکر حلقۂ درس و تدریس کے بیان میں گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زور بیان کے ساتھ آپ کو زور قلم بھی عنایت فرمایا تھا۔ دنیائے تصوف میں آپ کی تصنیفات نادر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ "جواہر الحقائق" — "جواہر السلوک" اپنی نوعیت کی منفرد کتابیں ہیں۔ "عقائد میں" "فصل الخطاب فی الفرق بین الخطاء والصواب" معرکتہ الآراء کتاب ہے۔

اس کے علاوہ آپکی عقائد وغیرہ میں لکھی ہوئی دیگر تصانیف "احیاء التوحید" "احیاء السنہ" "الجاھلین" "صراط المومنین"، مکتوبات لطیفی۔ غایۃ التحقیق۔ رسالہ فطرہ اصل العلوم، تنبیہ الجاھلین۔ رسالہ بذکر الف مقام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر دو رسالے سفر حجاز کی یادگار ہیں۔ مذکورہ تصانیف سے آپکی جلالت علمی کا پتہ چلتا ہے۔

آپ انتہائی خلیق، منکسر المزاج، نرم دل، سخی اور حلیم الطبع واقع ہوئے تھے۔ آپ کی جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ نواب و رؤساء وقت آپکی داد و دہش سے حیران تھے۔ کبھی آپکے در سے سائل ناکام و نامراد نہیں لوٹا۔ بلا امتیاز مذہب وملت ہر ایک کے ساتھ آپ نے سلوک کیا اور ان کی حاجت روائی کی۔ آپ کی ذات والا صفات میں عفو وکرم بدرجۂ اتم موجود تھا جس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔ ایکمرتبہ بعض معاندین نے حکومت وقت سے شکایت کی کہ آپ تقریروں میں مسلمانوں کو حکومت کے خلاف جہاد کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اس بے بنیاد الزام پر آپ کو بہت تشویش ہوئی۔ سیدھے اپنے آباو اجداد کے مقبرہ میں جہاں آپ کے جد اعلیٰ قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ ابو الحسن قادری قربی قدس سرہٗ۔ آپکے جد محترم زبدۃ العارفین حضرت محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی قدس سرہٗ اور آپ کے والد ماجد رئیس السالکین حضرت سید شاہ ابو الحسن قادری محوی قدس سرہٗ آرام فرما ہیں، تشریف لائے اور جد اعلیٰ کے مزار کے پائنتی اسی پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد آپ نے دیکھا کہ آسمان سے درگاہ معلی تک نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جلوہ فرما ہو کر آپ کے سینہ پہ اپنا دست اقدس پھیرتے ہوئے فرمایا یا ولدی لا بأس علیك اے فرزند، یہ اللہ کے طرف سے تمہاری آزمائش ہے فکر نہ کرو، انشاء اللہ تعالےٰ اس آزمائش میں تم کامیاب رہوگے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ دست مبارک کے لمس سے میرا دل روشن اور سینہ منور ہوگیا۔ ساری پریشانی کافور ہوگئی اور میں صبح کا شدید انتظار کرنے لگا۔ صبح ہوئی آپ کو پالکی میں بٹھا کر چتور لیجایا گیا اور نظر بند کر دیا گیا۔ مقدمہ چلا الزامات ثابت نہ ہوسکے۔ عدالت نے باعزت طور پر معافی چاہتے ہوئے بری کر دیا۔ خود ملکۂ برطانیہ آپکی براءت ثابت ہو جانے پر معذرت خواہ ہوئی۔ ججوں نے مشورہ دیا کہ آپ ہتک عزت کا مقدمہ دائر کریں، لیکن آپ نے تمام کو معاف کر دیا۔ اتنا ہی نہیں جب وہی مخالفین تباہ حال ہو کر حضرت مکان آئے، تو آپ نے خندہ پیشانی سے ان کی میزبانی کی۔

اس واقعۂ دلخراش کے بعد آپ ۱۲ شعبان المعظم سنہ ۱۲۶۵ھ کو جبکہ آپکی عمر اٹھاون سال تھی حج بیت اللہ شریف کیلئے روانہ ہوگئے۔ آپکے ہمراہ شاگرد، مرید، خویش و اقارب اور اہل فضل کا عظیم قافلہ تھا۔ جس مقام پر سے آپ گذرتے لوگ جوق در جوق آپسے شرف ملاقات اور مہمان نوازی کی سعادت حاصل کرتے۔ اس مبارک سفر کے دوران ہزاروں افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور فیوض وبرکات سے مالامال ہوئے۔ جس وقت آپ

مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے تین سو افراد نے بیعت کی۔ ان میں سے بعض خلافت عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔ فرائض حج سے فارغ ہو کر آپ مدینۂ منورہ تشریف لے گئے اور حرم نبوی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کئی دن تک معتکف رہے۔ اس دوران آپ کا محبوب مشغلہ حرم مقدس کی جاروب کشی، اور قندیلوں کو روشن کرنا تھا۔ اس کے بعد سے آپ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ فرصت کے اوقات گنبدِ خضرا پہ حاضر ہونے کا شرف حاصل کرتے۔ ایک دن دربانوں نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا۔ آپ سے رہا نہ گیا، فرطِ غم سے بیتاب ہو کر پکار اٹھے "السلام علیک یا جدی" جواب میں وعلیک السلام تعالیٰ یا ولدی کی آواز مقدسہ سنائی دی۔ اس آواز پُر اعجاز کو سن کر محافظ حیران رہ گئے۔ آپ سے معذرت خواہ ہوئے۔ اس دن سے آپ بلاناغہ گنبدِ خضرا پہ حاضر ہونے لگے۔

اس مقدس روح پرور کیف افزا مقام پہ آکر آپ کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی مدتوں سے تلاش تھی۔ محبوب کی گلی سے لمحہ بھر کے لئے بھی جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ یہیں آپ نے جینے اور مرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ادھر ہندوستان میں آپ کی والدۂ ماجدہ کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔ لہٰذا آپ کو بہت یاد فرما رہی تھیں۔ ایک شب آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اقدس سے باہر تشریف فرما ہیں۔ آپ کی والدۂ ماجدہ بھی وہاں حاضر ہیں اور آپ کو بلا رہی ہیں۔ اس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا سح یا ولدی یعنی جاؤ میرے فرزند۔ اس خواب سے آپ بہت پریشان ہو گئے، اپنے پیارے آقا و محبوب کی جدائی کے غم کی تاب نہ لاکر زار و قطار رونے لگے۔ اب بے بسی کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ جب وہ داعی سلام بارگاہِ رسالت میں پیش کرنے کے لئے روضۂ مبارک پر تشریف لے گئے تو درِ محبوب سے جدائی کا غم سوہانِ روح بنا جا رہا تھا۔ آپ پر رقت طاری ہو گئی وہیں بیٹھ گئے۔ اسی عالم میں سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سامنے ہیں اور فرما رہے ہیں، یا ولدی لا تحزن انت من ارضنا اے میرے فرزند غم نہ کرو تم ہمارے ہی پاس لوٹ آؤ گے۔

اس مژدۂ جانفزا کو سن کر آپ خوشی و انبساط کے عالم میں اٹھے۔ عصر کے بعد ہندوستان کی طرف کوچ فرمایا۔ ۹ ذی الحجہ ۱۲۶۶ھ کو ویلور پہنچے اور اپنی سابقہ تبلیغی مساعی کو جاری رکھتے ہوئے اشاعت اسلام میں معروف ہو گئے۔

حرمین شریفین میں دو سال کے اس مختصر قیام میں حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز سے کئی ایک نادر واقعات رونما ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک شب آپ نے خواب دیکھا کہ حرم مقدس میں ایک پودا نکل آیا جو کچھ ہی دیر میں تناور درخت کی شکل اختیار کرتے ہوئے کعبۃ اللہ پر سایہ فگن ہو گیا ہے، صبح میں سب سے پہلے آپ کی ملاقات مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہوئی، خیر و عافیت کے بعد آپ نے رات کے خواب کا تذکرہ کیا جس کو سن کر شاہ صاحب بہت ہی لطف اندوز ہوئے اور تعبیر میں فرمایا کہ آپ کو ایک فرزند صالح پیدا ہوگا۔ اس سے اور اس کی اولاد امجاد سے ایک جہان کو فیض پہنچے گا۔

شاہ صاحب کی یہ تعبیر حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوی جس کا ایک عالم مشاہدہ کر رہا ہے۔

قیام حرم پاک ہی کے دوران ستائیسویں (۲۷) رجب المرجب کی شب کعبۃ اللہ میں شیخ المؤذنین کے حکم سے یہ اعلان ہوا کہ آج کی شب نماز تہجد اور فرض کے درمیان ملائکہ کی اذاں ہوگی۔ ان کلمات کا سننا ہی تھا کہ آپ بیدار ہو گئے اور اپنے رفقا کو بھی بیدار کر دیا۔ اچانک اذاں شروع ہوی۔ بعض لوگ تو بس شہادتین پر بے ہوش ہو گئے اور بعض تو کیف و مستی کے عالم میں سرشار تھے۔ اذاں کے اختتام پر لوگوں کو ہوش آیا۔ تمام ضروریات سے فارغ ہو کر مسجد میں جمع ہو گئے۔ اتنے میں حرم مقدس کے مؤذن آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ آج مجھے امام الائمہ کی جانب سے حکم ملا ہے کہ نماز فجر کی امامت آپ فرمائیں چنانچہ حضرت قطب ویلور قدس سرہ نے مصلی حنفی پر نماز فجر پڑھائی۔

سنہ ۱۲۶۷ھ میں آپ نے نکاح کیا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق ایک سعادتمند اور صالح فرزند حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہ پیدا ہوے۔ آپ کی ایک دختر بھی تھیں جن کو آپ نے اپنے ہمشیرہ زادہ حضرت مولانا سید محمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منسوب فرمایا۔

ماہ ویلور پھر نکلتا ہے — یعنی سوئے حجاز چلتا ہے

ہندوستان آکر آپ کا دل نہ لگا۔ یاد رسول کی جدائی کا بے حد قلق تھا۔ رفتہ رفتہ زیارت کا اشتیاق شدت اختیار کرنے لگا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۲ سال ہو چکی تھی صحت اس قابل نہیں تھی کہ اتنا طویل سفر اختیار کر سکیں۔ اس کے باوجود آپ ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۸ھ بروز دوشنبہ مریدین و متعلقین اور خویش و اقارب کو تسلی اور الوداعی سلام کہتے ہوے سفر حج پر روانہ ہو گئے۔

ارکونم سے بذریعہ ریل شام کے وقت کڈپہ پہنچے۔ یہ کڈپہ وہی جس کو کبھی نیک آباد کے نام سے پکارا جاتا تھا، جس کے باشندوں کا علمی مذاق آج بھی قابل رشک ہے۔ جو کئی ایک اولیاء کرام کا موطن و مسکن ہے، جس میں آج بھی ایسے افراد موجود ہیں جن کے قلوب سادات کرام و مشائخ عظام کی عقیدت و محبت سے لبریز ہیں۔ آپ اسٹیشن سے سیدھے سید کمال الدین قادری مرحوم کے مکان محلہ بنی گوٹ تشریف لائے۔ یہاں کے رؤساء و مشائخ نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

آپ کڈپہ سے تاڑپتری، گتی، ادھونی، رائچورا اور کرنول ہوتے ہوے گلبرگہ شریف پہنچے۔ ہر مقام پر مریدین و معتقدین حضرات نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ ۱۱ شوال المکرم بوقت اشراق حضرت قطب ویلور قدس سرہ، حضرت قدوۃ الاصفیاء اسوۃ الاولیاء خواجہ بندہ نواز حضرت سید شاہ محمد گیسو دراز قدس سرہ العزیز کے مزار پرانوار پر حاضر ہوے اور کچھ دیر تک مرقد مقدس کے قریب مراقبہ میں بیٹھے رہے جس میں آپ کو حالات منکشف ہوے۔ نیز حضرت بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ نے زیارت حرمین شریفین کی مبارکباد دی۔ یہاں سے آپ ۱۵ شوال المکرم کی شام شہر بمبئی پہنچے۔ اس سفر میں بھی سینکڑوں افراد نے آپ کے دست فیض اقدس پر بیعت کی۔ ۸ ذی قعدہ کی صبح آپ کا جہاز حجاز کی طرف روانہ ہوا نصف راستہ طے کرنے کے بعد سمندر میں طوفانی کیفیت پیدا ہو گئی، ہوا مخالف سمت میں تیزی سے چلنے لگی کشتی کا رخ بدل گیا۔ اس وحشتناک صورت حال سے اہل کشتی سراسیمہ و پریشان ہو کر حضرت سے دعا کے طلبگار ہوے۔ آپ نے انتہائی سکون و طمانیت کے ساتھ فرمایا گھبراؤ نہیں اللہ حافظ و ناصر ہے ابھی آپ کا جہاز جدہ سے ۱۵۰ میل دور تھا کہ ذی الحجہ کا چاند نظر

آگیا۔ زائرین گھبرا گئے۔ انہیں یقین ہو چلا کہ اس سال فریضۂ حج ادا نہ ہو سکیگا۔ اتنے میں ایک اسٹیمر نظر آیا ملاحوں نے امداد کی التجا کی لیکن وہ زر کثیر کا مطالبہ کرتے ہوئے آگے نکل گیا۔ معلمین نے حجاج کو تسلی دی۔ خدا کے فضل و کرم اور آپ کی دعا کی برکت سے ایک ایسی تیز ہوا چلی کہ ۲ ذی الحجہ کو جہاز جدہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ جبکہ اسٹیمر صرف ایک دن پیشتر جدہ پہنچا تھا۔

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ جدہ سے ۵ ذی الحجہ کو بوقت مغرب روانہ ہو کر ۶ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے شیموگہ کے چھ خوش نصیبوں نے بیت الحرام میں مصلی حنفی پر آپ سے بیعت کی۔

فرائض حج سے فراغت کے بعد آپ کو اس شدت سے بخار آگیا کہ ادائے صلوٰۃ میں دشواری ہونے لگی۔ اس قافلہ کو آپ نے مدینہ منورہ جانے کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ کر میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ فقیر میں اتنی قوت نہیں کہ سواری پر بیٹھ سکے۔ لیکن ہجر کی طاقت بھی نہیں رکھتا۔ آپ کے مرید خاص اور مصنف سفرنامہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ جناب عبدالعزیز بن حسین فرماتے ہیں کہ ۲۲ ذی الحجہ کو طواف بیت اللہ شریف سے فارغ ہو کر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ میں نے بصد احترام آپ سے استفسار کیا کہ حضور کیوں گریہ وکناں ہیں کچھ تو عرض فرمائیں۔ میرے اس استفسار پر آپ نے فرمایا کہ آج صبح صادق کے وقت خواب دیکھا کہ ایک وسیع وکشادہ میدان ہے جس میں بہت سے اجنبی حضرات جمع ہیں اس میں میرے آقا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں اور میری طرف متوجہ ہو کر فرما رہے ہیں۔ تعال یا ولدی۔ لہٰذا میں اب یہاں نہیں ٹھہروں گا مجھے فوراً مدینہ لے چلو۔ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ آپ سخت بیمار تھے۔ خواب کے بعد سے آپ کی حالت بدل گئی اور آپ میں طاقت و ہمت عود کر آئی ۲۴ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

۸ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ بروز دوشنبہ آپ نے مولانا عبدالعزیز بن حسین علیہ الرحمہ کو حکم دیا کہ فرزند ارجمند کے نام ایک خلافت نامہ تیار کریں۔ خلافت نامہ تیار ہو جانے کے بعد آپ نے اس کا بغور مطالعہ کر کے دستخط فرما دی۔ اپنے ملبوسات سے ایک جبہ و دستار طلب فرمایا اور اپنے دست اقدس سے صاحبزادۂ بلند اقبال حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری قدس سرہٗ کو پہنا کر خلافت نامہ عطا فرمایا۔ اس روح پرور مقدس مجلس کا اختتام قرآنی آیات کی تلاوت و فاتحہ خوانی پر ہوا۔

۱۱ محرم الحرام روز پنجشنبہ مرض شدت اختیار کر گیا جس وجہ سے رہی سہی طاقت بھی جاتی رہی۔ درد شکم بہت زیادہ تھا اس دن حضرت مولانا ابوصالح سید احمد قادری کے داماد سید شاہ حسین جیلانی قادری نے جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ایک دن رک جاؤ ہمارا ایک کام باقی رہ گیا ہے۔ اسے کرنے

کے بعد چلے جانا چنانچہ بعد نماز ظہر آپ کا تنفس شدید ہوگیا۔

آپ اس جانکنی کے عالم میں بھی ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ آخرکار یہ عظیم شخصیت پیکر خلوص مجسم اخلاق کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے ۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ بروز پنجشنبہ سرزمین مدینہ پر ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی شب حاکم مدینہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ارشاد فرما رہے ہیں، جاؤ میرے فرزند کا انتقال ہوگیا ہے۔ ان کو جنت البقیع میں (حضرت امام) حسن (رضی اللہ عنہ) کے پائینتی دفن کرنا۔ حاکم مدینہ آپ کے جسد اطہر کے پاس تشریف لائے اور لپٹ کر رونے لگے۔

دوسرے دن ۱۲ ذی الحجہ جمعہ کو آپ کے عزیز ہمشیرہ زادہ سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوگیا۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد نبوی میں ستر ہزار حجاج و زائرین کی کثیر تعداد نے نماز جنازہ ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائینتی دونوں حضرات کے مقدس اجسام کو ایک ہی لحد میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس طرح قطب ویلور کی پیشنگوئی پوری ہوگئی جس کو آپ نے ویلور سے نکلتے وقت اپنے ہمشیرہ زادہ سے فرمایا تھا۔

نصف لک و نصف لی یعنی آدھا تمہارے لئے اور آدھا ہمارے لئے۔ وقت گذر جاتا ہے، دن مہینوں میں، مہینے سالوں میں سال صدیوں میں بدل جاتے ہیں۔ لیکن تاریخ میں آج بھی ان فرزندان اسلام کا نام روشن اور جلی حروف میں لکھا ہوا ہے جن کا جینا اور مرنا صرف خدائے واحد کیلئے تھا۔ آج حضرت قطب ویلور کی عظیم شخصیت ہم میں نہیں ہیں لیکن آپ کی پاکیزہ سیرت، ہمارے لئے مشعل راہ ہے جس کی روشنی میں ہم چل کر انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

ربنا اغفر لنا ذنوبنا وارزقنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ

مہمان نوازی

از عالیجناب
حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین
سید شاہ محمد طاہر
صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی
ناظم
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

اللہ جل شانہٗ اپنے کلام بلاغت نظام میں مہمان نوازی کی فضیلت ومنزلت بیان فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر حضرت ابراھیم پیغمبر علیہ السلام کی مہمان نوازی کے حالات وواقعات سنا کر آداب مہمان نوازی سے روشناس کرایا۔ مہمان نوازی کے آداب وحدود۔ اصول وضوابط مقرر ہیں۔ مہمان نوازی بے شمار محاسن، فضائل وبرکات کا باعث ہے۔ مہمان نوازی کی وہ شان ہے کہ پیغمبروں کا یہ پسندیدہ طرز عمل اور محبوب مشغلہ تھا۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین مہمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور خاطر ومدارات کا برتاؤ کرتے رہے۔ نیک سیرت بادشاہوں نے مہمانوں کی خاطر کے لئے مہمان خانے تعمیر کئے اور ان کی عزت افزائی فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان اپنے ساتھ دو چیزیں لاتا ہے۔ ایک تو قسمت دوسری برکت۔ قسمت سے تو کھاتا ہے اور برکت چھوڑ جاتا ہے۔ اگر کوئی مہمان تین دن سے زیادہ ٹھہرے تو مزید خاطر تواضع مہمان کا حق نہیں ہے۔ بلکہ اب جو کچھ میزبان حسن سلوک کرتا ہے، اُسے صدقہ کا ثواب ملے گا۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس جب کوئی مہمان آتا تو آپ اس قدر مسرور ہوتے کہ دنبہ ذبح کر کے اپنے مہمان کی ضیافت تازہ گوشت سے کرتے اور اکثر آپ مہمان کی تلاش میں رہتے۔ کھانا مہمان کے ساتھ تناول فرماتے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضور جب ہم فلاں قبیلہ کے لوگوں کے پاس جاتے ہیں تو وہ ہماری باقاعدہ مہمان نوازی نہیں کرتے تو ہم اُن کی مہمان نوازی کیوں کریں۔ آپ نے جواب میں فرمایا اگر وہ نہ کریں تو یہ ان کی اخلاقی کمزوری ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے تم اپنی اخلاقی کمزوری کا ثبوت کیوں دو۔ تم پر اپنا اخلاقی فریضہ ہے کہ اپنے مہمان کی باقاعدہ خاطر ومدارات کرو۔

مہمان پر بھی چند ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ وہ اپنے میزبان کی سلامتی، فلاح وبہبودی چاہیں۔ میزبان کے لئے دعائے خیر کریں۔ بے جا فرمائش نہ کریں۔ میزبان پر اسکی

مقدرت سے زیادہ بار نہ ڈالیں ۔ میزبان جو بھی اپنی حیثیت کے موافق انتظام کرے اُسے بہ خوشی قبول کریں ۔ مہمان کو چاہیئے کہ وہ اپنے میزبان کی حالت و سہولت کا خیال رکھے اسی طرح میزبان کو بھی چاہیئے کہ اپنے مہمان کا خندہ پیشانی سے استقبال کرے اور فراخ دلی سے پیش آئے ۔ دل میں کچھ تنگی یا بار محسوس نہ کرے ۔

حضرت مولانا ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ مہمان کی آمد باعثِ مسرت ہونی چاہیئے ۔ اللہ عزوجل رازق ہے ۔ بندہ جہاں جاتا ہے اپنا رزق ساتھ لے جاتا ہے ۔ لہٰذا اس نے جو کچھ کھایا پیا وہ اس کے مقسوم کا تھا ۔ آیت کریمہ ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا یعنی ہر جاندار ذی روح کا رزق اللہ کے ذمہ ہے ۔ لہٰذا بندہ جب تک اس دنیائے فانی میں زندہ رہے گا اُس کا رزق خدا کی طرف سے اس کو برابر ملتا رہے گا ۔ خواہ اپنے وطن میں ہو یا غریب الوطن ہو ۔ جب قانونِ قدرت یہ ہے تو بندہ محض ایک ذریعہ ہے ورنہ حقیقی رزق رساں حق سبحانہٗ تعالیٰ ہے ۔ لہٰذا بندہ کو چاہیئے کہ اس خدمت کی ادائیگی پر اپنے معبودِ حقیقی کا شکریہ ادا کرے ۔

اس سلسلہ میں آپ نے ایک مؤثر و دلچسپ واقعہ اپنی زبان شیریں بیان سے ذکر فرمایا کہ ایک بادشاہ کے پاس کثیر تعداد میں فوج تھی اور اس پر کافی خرچ آتا تھا ۔ ایک روز وزیر خاص نے بادشاہ سے فوج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جہاں پناہ اس کثیر فوج پر بے شمار روپیہ خرچ ہوتا ہے جس کی وجہ سے خزانہ پر کافی بار پڑتا ہے ۔ اگر اجازت ہو تو آدھی فوج کم کردی جائے ۔ وزیر کے اس مشورہ پر بادشاہ نے کمی کا حکم دے دیا اور فوراً حکم کی تعمیل کردی گئی ۔ اُسی شب بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے خزانہ سے اشرفیوں کی تھیلیاں چلی جارہی ہیں اور خزانہ خالی ہوا جارہا ہے ۔ اتفاقاً ایک بزرگ اسی حالتِ خواب میں رُونما ہوئے ۔ بادشاہ ممدوح کے استفسار پر بزرگ نے فرمایا کہ اتنی کثیر مخلوق اور بندگانِ الٰہی کا رزق تمہارے ذریعہ اللہ تعالٰے ان کو پہنچاتا تھا ۔ جب تم نے بڑی تعداد میں فوج کو برطرف کردیا تو ان کا رزق بھی ان کے ساتھ جاتا رہا ۔ اس واقعہ کے راز اور اسباب سے آگاہ ہوکر بادشاہ نہایت درجہ متاثر ہوا ۔ اور صبح سویرے ہی برخواست شدہ فوج کی بحالی کا حکم نافذ کردیا ۔ اور فوج کے سب سپاہی اپنے کام پر مامور ہوگئے ۔ اسی شب بادشاہ نے پھر خواب دیکھا کہ جو اشرفیوں کی تھیلیاں خزانہ سے چلی جارہی تھیں وہ پھر دوبارہ خزانہ میں جمع ہو رہی ہیں ۔ بادشاہ کو سرور و سکون حاصل ہوا اور اللہ کا شکر ادا کیا ۔

ذیل میں ایک واقعہ ناظرین اللطیف کی بصیرت اور عمل کے لئے سپردِ قلم کرتا ہوں جس سے قدرتِ الٰہی کی فیاضیوں کی کرشمہ سازیاں نظر آئے گی ۔

ایک روز ایک بزرگ ، کہیں جارہے تھے ۔ دفعتاً وہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گھنگھور گھٹا اٹھی اور ایک مخصوص سمت میں رواں دواں ہوگئی ۔ محترم بزرگ کو اس کی حقیقت جاننے کی اُمنگ پیدا ہوئی ۔ فوراً اپنے گھوڑے کو اسی سمت پھیرا اور ابر کے ساتھ ساتھ چلنے لگے ۔ ایک جگہ پہنچ کر بادل خوب برسنے لگا ۔ جب وہ زمین

کا مخصوص خطہ پانی سے سیراب ہوگیا۔ گویا دل جھٹ گیا۔ اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ کر بزرگ موصوف نے مالک زمین سے ملاقات کی اور اس حقیقت کا راز معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے جواب میں کہا کہ اس زمین میں جو اناج پیدا ہوتا ہے اس کے تین حصے کئے جاتے ہیں۔ ایک حصہ تخم پاشی کیلئے رکھ دیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ مساکین و غربا میں تقسیم کیا جاتا ہے اور تیسرا حصہ اپنے اہل وعیال اور خویش اقارب کیلئے رکھا جاتا ہے۔ یہ اسی حسن عمل کا نتیجہ اور خیر و برکت ہے جو آپ نے مشاہدہ کیا۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ خود بندے کے ساز و سامان کی درستگی کا ضامن و کفیل ہو جاتا ہے۔ اور اسے ضائع و برباد ہونے سے بچا لیتا ہے۔

مہمان نوازی کی اہمیت و فضیلت کا صحیح اندازہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے فرمائیے:۔ اب سے کوئی ایک صدی قبل حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس وقت آپ کے صاحبزادۂ بلند اقبال حضرت مولانا رکن الدین شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی مدینہ منورہ میں تھے۔ ایسے وقت ایک قندھاری حضرت مکان آئے اور مسجد ٹھہر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شہر کی آبادی زیادہ نہ تھی اس لئے شام ہوتے ہی شہر ویران معلوم ہوتا تھا۔ نہ بجلی کی روشنی تھی اور نہ ہی یہ چہل پہل تھی۔ سر شام ہی لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جاتے تھے۔ قندھاری صاحب کا آمد کی کسی کو مطلق علم نہ ہوا۔ اسی شب خواب میں پیر روشن ضمیر و صاحب ولایت و کرامت حضرت قطب دیلور رحمۃ اللہ علیہ جن کا وصال مدینہ منورہ میں ہو چکا تھا اور یہاں اس وقت کوئی نہ تھے۔ اپنی خادمہ سے کہا کہ اپنے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں اور کسی کو خبر نہیں۔ خادمہ نے پوچھا کہ حضرت وہ کون صاحب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں سید صاحب قندھاری ہیں جو مسجد میں مقیم ہیں خادمہ نے جواب میں کہا کہ سالن نہیں ہے۔ آپ نے جذبہ سے فرمایا کہ چٹنی ہی کافی ہے۔ فوراً ہی خادمہ بلند سے بیدار ہوئی اور کھانے اور سالن کا انتظام کیا۔ اس درمیان رات کافی گذر گئی تھی، اس لئے صبح کی اذان کی منتظر تھی، جونہی موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کیا مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔

مہمان موصوف کو بڑی حیرت ہوئی کہ بے نشان و گمان جبکہ میری آمد کا کسی کو علم بھی نہیں تھا یکا یک صبح سویرے کھانا تیار ہو کر کیسے آگیا؟ آپ نے متعجبانہ خادمہ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ اور اس وقت تک کھانے سے انکار کیا جب تک حقیقت حال معلوم نہ ہو۔ خادمہ کو مجبوراً پچھلی شب کے خواب کا معاملہ بیان کرنا پڑا۔ معزز مہمان نے کہا کہ تم نے خواب کے بعد معاملہ کی تحقیق کیوں نہ کرلی۔ اس نے جواب دیا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ خواب صحیح تھا اور آپ کا قیام خواب کی صحت کی دلیل ہے۔ قندھاری صاحب اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور بعد اذاں تناول طعام فرمایا۔ بزرگانِ دین بقید حیات ہوں یا رحلت فرما چکے ہوں مہمان کی قدر و منزلت اور مہمان

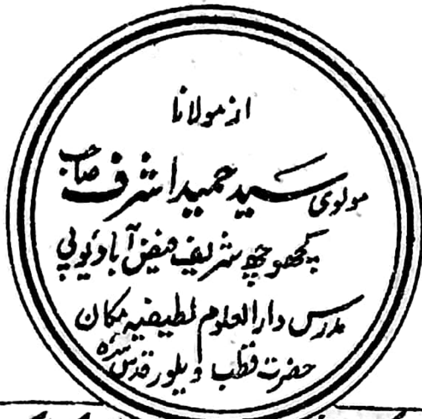
نوازی کیلئے وہ ہر حال میں تاکید و ہدایت فرماتے رہتے ہیں۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی مہمان نوازی کا بھی ایک واقعہ مشہور ہے جسکو مختصراً پیش کرتا ہوں۔ آپکا زمانہ شیرو سیاحت میں کسی دوست نے آپ کو اپنے گھر قیام کی دعوت دی شیخ سعدی نے بخوشی منظور کرلیا اور کچھ عرصہ تک وہاں قیام کا ارادہ کرلیا۔ کھانے کے وقت دسترخوان بہت ہی پر تکلف اور انواع و اقسام کے کھانوں، میوہ جات اور مشروبات سے چنا ہوتا تھا شیخ جب یہ منظر دیکھتے تو متاسفانہ کہتے کہ "ہائے، دعوت شیراز" ہر وقت کھانے میں اس دوست کا یہی معمول رہتا اور شاہانہ ضیافت میں کوئی کسر باقی نہ رکھتا۔ جب شیخ نے میزبان کے حد سے زیادہ تکلفات کو ملاحظہ فرمایا تو وہاں مزید قیام کا ارادہ ترک کردیا اور میزبان سے رخصت ہوکر بہت جلد واپس آگئے۔ واپسی کے وقت شیخ سعدی نے دوست کو اپنے وطن شیراز آنے کی دعوت دی جس کو انہوں نے بھی بصد شوق قبول کیا۔ چند دن بعد وہ شیراز آئے اور شیخ سعدی کے مہمان رہے۔ دوران قیام میں دسترخوان پر وہی سیدھا سادہ کھانا جو عموماً لوگ روزمرہ کھاتے ہیں پیش کردیا جاتا اور دونوں ساتھ کھالیتے۔ ایک دن دوست نے ازراہِ تعجب کہا کہ آپ دعوت شیراز کو بہت یاد کرتے تھے۔ کیا یہی دعوت شیراز ہے؟ شیخ سعدی نے فرمایا۔ دعوت شیراز یہی ہے اور یہ اس سے بہتر ہے۔ اس طرح اگر تم میرے پاس سالہا سال قیام کرو بلکہ زندگی بھی گذار دو تو مجھے کوئی بار یا گرانی محسوس نہ ہوگی لیکن آپ کی پر تکلف دعوت کی صورت میں اگر میں چند دن وہاں مزید قیام کرتا تو باعث زحمت و کلفت اور بار خاطر ہو جاتا۔ اسی وجہ سے میں آپ کے یہاں زیادہ قیام نہ کرسکا۔ لیکن اس میں نہ میزبان کو تکلیف اور نہ مہمان کو۔ آپ جتنے بھی دن چاہیں قیام کرسکتے ہیں ورنہ تکلفات میں ضرور تکلیف ہوتی ہے اور مہمان کی آمد باعث تنگی و پریشانی ہوگی۔ اللہ عزوجل اسلام کے اصول و آداب و حدود پر چلنے کی ہدایت دے اور مہمان نوازی کی توفیق عطا کرے

(آمین ثم آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدقہ کی اہمیت و فضیلت



صدقہ کے عنوان پر مولانا ابو الحسن صدر الدین شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری ناظم مدرسۂ لطیفیہ کی فرمائش پر یہ مضمون مرتب کیا گیا۔

شرع میں دو لفظ ہیں زکوٰۃ اور صدقہ۔ اگرچہ شرع میں زکوٰۃ پر صدقہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے، خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا دوسری جگہ ہے انما الصدقات للفقراء ان دونوں آیتوں میں زکواۃ پر صدقہ کا اطلاق ہوا ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی آیا ہے جب اعرابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا ان رسولك زعم ان علینا صدقۃ فی اموالنا فقال لہ صلے اللہ علیہ وسلم صدق الخ یہاں پر بھی زکواۃ کے لئے صدقہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن زکواۃ کا اطلاق صدقہ پر نہیں ہوتا باوجودیکہ دونوں میں نماء برکت اور تطہیر کے معنی پائے جاتے ہیں، کبھی دونوں میں فرق کرنے کے لئے صدقہ کے ساتھ نفل یا تطوع کا لفظ بڑھا دیا جاتا ہے پھر دونوں میں سے کسی کا اطلاق ایک دوسرے پر نہیں ہوتا۔

صدقۂ نافلہ اور زکواۃ میں فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال بقدر نصاب مخصوص قسم کے اموال اور سال کا اتمام ضروری ہے۔ لیکن صدقۂ نافلہ کیلئے کوئی شرط نہیں ہے۔ زکوٰۃ، اغنیاء اور سادات کے لئے جائز نہیں لیکن صدقۂ نافلہ دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ افضل یہ ہے کہ فقراء اور حاجتمندوں کو دیا جائے۔ صدقہ کا لفظ ماخوذ ہے 'رمح صدق' سے جسکے معنی ہیں سخت نیزہ، چونکہ صدقہ میں بھی مال کا نکالنا نفس پر سخت وگراں گذرتا ہے' اس لئے اس کو صدقہ کہتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ صدقہ ماخوذ ہے صدق سے۔ چونکہ صدقہ' دعویٰ صحت ایمان میں انسان کے صدق پر دلالت کرتا ہے' اس لئے اس کو صدقہ کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی مختلف وجوہ منقول ہیں۔

اس مضمون میں صدقہ ہی کے فضائل و تاثیرات سے گفتگو کی گئی ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ صدقہ دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح و درستگی فلاح و بہبودی کا سبب ہے، دافع رنج و غم ہے۔ سکون قلب و جگر ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من احب ان یبسط لہ فی رزقہ و ینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس کے نشانات قدم میں تاخیر کی جائے اس کو چاہیئے کہ صلہ رحمی

کرے ۔ نشانات قدم میں تاخیر کئے جانے سے عمر کی درازی مراد ہے کیونکہ جس شخص کی جتنی زیادہ عمر دراز ہوگی اسی قدر زیادہ زمانہ تک اس کے نشانات قدم زمین پر پڑیں گے، اور مرنے کے بعد نشان قدم بھی ختم ہو جاتے ہیں ۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ عمر ہر شخص کی مُعین ہے، جس میں ایک لمحہ کی نہ تقدیم ہوسکتی ہے نہ تاخیر پھر درازی عمر کی کیا صورت ہوسکتی ہے ۔ اس اشکال کے رفع کے لئے بعض علماء نے درازی عمر سے خیر و برکت مراد لیا ہے یعنی اس کے اوقات میں اس قدر خیر و برکت ہوگی کہ جو کام دوسرے لوگ مہینوں میں کرتے ہیں وہ دنوں میں کر گذرتا ہے ۔ جو کام دوسرے لوگ ایک ہفتہ میں کرتے ہیں وہ گھنٹوں میں کر لیتا ہے چنانچہ اس کا ثبوت اسلاف کے عظیم الشان کارناموں اور ان کی کثیر بیش بہا تصانیف سے ملتا ہے کہ جس قدر کتابیں وہ ضخیم جلدوں میں مدون و مرتب کر گئے ہیں ۔ اس زمانہ میں ان کی ورق گردانی بھی مشکل ہے اور بعض علماء نے درازی عمر سے ذکر خیر مراد لیا ہے کہ بہت زمانہ تک اس کا ذکر خیر جاری رہتا ہے جیسا کہ اہل اللہ اور صالحین کا ذکر جمیل اب تک مخلوق کی زبانوں پر جاری ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خاص عمر ہی کی زیادتی مراد ہو ۔ اور اس کا تعلق تقدیر معلق سے ہو جس میں کمی یا زیادتی فرشتوں کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے ۔ فرشتے سمجھتے ہیں کہ فلاں نیکی کی وجہ سے بندہ کی عمر میں اضافہ ہوگیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے اس کی عمر مشروط تھی کہ اگر بندہ نے فلاں نیکی کرلی تو اسکی عمر مقررہ میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم ہے، بندہ وہ نیکی کریگا یا نہیں کریگا ۔ لہٰذا باری تعالیٰ کے علم کے لحاظ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ملک الموت علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خوبصورت و نیک سیرت جوان وہاں آیا ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بڑی تعریف کی ۔ حضرت ملک الموت نے کہا کہ آپ کا ارشاد بجا ہے لیکن اب اس کی عمر پوری ہو چکی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا ہے کہ سات دن گذرنے کے بعد اسکی روح قبض کرلی جائے ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس خبر سے بڑا غم ہوا ۔ سات دن کے بعد آپ نے دیکھا کہ وہی جوان خوش و خرم چلا آرہا ہے، بہت متعجب ہوئے ۔ دل میں خیال کیا شاید مجھکو سننے میں غلطی ہوئی ہو ۔ ملک الموت نے بجائے سات دن کے سات ماہ یا سات برس کہا ہو ۔ جب پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ جوان کی عمر واقعی ایک ہفتہ تک پوری ہوگئی تھی لیکن اپنی وفات کے دن اس نے فقراء و مساکین پر صدقہ و خیرات کیا ۔ فقراء نے اس کے لئے دعا کی جس کی برکت سے اللہ نے اس کی سات دن کی عمر کو سات سال سے بدل دیا ان اللہ یحکم ما یرید، وانہ علیٰ ما یشاء قدیر ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سے فرمایا کہ تین باتیں بالکل حق ہیں (۱) جس شخص پر ظلم کیا جائے اور وہ چشم پوشی کرے تو اسکی عزت بڑھتی ہے ۔ (۲) جو شخص مال کی زیادتی کے لئے سوال کرے اس کے مال میں کمی ہوتی ہے (۳) جو شخص عطا داد و دہش اور صلہ رحمی کا دروازہ کھول دے اس کے مال میں کثرت ہوتی ہے ۔ اسی طرح بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ اور صلہ رحمی کی وجہ سے رزق ، مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے، خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے ۔ قبر میں وسعت وکشادگی ہوتی ہے ۔

حضرت طاؤس کہتے ہیں کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے ۔ ایک مرتبہ باپ بیمار ہوا تو اس کی اولاد میں ایک نے اپنے تینوں بھائیوں

سے کہا کہ اگر تم باپ کی خدمت وتیمار داری اس شرط پر کرو کہ
تم کو باپ کی میراث میں سے کچھ نہیں ملیگا تو تم خدمت کرو، ورنہ
میں اسی شرط پر تیمار داری کروں گا کہ میراث میں سے کچھ نہ لونگا
تینوں بھائی اس پر راضی ہو گئے اور کہہ دیا کہ تم ہی تیمار داری
کرو لیکن میراث میں تمہارا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اس نے بخوشی منظور
کرلیا۔ باپ کی خوب خدمت تیمار داری اور حسن سلوک کرتا رہا یہاں
تک کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ اسی رات اُس نے خواب میں دیکھا کہ
کوئی شخص کہتا ہے فلاں جگہ ۱۰۰ دینار اشرفیاں گڑھی ہوئی ہیں،
وہ تم نکال لو۔ اُس نے خواب ہی میں دریافت کیا، کیا ان میں
برکت ہوگی۔ ہاتف غیبی نے کہا نہیں ان میں برکت نہیں ہے۔
صبح کو بیوی سے خواب کا تذکرہ کیا۔ بیوی نے ان دنانیر کو نکالنے
پر اصرار کیا۔ مگر شوہر نے نہیں نکالا۔ دوسری رات پھر خواب دیکھا
جس میں کسی نے دوسری جگہ دس دینار بتائے۔ اس نے پھر وہی
برکت کا سوال کیا، جواب ملا ان میں برکت نہیں ہے۔ اس مرتبہ
بھی بیوی کی سفارش کے باوجود اس نے نہ نکالا تیسری رات
پھر خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں جگہ ایک ۱ دینار
گڑا ہے اس میں برکت ہے اُسے تم نکال لو۔ اُس نے جاکر
وہ دینار نکالا بازار جاکر اس سے دو مچھلیاں خریدیں۔ ہر ایک
مچھلی کے پیٹ سے ایک ایک نہایت بیش قیمت موتی نکلا جن کو
بادشاہ وقت نے بہت اصرار سے نوے خچروں کے بوجھ کے
بقدر سونے سے خریدا۔ حدیث شریف میں آیا ہے الصدقۃ
علی المسکین صدقۃ وھی علی ذی الرحم ثنتان
صدقۃ وصلۃ کسی غریب ومسکین پر صدقہ کرنے میں صدقہ
کا ثواب ہے، لیکن اپنے رشتہ داروں پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے
اور صلہ رحمی بھی۔ جو جتنا زیادہ قریبی رشتہ دار ہو اس پر خرچ
کرنے میں اُتنا ہی زیادہ ثواب ہے۔ یہ باپ کے ساتھ حسن سلوک
خدمت اور صلہ رحمی ہی کا نتیجہ ہے کہ آخرت کا ثواب وہ تو الگ رہا
اللہ تعالیٰ نے اسکی برکت سے دنیا میں بھی اس کو بے حساب مال ودولت
سے نواز دیا۔ اگرچہ قرآن کریم میں ماں اور باپ دونوں کے ساتھ
احسان اور حسن سلوک کا حکم ہے ووصینا الانسان بوالدیہ
احسانا لیکن ماں کا حق باپ پر مقدم ہے۔ حدیث شریف
میں آیا ہے قال رجل یارسول اللہ من احسن بحسن
صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من
قال امک قال ثم من قال ابوک اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ
اپنی تنگدستی کیوجہ سے دونوں کے ساتھ سلوک نہیں کرسکتا۔
تو ماں کے ساتھ سلوک کرنا مقدم ہے البتہ اعزاز ادب تعظیم میں
باپ کا حق ماں پر مقدم ہے۔ اس حدیث سے بعض علماء نے
استنباط کیا ہے کہ احسان اور حسن سلوک میں ماں کا حق تین حصہ ہے
اور باپ کا ایک حصہ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کا
حق تین مرتبہ بتا کر چوتھی مرتبہ باپ کا حق بیان فرمایا ہے۔ غرض یہ
ہے کہ جس قدر ثواب وفضیلت دیگر فقراء ومساکین پر صدقہ کرنے
میں ہے اس سے کہیں زیادہ والدین اور قرابت داروں کے ساتھ
احسان وحسن سلوک کرنے میں ہے۔

صدقہ وخیرات، احسان وحسن سلوک کیا جائے اور صرف
خدا کی خوشنودی کیلئے کیا جائے تو ایسا شخص سخی ہے اور سخی کو
خدا کا مقرب بتایا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے السخی قریب
من اللہ قریب من الجنۃ قریب من الناس بعید
من النار الی آخرہ امام غزالی سے منقول ہے کہ حضرت

یحییٰ ابن زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایکمرتبہ
شیطان سے پوچھا کہ تجھے سب سے زیادہ محبوب کون شخص ہے
اور سب سے زیادہ نفرت کس سے ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے سب سے
زیادہ محبت مومن بخیل سے ہے اور سب سے زیادہ نفرت فاسق
سخی سے ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس کی وجہ دریافت
کیا تو شیطان نے کہا کہ بخیل اپنے بخل کی وجہ سے مجھے بےفکر رکھتا
ہے یعنی اس کا بخل ہی اُسے جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے،
لیکن فاسق سخی کیلئے مجھے ہر وقت فکر رہتا ہے کہ کہیں اللہ رب
العزۃ اسکی سخاوت کی وجہ سے اس سے درگذر نہ فرمادیں، اور
اسکی بخشش نہ کردیں کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسکی سخاوت اور جود
وعطا سے خوش ہوکر اس کو بخشدیا تو میری ساری محنت جو اُس
سے عمر بھر گناہ صادر کرانے میں صرف کیا وہ سب بیکار ہو
جائیگی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص سخاوت کرتا ہے،
وہ اللہ رب العزۃ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو بخل کرتا
ہے وہ اللہ رب العزت سے بدظنی رکھتا ہے۔ حسن ظن کا مطلب
یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جس خالق و مالک نے یہ عطا فرمایا ہے
وہی دوبارہ عطا کرسکتا ہے کیونکہ اس کا خزانہ غیر محدود ہے۔
تمام آسمان و زمین کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے دستِ قدرت
میں ہیں۔ جو کچھ چاہے ایک لمحہ اور ایک پل میں کرسکتا ہے۔
ظاہر ہے جو شخص ایسا سمجھ کر سخاوت کرتا ہے اس کے اللہ سے
قریب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اللہ سے بدظنی یہ ہے،
کہ وہ یہ سمجھے کہ اگر یہ مال ختم ہوگیا تو پھر کہاں سے آئیگا، ایسے
شخص کا اللہ سے دُور ہونا ظاہر ہے کہ اللہ کی قدرت پر اُسے
بھروسہ نہیں ......

ایک مرتبہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید
شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری اپنے والد ماجد صاحب قبلہ
مرحوم اور اپنے جدامجد صاحب علیہما الرحمۃ والرضوان کا واقعہ ذکر
فرمارہے تھے کہ حضرت والد ماجد صاحب قبلہ سفر حج کی تیاری
کی فکر میں رہتے تھے سفر خرچ زاد راہ وغیرہ کے لئے روپیہ
پیسہ جمع کر رہے تھے، جب اسکی خبر حضرت جدامجد کو ہوئی، تو
انہوں نے فرزند کو بلاکر کہا کہ یہ روپیہ پیسہ کس لئے جمع ہو رہا
ہے کیا خدا پر بھروسہ نہیں ہے۔ یہی دو جملہ حضرت والد ماجد
کی تنبیہ و عبرت کے لئے کافی تھا۔ جو کچھ جمع کیا تھا فوراً جاکر
سب حقداروں میں تقسیم کردیا اور رومال جھاڑ کر رکھ دیا۔ لیکن
جب کسی دوسرے موقع پر سفر حج کے لئے نکلے تو خدا کی شان عالم
غیب سے سارا سامان مکمل تھا بلکہ آپ کے ساتھ اور بھی کئی آدمیوں
کے سفر کا انتظام ہوگیا۔ یہ ہے خدا سے حسن ظن کی شان کہ
جس مالک نے یہ مال عطا کیا ہے وہی پھر دے سکتا ہے، اسی اعتماد
و بھروسہ پر وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کیا کرتے ہیں۔
حضرات صحابہ و تابعین و اہل اللہ کے واقعات سے تاریخی
کتابیں لبریز ہیں۔ جو ہر حال میں خدا کی دین و عطا ہی پر بھروسہ
کرتے تھے اور اپنی مملوکہ شئ کو خدا کی امانت سمجھتے تھے اور ساری
مخلوق کو وہ اللہ کا عیال اور کنبہ سمجھتے تھے اور یہ ظاہر بات
ہے کہ خدا سے بندہ کا تعلق جتنا زیادہ قوی ہوگا اتنا ہی
وہ اللہ کی مخلوق پر کثرت سے خرچ کریگا۔ حدیث شریف
میں بھی آیا ہے کہ کوئی اللہ کا ولی ایسا نہیں ہوا جس میں دو
صفتیں نہ ہوں۔ ایک سخاوت دوسرے حسن خلق۔ ایک
مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سائل آیا۔

آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت حسن اور حضرت حسین سے فرمایا کہ اپنی والدہ حضرت فاطمہ سے کہو کہ میں نے جو چھ درم تمہارے پاس رکھے ہیں ان میں سے ایک دیدیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بطور یاددہانی جواب میں کہلایا کہ آپ نے وہ دراہم آٹے کے لئے رکھے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ایمان میں اُس وقت تک سچا نہیں ہوسکتا جب تک اپنے پاس کی چیز سے زیادہ اُس چیز پر اعتماد نہ ہو جو اللہ رب العزۃ کے پاس ہے اور کہلایا وہ چھ درہم سب سائل کو دے دیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بلا تامل حکم کی تعمیل کی اور سب سائل کو دے دئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ایک شخص اونٹ فروخت کرتا ہوا آیا۔ آپ نے اونٹ کی قیمت دریافت کی۔ اس نے ایک سو چالیس درم بتائے آپ نے اونٹ بطور قرض خرید لیا اور قیمت کی ادائگی کے لئے ایک مدت تک کا وعدہ کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص آیا اور حضرت علی سے اونٹ خریدنا چاہا۔ حضرت علیؓ نے اونٹ دوسو درم پر فروخت کر دیا۔ اس میں سے ایکسو چالیس درم قرض خواہ کو دیکر باقی ساٹھ درم حضرت فاطمہ کو لاکر دیدیئے۔ حضرت فاطمہ نے تعجب سے دریافت کیا یہ کہاں سے آئے۔ حضرت علی نے فرمایا یہ اللہ رب العزت نے مجھ سے تجارت کی ہے اور اس طرح اپنے وعدے کے مطابق ایک کے بدلہ میں دس گنا عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت علی و فاطمہ حسن و حسین علیہم السلام کے ایثار و صدقات کے اور بھی واقعات ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے محنت مزدوری کر کے کچھ پیسے حاصل کئے اس کا آٹا منگوا کر روٹی تیار کی اور سب اہل خانہ کو تقسیم کر دیا۔ سب لوگ جیسے ہی کھانے کے لئے بیٹھے کہ ایک سائل نے آواز دی کہ خدا کے لئے اس مسکین کو کھانا کھلاؤ، اللہ آپ لوگوں کو جنت کے کھانے کھلائیگا۔ سب نے اپنا اپنا کھانا سائل کے حوالہ کر دیا اور خود سب لوگ فاقہ سے سو گئے۔ اسی طرح دوسری اور تیسری رات بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اس قسم کے ایثار و قربانی کے واقعات ایسے بے مثل و عدیم النظیر واقعات ہیں کہ شاید اس کا مثل چشم فلک نے نہ کبھی دیکھا ہو اور نہ کبھی دیکھے۔ ان حضرات کی تمام زندگی پیکر اخلاص و ایثار تھی اور ان کا مقصد زندگی خدا کی رضاجوئی و حصول خوشنودی تھا۔ اس لئے وہ اپنا سب کچھ راہ خدا میں نثار کرتے رہتے تھے۔ دیگر صحابۂ کرام کا بھی یہی حال تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایثار تو ضرب المثل ہے۔ یہ تو صحابہ کے حالات تھے۔ زمانۂ مابعد میں بھی ایسی اولوالعزم ہستیاں گذری ہیں جو بالکل صحابہ ہی کے نقش قدم پر تھیں۔ دنیا اور دنیا کے تمام مزخرفات میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں تھی، وہ دنیا کو پائے حقارت سے ٹھکراتے تھے اور دنیا ان کے قدموں پر نثار ہوتی تھی۔ محمد ابن عباد مہلبی کہتے ہیں کہ میرے والد خلیفہ مامون رشید کے پاس گئے۔ خلیفہ نے ایک لاکھ درہم ان کو ہدیہ میں دیا۔ والد صاحب جب وہاں سے واپس آئے تو سب صدقہ کر دیا۔ اس کی اطلاع مامون رشید کو بھی ہوگئی۔ جب پھر والد صاحب کی ملاقات خلیفہ مامون سے ہوئی تو مامون نے ناراضی کا اظہار کیا۔ والد صاحب نے کہا اے امیر المؤمنین موجود کو روکے

رکھنا معبود کے ساتھ بدگمانی ہے یعنی خرچ نہ کرنا اسی خوف سے ہوتا ہے کہ نہ رہیگا تو کہاں سے آئیگا تو گویا وہ اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ جس مالک نے اِس وقت دیا ہے، وہ دوبارہ نہیں دے سکتا اللہ تعالیٰ سے یہ بدظنی مومن کی شان نہیں۔ اسطرح کی مثالیں حضرات اکابر ومشائخ کی زندگیوں میں بہت مل سکتی ہیں کہ انہوں نے اپنی ضرورت وحاجت کے باوجود دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دی ہے لیکن انہیں چند مثالوں سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرات اسلاف و اہل اللہ دنیا و آخرت دونوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی ساری جدوجہد کس چیز کے لئے ہوتی تھی، کون مقصود اصلی تھا اور کون ذریعہ و وسیلہ جیسا وہ دنیا کو مسافرخانہ کہتے تھے اسی طرح عمل سے اس کا مظاہرہ بھی کرتے تھے، اور آخرت کی دائمی زندگی کے توشہ کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اس موقع پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پاس کچھ باقی رکھ کر صدقہ کیا جائے، یہ نہیں کہ سب کچھ صدقہ کرکے اپنے کو بالکل مفلس بنا دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ ودیگر اسلاف کا طرز عمل اس حدیث کے خلاف تھا کہ جو اپنی احتیاج وضرورت کے باوجود اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی خستہ اور بوسیدہ حالت کو دیکھ کر لوگوں کو کپڑا صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ لوگوں نے کچھ کپڑے حاضر خدمت کئے جس میں سے دو کپڑے

آپ نے ان کو عطا فرمائے جو اس وقت بہت ہی خستہ حالت میں مسجد میں داخل ہوئے تھے اس کے بعد کسی دوسرے موقع پر حضور نے پھر لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تو انہوں نے بھی اپنے دونوں کپڑوں میں سے ایک کپڑا صدقہ کر دیا۔ حضور نے ان کو تنبیہ فرمائی اور ان کا کپڑا واپس کر دیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدقہ اس طرح کرنا چاہئے کہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنے پاس کچھ بچا رہے۔ نیز ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ بغیر غنیٰ کے صدقہ نہیں ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ مختلف روایات مختلف اشخاص وحالات کے اعتبار سے ہیں۔ جن لوگوں کو اپنے مال سے زیادہ اعتماد اس مال پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے ان کے مطابق پہلی روایت کا حکم ہے جیسا کہ حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات سے معلوم ہوا۔ لیکن جسکو اتنا پختہ اعتماد اور توکل کامل حاصل نہ ہو بلکہ یہ اندیشہ ہو کہ سب کچھ صدقہ و خیرات کے بعد مخلوق کے سامنے دست سوال پھیلائیگا اس کے لئے دوسری قسم کی روایت کا حکم ہے یعنی اس کے لئے سب صدقہ کرنا جائز نہیں بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر باقی کو صدقہ کرے لہٰذا روایات میں باہم کوئی تضاد یا اختلاف نہ رہا، دونوں کا تعلق الگ الگ اشخاص واحوال سے ہے۔

جس طرح حالت حیات میں اپنے اعمال خیر کا ثواب انسان کو ملتا ہے اسی طرح بعض اعمال خیر ایسے ہیں کہ وفات کے بعد بھی ان کا ثواب میت کو ملتا رہتا ہے انہیں میں سے

ایک صدقۂ جاریہ ہے یعنی ایسا صدقہ جس کا نفع باقی رہنے والا ہو مثلاً مسجد، مدرسہ، مسافرخانہ یا کوئی بھی ایسا کام جس سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہے تو جبتک مسجد میں نماز ہوتی رہے گی مدرسہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہیگا مسافرخانہ وغیرہ سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے برابر اس کا ثواب اس کے بانی کو ملتا رہے گا۔ دوسرے علم کی تعلیم و اشاعت ہے اگر کسی نے اپنی تعلیم و تفہیم سے کسی کو عالم یا حافظ بنادیا تو اس عالم و حافظ سے جس قدر لوگ فائدہ اٹھائیں گے اور اسی طرح نسلاً بعد نسل جبتک لوگ ایکدوسرے سے افادہ و استفادہ کا سلسلہ جاری رکھینگے اُس پہلے معلم کو ان سب کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا۔ تیسری چیز اولاد صالح ہے جو اپنے والدین کیلئے دُعا کیا کرے اس کا ثواب والدین کو برابر پہنچتا رہے گا۔ بعض روایات میں سات چیزوں کا ذکر ہے کہ مرنے کے بعد ان کا ثواب ملتا رہتا ہے کسی کو علم پڑھایا ہو، کوئی نہر جاری کر دی ہو۔ کوئی کنواں بنادیا ہو۔ کوئی درخت لگا دیا ہو۔ کوئی مسجد بنادی ہو۔ قرآن پاک میراث میں چھوڑا ہو یا ایسی اولاد چھوڑی ہو جو اس کے لیئے دُعائے مغفرت کرتی رہے۔ اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد اگر کوئی ایصال ثواب کرے تو اس کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری والدہ اپنی زندگی میں میرے مال سے حج کرتی تھیں میرے ہی مال سے صدقہ دیتی تھیں، صلہ رحمی کرتی تھیں، لوگوں کی امداد کرتی تھیں، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے یہ سب کام اگر ہم ان کی طرف سے کریں،

تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچیگا۔ حضور نے فرمایا بے شک پہنچیگا۔ (کنز) دوسری روایت میں اسطرح ہے عن سعد ابن عبادہ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحضر بیرا وقال ھذہ لام سعد حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ان کے ایصال ثواب کے ملئے کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے۔ تب حضرت سعد نے اپنی والدہ کے ثواب کے لیئے ایک کنواں کھدوادیا۔ پانی کے افضلیت کی وجہ یہ تھی کہ عرب گرم اور ریگستانی ملک ہے۔ اُس وقت وہاں پانی کی قلت تھی اور لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت تھی اس لئے پانی کا صدقہ آپ نے افضل فرمایا۔ اسی طرح لوگوں کی حاجات کے لحاظ سے جو چیز زیادہ ضروری ہو اس کا صدقہ افضل ہے۔ بہرحال مذکورہ روایات سے ثابت ہوا کہ میت کی طرف سے بھی صدقہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اسی ایصال ثواب کے ثبوت میں روض الریاحین میں ایک واقعہ نقل کیا ہے، ایک عالم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ قبرستان کی قبریں ایک دم شق ہوگئی ہیں اور مُردے سب باہر نکل کر زمین پر کوئی چیز جلدی جلدی چُن رہے ہیں لیکن ایک شخص مطمئن بیٹھا ہے، وہ کچھ نہیں چُنتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس کے پاس جاکر سلام کیا اور دریافت کیا، یہ لوگ کیا چن رہے ہیں اور تم خاموش کیوں بیٹھے ہو۔ اس نے کہا کہ جو لوگ صدقہ، دعا، درود

وغیرہ پڑھکر اس قبرستان والوں کو بھیجتے ہیں اس کی برکات و انوار یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں۔ میرا ایک لڑکا ہے جو فلاں بازار میں ایک خاص قسم کا حلوا فروخت کرتا ہے، وہ روزانہ ایک پارۂ قرآن شریف پڑھکر بخشتا ہے لہٰذا میں مستغنی رہتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں صبح کو اٹھکر اس بازار میں گیا۔ ایک جوان کو دیکھا کہ وہ وہی حلوا فروخت کرتا ہے اور اس کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا تم کیا پڑھ رہے ہو، اس نے کہا میں روزانہ ایک پارہ قرآن شریف ختم کرکے اپنے والد کو ہدیہ پیش کیا کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک عرصہ کے بعد میں نے پھر قبرستان کے لوگوں کو اسی طرح حسب سابق چلتے دیکھا اور اس مرتبہ اس شخص کو بھی چلتے دیکھا جو پہلی مرتبہ چلنے سے مستغنی تھا۔ صبح اٹھکر پھر میں اسی بازار میں گیا۔ تلاش و جستجو سے معلوم ہوا کہ اس لڑکے کا انتقال ہوگیا۔

ایک مشہور واقعہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے کہ ایک صالح نوجوان نے بذریعۂ کشف معلوم کرکے کہا کہ میں اپنی ماں کو جہنم میں دیکھ رہا ہوں اور نوجوان کے چہرہ پہ رنج وغم کے آثار نمایاں ہیں۔ حضرت جنید بغدادی نے ایک لاکھ کلمہ جو آپ نے پڑھ رکھا تھا اپنے دل میں اس کی ماں کو بخشدیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نوجوان ہنس رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان کے کشف کی صحت حدیث سے معلوم کی اور حدیث کی صحت نوجوان کے کشف سے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے

کہ ان روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ اعمال خیر، صدقہ، دعا درود تلاوت قرآن کے ایصال ثواب کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے۔

البتہ بعض حضرات نے اس کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ غیر کے اعمال کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے لها ما کسبت وعليها ما اكتسبت یعنی ہر نفس کیلئے نفع مند وہی اعمال خیر ہیں جو اس نے خود کئے ہیں اور اس کے لئے ضرر رساں بھی وہی اعمال بد ہیں جنکا ارتکاب اس نے خود کیا ہے۔ کسی غیر کے اعمال خیر یا اعمال بد کی جزا و سزا کسی دوسرے کو پہنچنا خلاف عقل بھی ہے اور خلاف عدل بھی۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب احادیث اور روایات صحیحہ سے ایصال ثواب کا ثبوت ہوگیا تو عقل کا فیصلہ کوئی چیز نہیں مومن کی شان یہی ہے کہ جب شرع کا فیصلہ ان پہ ظاہر ہو جائے تو وہ سر تسلیم خم کردیں اور کہیں سمعنا واطعنا یہ نہیں کہ حکم شرع معلوم کرکے اس کے مقابلہ میں اپنا قیاس اور منطق لڑائیں اور کہیں سمعنا وعصینا ورنہ عجب نہیں کہ وہی حشر ہو جو معلم الملکوت کا ہو چکا ہے کہ اس نے بھی حکم خداوندی کے مقابلہ میں اپنا قیاس لڑایا تھا اور کہا تھا خلقتنی من نار وخلقته من طين بس پر اس کا جو انجام ہوا وہ ساری دنیا جانتی ہے۔

گذارش کا مقصد یہ ہے کہ عقل کا حکم وہاں معتبر ہے جہاں شرع کی مخالفت نہ ہو ورنہ وہ حکم لائق التفات و اعتبار نہیں بلکہ مردود و باطل ہے۔ مخالفین کی پیش کردہ

آیات کے معانی و مطالب کے بیان میں مفسرین کرام نے مختلف توجیہیں بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ ان آیات میں لام تملیک کا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اس کی ملکیت صرف اپنے ہی اعمال ہیں۔ دوسرے کا عمل قابل بھروسہ نہیں۔ پتہ نہیں مرنے کے بعد کوئی ایصال ثواب کرے یا نہ کرے۔ لہٰذا دوسروں کے ایصال ثواب کے بھروسہ پر خود عمل سے غافل ہو جانا یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی ایصال ثواب کرے تو اس کا فائدہ میت کو نہ پہنچیگا۔

دوسری توجیہہ یہ ہے کہ آیات مذکورہ میں بدنی اعمال میں نیابت کی نفی ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز روزہ ادا کردے تو اس دوسرے کے ذمہ سے نماز روزہ ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کے ذمہ بدستور واجب الادا رہے گا لیکن نماز و روزہ کا ثواب دوسرے کو بخشا جاسکتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشار رکعتین ویقول ھذا لابی ھریرۃ یعنی کون شخص ذمہ لیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں دو رکعت نماز پڑھ کر ابوہریرہ کو اس کا ثواب بخشدے۔ بہرحال عبادت بدنی ہو یا عبادت مالی ثواب ہر ایک کا بخشا جاسکتا ہے۔ البتہ عبادت بدنی میں نیابت جائز نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کے بذات خود ادا کرنے ہی سے اس کا فریضہ ادا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں سعی و کسب کا ذکر ہے جس کا تعلق ہر شخص کی اپنی اپنی ذات سے ہے، ہبہ یا ایصال ثواب کا ذکر نہیں ہے کہ اس کی نفی لازم آئے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے عدل کا بیان ہے کہ عدل و انصاف کا مقتضا تو یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے اعمال ہی کی جزا ملے لیکن دوسروں کے اعمال کا جو اُسے فائدہ پہنچتا ہے یہ اللہ جل شانہ کا فضل و کرم ہے، ظلم نہیں ہے۔ وہ مالک ہے جس طرح چاہے اپنے بندے کو نوازے اس میں کسی کو چون وچرا کرنے یا دم مارنے کی مجال نہیں ہے، چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی سفارش سے میدان محشر میں بہت سے گنہگار بندوں کی بخشش ہوگی لہٰذا آیات و احادیث میں کامل مطابقت ہو جاتی ہے کوئی تضاد نہیں رہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے پیش نظر حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو صدقہ کی اہمیت کا اس قدر شدید احساس تھا کہ ان کا سب کچھ اسی مقصد کے لئے وقف تھا۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت معاذ حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو ذر غفاری اور دیگر حضرات کے اس معاملہ میں ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنی ساری جد وجہد صرف آخرت ہی کے لئے کرتے تھے اور اپنی بڑی سے بڑی عزیز اور قیمتی شے کو بھی اللہ کی راہ میں تصدق کرکے ذخیرۂ آخرت بنا دیتے تھے۔ جس طرح صدقہ، آخرت میں اجر و ثواب کا سبب ہے اسی طرح دنیا میں بھی اس کے فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ صدقہ اللہ رب العزۃ کے غیظ و غضب کو فرو کرتا ہے۔ بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرتا ہے اس کا مال ہر آفت، ضیاع و نقصان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ رزق میں برکت دی جاتی ہے۔ عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ قبر کی تنگی دور ہوتی ہے۔ میدان محشر

جب آفتاب سوا نیزے پہ ہوگا تو صدقہ اس پہ سایہ فگن ہوگا۔ بُری موت کو دُور کرتا ہے۔ تکبّر اور فخر کو مٹاتا ہے۔ غرض دنیا و آخرت کے بہت سے فوائد اس سے وابستہ ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ سب محض رضائے باری تعالیٰ کیلئے ہو اور کوئی غرض نہ ہو۔ دنیوی بلائیں و مصیبتیں کس طرح دُور ہوتی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت سالم ابن ابی الجعد کہتے ہیں، کہ ایک عورت اپنے کمسن بچے کے ساتھ جارہی تھی، راستہ میں بھیڑئیے نے اس کے بچّہ کو اچک لیا۔ یہ عورت روتی چلاّتی بھیڑئیے کے پیچھے چلی جارہی تھی کہ راستہ میں ایک سائل ملا اُس نے عورت سے کچھ سوال کیا اس کے پاس ایک روٹی تھی، وہ سائل کو دے دیا بھیڑیا فوراً واپس پلٹ پڑا اور اس کے بچّہ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ صدقہ کی وجہ سے اس کی تائید غیبی ہوئی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کے پاس ایک شخص آئے اور عرض کیا کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے۔ سات سال تک ہر قسم کا علاج و معالجہ کرتا رہا کسی سے فائدہ نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا جس جگہ پانی کی قلت ہو وہاں ایک کنواں بنوا دو، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جب کنویں میں پانی نکل آئے گا تو تمہارے گھٹنے کا زخم اچھا ہوجائے گا چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان کا زخم اچھا ہوگیا۔

مشہور محدث ابو عبداللہ حاکم کے چہرہ پر ایک زخم ہوگیا تھا، ایک سال تک علاج کیا کچھ کارگر نہ ہوا۔ ایکمرتبہ استاذ ابوعثمان صابونی سے دعا کی درخواست کی۔ جمعہ کا دن تھا انہوں نے دیر تک دُعا کی دوسری جمعہ میں ایک عورت حاضر ہوئی اور مجلس میں ایک پرچہ پیش کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں اپنے گھر میں حاکم کے لئے بہت دیر تک دعا کرتی رہی اسی دوران آنکھ لگ گئی خواب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا حاکم سے کہدو کہ مخلوق پر پانی کی وسعت کرے چنانچہ انہوں نے اپنے دروازہ پر پانی کی سبیل قائم کردی، اس کے بعد ان کا زخم خود بخود اچھا ہوگیا۔ غرض کہ ہر بلا آفت مصیبت صدقہ کی برکت سے دُور ہوجاتی ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری اعلیحضرت قبلہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ اعلیحضرت قبلہ کو ایک پھوڑا بہت نازک جگہ ہوگیا تھا اور خطرناک صورت اختیار کرگیا تھا، ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ موت و حیات تو اللہ کے اختیار میں ہے لیکن آپریشن کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے ابھی اسی کشمکش و پیچ میں سب لوگ تھے کہ حضرت کا ایک بکرا بڑا فربہ سینگدار جو جنگل میں چرنے گیا تھا، خود بخود آدمی بکرے کو لیکر گھر آگیا۔ اچانک وہ بکرا گردن ادھر اُدھر موڑنے لگا۔ لوگ حیران تھے کہ اس بکرے کو کیا ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ غیبی اشارہ ہے۔ اس بکرے کو ذبح کرکے گوشت صدقہ کردیا جائے۔ اس کا نام صدقہ حدیث ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مریض جانور پر ہاتھ پھیر دے، اس کے بعد اس مریض کی طرف سے جانور کو ذبح کردیا جائے۔ جانور ذبح کرنے کے بعد اس کے کل باسٹھ ۶۲ حصّے کئے جائیں جس میں پانچ حصہ سر، پائے، کلیجی، چمڑا

پہوٹا یعنی اوجھڑی ہے، باقی گوشت کے ستاون[۵۷] حصے کئے جائیں۔ اس طرح کل باسٹھ[۶۲] حصے ہوگئے اور سب حصہ الگ الگ فقیر و محتاج کو دیدیا جائے۔ اسی طرح بزرگوں سے منقول و رائج ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ادھر یہ کارروائی انجام دی گئی اور ادھر پھوڑا خود بخود پھوٹ کر بہہ گیا اور اس طرح ایک سخت مصیبت سے نجات مل گئی۔

یہ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ صدقہ تمام دینی و دنیاوی مقاصد کی تحصیل و حاجت برآری کا تیر بہدف علاج ہے بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ نسخہ ہے۔ جس میں غلطی یا خطا کا احتمال ہی نہیں ہوسکتا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یقین، اعتماد، اخلاص اور رزق حلال سے کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

بسلسلہ صفحہ ۳۹ بنت عبدالمطلب کے متعلق نازل ہوی۔ واقعہ یہ ہے کہ زید بن حارث جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور نے حضرت زینب کو حضرت زید بن حارث کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت زینب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن اور قبیلۂ قریش کے معزز خاندان سے تھیں۔ اس لئے عار کی وجہ سے اس رشتہ کو منظور نہ کیا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوی تو وہ راضی ہوگئیں اگرچہ مزاج میں اختلاف و ناموافقت کی وجہ سے بعد میں طلاق کی نوبت آگئی۔ لیکن اللہ و رسول کے فیصلہ پہ سر تسلیم خم کرنے سے گریز نہیں کیا۔

حکومت اسلامیہ کے تحفظ و استحکام کے لئے فوجی طاقت و قوت کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن اسلامی جنگ کا نقطۂ نظر کسی کی زمین یا سلطنت و حکومت پہ قبضہ کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہے کہ اللہ کا دین تمام ادیان باطلہ پہ غالب آجائے اور اسلام کا بول بالا ہو۔ حتیٰ یَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فوجی استحکام اور طاقت و قوت کی تحصیل پہ یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ کفار سے مقابلہ کرنے کے لئے حتی الامکان قوت اور جنگی گھوڑے وغیرہ سامان حرب مہیا کرتے رہو جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں

(وما علینا الا البلاغ)

قرآن حکیم کی سیاسی تعلیمات

از: وی فضل بن حسن
زمرۂ خامسہ
متعلم دار العلوم اللطیفیہ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین

نحمدہٗ ونصلے علی رسولہ الکریم ــــــ اما بعد

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اسلام ایک کامل دین اور بستانِ سدا بہار ہے۔ زندگی کا کوئی حصّہ ایسا نہیں ہے جس میں وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا ہو۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اس مضمون سے دو مقصد وابستہ ہیں (۱) اسلامی دستورِ حکومت کا ایک ایسا اصولی خاکہ پیش کرنا جو مسلمانوں کا مطمح نظر ہو۔

(۲) اور عام بنی نوع انسان کو یہ باور کرانا کہ عالم کی سیاسی الجھنوں کا علاج بھی اسلام ہی کرسکتا ہے۔

یوں تو از آفرینشِ عالم تا آغازِ اسلام ہزاروں سال کا زمانہ حائل ہے اس درمیانی عرصہ میں ہزارہا انبیاء علیہم السلام مخلوق کی ہدایت کے لئے اپنے ساتھ صحیفے اور کتابیں لائے لیکن جس طرح آفتابِ عالمتاب ستاروں کیلئے پیامِ رخصت ہوتا ہے اسی طرح جب آفتابِ رسالت اپنی پر نور شعاعوں کے ساتھ فاران کی چوٹی سے طلوع ہوا تو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روشنیاں نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔ اس آفتابِ عالمتاب کی روشنی اس قدر جامع و مکمل ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں اسکی ہدایت و رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اور اسی روشنی کو قرآن کریم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید اور سیرت سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم حقیقۃً ایک ہی شئی کے دو نام ہیں۔ قرآن سیرت است و سیرت قرآن۔

قرآن کریم قانونِ ربانی کو بصورتِ علمی پیش کرتا ہے اور سیرت اس کو بصورتِ عملی پیش کرتی ہے۔ اس موافقت و مطابقت کے باوجود اصولی حیثیت سے قرآن کا مرتبہ سنت پر مقدم ہے۔

اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اللہ رب العزۃ نے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل فرمائیں اس سے اصل مقصود بنی نوع انسان کی ہدایت تھی کیونکہ انسان ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نیابت و خلافت کا منصب عطا فرمایا ہے اور اس کو اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا ہے اور تمام علوم و فضائل سے اسے آراستہ و پیراستہ کیا ہے۔

سیاستِ اسلامی کا مقصد

سب سے اعلیٰ و برتر زندگی وہ ہے جس کا دامن تضاد و اختلاف سے مبرّا ہو۔ اس خامی سے پاک وہی نظام ہوسکتا ہے جو انسان کا خود ساختہ نہ ہو۔ اس لئے کہ انسان کا ہر وصف و کمال محدود ہے۔ اس کی فکر و نظر میں وہ وسعت و گہرائی نہیں ہوسکتی جو ہر زمانے کے بدلتے ہوئے حالات و رفتار کا ساتھ دے سکے۔ یہ وصف تو خدا ے

علیم وخبیر ہی کا دستور ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی نظام فتنہ وفساد سے بعید اطمینان و راحت سے لبریز اور انسان کی اخلاقی وروحانی ترقی کا کفیل ہو کر اسکی فطری صلاحیتوں کو نشوونما دے سکتا ہے۔ اسی کے چند اہم شعبے ذکر کرنا چاہتا ہوں جو بحوالۂ آیت کے درج ذیل ہے۔

جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اسلامی دستور ہی سب سے اعلیٰ دستور العمل ہے اور وہی دنیا کے اندر امن وسلامتی کا ضامن ہے۔ اس لئے حکم خداوندی ہے کہ اے لوگو! جب تم میں باہم اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اپنی رائے اور پسند وناپسند سے نہ کرو بلکہ اسے خدا اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے پیش کرو، اور خدا ورسول جو فیصلہ کریں اسے قبول کرو۔ وَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اگر تمہارا یا امیر کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور اس کے پیغمبر کے سامنے (یعنی اس کے احکام کے سامنے) پیش کرو، اگر تم اللہ وروز قیامت پر یقین رکھتے ہو) کیونکہ خدا ورسول کا فیصلہ ہی تمہارے معاملات میں قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ اس طرح تمہارے باہمی فتنہ وفساد کا استیصال ہو سکتا ہے۔

اقامت سلطنت

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ اس آیت کریمہ میں اولو الامر کی اطاعت کا حکم ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اولو الامر کی اطاعت اسی وقت ہو گی جبکہ اسلامی حکومت ہو۔ لہٰذا اس آیت سے اشارۃً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت اسلامیہ کا قیام ہو کیونکہ امر کا موجب وجوب ہے جب اطاعت خدا واطاعت رسول واجب ہے تو اطاعت اولو الامر بھی واجب ہوئی۔ کیونکہ معطوف ومعطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے اور اطاعت اولی الامر اس وقت تک ممکن نہیں جبتک حکومت اسلامی نہ ہو۔ لہٰذا مقدمہ الازم لازم کے تحت حکومت اسلامی کا قیام ضروری ہوا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت اسلامیہ کے لئے امیر کیسا ہو اور کون شخص امارت کا مستحق ہو سکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ وتدین کی اعلیٰ صفات سے متصف ہو اور دوسروں کو بھی شریعت اسلامیہ کی سیدھی راہ پر چلا سکے تو وہی شخص اسکے صحیح معنی میں امارت کا اہل ہے۔

سلطنت اسلامی کا قیام یہ اللہ کا بڑا انعام ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو خدا کے احسان وانعام کی جانب توجہ دلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا الخ (اور جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اللہ جل شانہٗ کے انعامات کو جو تم پر تھے اسے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب سلطنت بنایا) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سلطنت وحکومت اللہ کا بڑا فضل وانعام ہے لیکن یہ واضح ہونا چاہئے کہ سلطنت بالذات مقصود نہیں ہے بلکہ وہ احکام الٰہی اور نظام خداوندی کے نفاذ واجرا کا ایک ذریعہ ہے۔ اصل مقصود احکام خداوندی کی تعمیل واطاعت ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں صراحت موجود ہے الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ

أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (حج) وہ لوگ (مومنین) ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں مقدرت یعنی خدمت الٰہیہ عطا کردیں تو یہ لوگ نماز قائم کرینگے اور زکوٰۃ دینگے اور اچھے کاموں کا حکم دینگے اور برائیوں سے روکینگے۔ معلوم ہوا کہ خلافت اسلامیہ کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ تمام مسلمان اسلامی نظام عبادت کا خاص اہتمام رکھیں۔

آیت کریمہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ دو لفظ، مختصر ہیں مگر جامع ہیں۔ اجمالاً یوں سمجھئے کہ تمام وہ چیزیں جو خدائے عزوجل کی مرضی کے موافق ہوں وہ معروف ہے۔ اور جو چیزیں اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں وہ منکر ہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ایسا صالح اور پاکیزہ ہو جہاں نیکی اور بھلائی کا دور دورہ ہو۔ اور برائیوں کا اس میں نام ونشان باقی نہ رہے۔ خیر ونیکی کی اشاعت اور شر ومعاصی کے ازالہ میں اگر کوئی جماعت رکاوٹ بنے تو ضروری ہے کہ اس کی سرکوبی کی جائے، جب تک وہ اللہ ورسول کے فیصلہ کو قبول نہ کرے جیسا آیت کریمہ اس پر شاہد ہے وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (حجرات) اگر مسلمانوں کے دو گروہ ایک دوسرے سے قتل وقتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی (ظلم) کریں تو زیادتی کرنے والے سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف مائل ہوجائے۔

یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کا والی یا حکومت اسلامیہ کا سربراہ کوئی غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔ اسکی دلیل واولی الامر منکم ہے۔ منکم کی ضمیر خطاب سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان، یا خلیفہ مسلمان ہونا چاہئے۔

اسی طرح یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان والی یا خلیفہ کا حکم اسی وقت تک واجب الاتباع ہے جبتک کہ وہ معصیت یا فسق وفجور کا حکم نہ کرے۔ ورنہ اس کے احکام کی بھی تعمیل جائز نہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ اور آیت کریمہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور نیکی وتقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ وسرکشی میں ایکدوسرے کی امداد نہ کرو۔ اگر عوام میں قدرت ہو تو ایسے خلیفہ کو معزول کردینا ہی ضروری ہے تاکہ فسق وفجور کے بڑھنے کا موقع نہ ملے۔

خلیفہ کی اطاعت اگرچہ ضروری ہے لیکن اسے چاہئے کہ اہم ملکی اور قومی معاملات میں وہ اصحاب رائے سے مشورہ کرے اور لوگوں کے اتفاق رائے سے جو بات طے ہو اسے اختیار کرے۔ لیکن اس کے باوجود خلیفہ کسی کی رائے کا پابند نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی قول صواب دید سے اپنی تجویز پر عمل کرسکتا ہے مندرجہ ذیل آیات اسی مفہوم پر دال ہیں وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اس میں دو لفظ عزمت اور توکل واحد حاضر کے صیغے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار ہر معاملہ میں صرف خلیفہ کو ہے۔ خواہ خلیفہ کی رائے جمہور مسلمین کی رائے کے

خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اہل شوریٰ کے لئے چند شرائط درکار ہیں (۱) مسلمان ہونا (۲) عالم دین ہونا (۳) عادل ہونا (۴) مشورہ دینے کے قابل ہونا۔ مجلس مشاورت کا کوئی رکن غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ کوئی فرقہ اس کا اہل نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی اس آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا۔ مسلمانو! اپنے سوا کسی کو اپنا خاص رازدان نہ بناؤ، وہ لوگ تمہارے اندر فساد برپا کرنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرینگے۔

اسی طرح یہ آیت بھی اس پہ کھلی دلیل ہے لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ مومنین کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرے گا تو خدا کے ساتھ محبت رکھنے والوں میں کسی طرح شمار نہیں کیا جا سکتا۔

اراکین مجلس مشاورت کا عادل و دیانت دار ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا اے مسلمانو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اسکی تحقیق اور جانچ پرکھ کر لو۔ آنکھ بند کر کے اسکی خبر پر اعتماد نہ کرو۔ جب فاسق کی عام خبروں کا یہ حال ہے تو مخصوص معاملات میں اس کی رائے پہ اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مجلس مشورہ کے ارکان کے لئے مملکت اسلامیہ کا باشندہ اور حکومت اسلامیہ کی رعیت ہونا بھی شرط ہے۔" کما فی کتب التواریخ

اسلام میں رعایا کے چند عام احکام

امن و امان حفاظت جان و مال، اظہار رائے کی آزادی، ان عام احکام میں مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں۔ اسی طرح اسلامی حکومت کسی بھی فرد کو شرع کے مطابق ثبوت جرم کے بغیر سزا دینے کا حق نہیں رکھتی۔

جب اسلامی حکومت کا ایک اجمالی خاکہ تصور میں آ گیا تو یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ نظام حکومت کو چلانے اور اس کے نظم و نسق کو بخوبی قائم رکھنے کے لئے آمدنی کی ضرورت ہے، اس کے لئے اسلام نے بیت المال قائم کیا ہے۔ جس میں زکوٰۃ، عشر، صدقات، خراج، جزیہ وغیرہ مختلف مدوں کی آمدنیاں جمع ہوتی ہیں۔ ہر مد کا حساب و کتاب الگ الگ ہوتا ہے اور حسب ضرورت موقع و مصلحت خلیفہ اس میں سے مختلف ملکی و قومی مصالح پہ خرچ کرتا ہے۔

حکومت اسلامیہ کے لئے نظام عدل و انصاف کا ہونا بہت اہم و ضروری ہے۔ اسلام نے اس کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور حکومت کے اوّل درجہ کے فرائض میں اس کو شامل کیا ہے۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ امور و معاملات احکام شریعت یعنی کتاب و سنت کے موافق طے کئے جائیں۔ کتاب و سنت کے خلاف جو بھی فیصلہ ہوگا قرآن کریم نے اُسے ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ، اور جو لوگ کتاب و سنت کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔ اسی کے متعلق ایک واقعہ یاد آیا جو بحوالہ آیت درج ذیل ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّہُمْ

آمَنُوا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ
وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطَانُ
اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔ کیا آپ نے
انہیں نہیں دیکھا جو دعوے کرتے ہیں کہ ہم آپ پر بھیجی ہوئی
کتاب اور آپ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام پر نازل
کردہ کتاب پر ایمان لائے ہیں۔ پھر وہ چاہتے ہیں کہ
وہ اپنا سرپنچ شیطان کو بنائیں۔ اور حالانکہ ان کو خدا
تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کے احکام کو ہرگز نہ مانیں۔
اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کو گمراہی کے عمیق غار میں
ڈال دے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بشیر نامی
ایک منافق تھا۔ اس کا ایک یہودی کے ساتھ نزاع تھا۔
یہودی نے کہا کہ چلو سرور عالم کے سامنے ہم اپنا معاملہ
پیش کریں۔ منافق نے بھی اس خیال سے کہ آپ فیصلہ میرے
موافق کرینگے چنانچہ جانے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ لیکن شیطان کے
بہکانے سے اس نے کعب بن اشرف کے پاس چلنے کے لئے کہا۔
کعب بن اشرف چونکہ رشوت خور تھا اس لئے یہودی نے ہم
مذہب ہونے کے باوجود انکار کردیا۔ لہٰذا منافق کو مجبوراً
حضور کے پاس آنا پڑا۔ حضور ؐ نے جو فیصلہ کیا وہ یہودی
کے حق میں تھا۔ منافق نے حضور کا فیصلہ سننے کے بعد حضرت
عمر الفاروق ؓ کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کیا۔ چنانچہ وہ دونوں
آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی نے کہا کہ آپ سے
پہلے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنا فیصلہ صادر فرما چکے
ہیں۔ لیکن یہ شخص حضور ؐ کے فیصلے کو نہیں مانتا اور آپ سے
فیصلہ چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم نے شمشیر نکالی
اور منافق کا کام تمام کردیا اور فرمایا کہ جو اللہ اور اسکے
رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ یہی ہے۔
(تفسیر جلالین، وصاوی) اس کے بعد خدائے عزوجل نے
حضرت عمر ؓ کے فیصلہ کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی فَلَا
وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا
شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ
حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۔
اے پیارے رسول ؐ! تمہارے رب کی قسم وہ مومن نہ ہونگے
جب تک کہ وہ اپنے باہمی جھگڑے میں آپ کو حکم نہ بنائیں۔
اور پھر جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اس سے اپنے دلوں میں
کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ اور اس کو دل وجان سے تسلیم نہ
کرلیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ ورسول کے حکم کو ٹھکرانے
والا زندہ رہنے کے لائق نہیں ہے کیونکہ اس اسلامی معاشرہ
میں فساد، بدامنی، بدعہدی اور ہر طرح کی خرابیوں کے جڑ
پکڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اول روز ہی اس کا سدباب
کردینا ضروری ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک دوسری آیت ہے
وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ
وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ
مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔ جب اللہ اور اس کے رسول
صلے اللہ علیہ وسلم کسی معاملے میں فیصلہ کردیں تو مسلمانوں
کو اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں ہے اور جو شخص اللہ و
رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک وہ صریح گمراہی میں ہے۔
یہ آیت حضرت زینب بنت جحش اور ان
کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کی والدہ امیمہ

(بقیہ صفحہ ۴۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخلاقِ حسنہ پر ایک نظر

از
کے یم شاکر اللہ
مدنپلی — آندھرا
زمرۂ رابعہ دارالعلوم لطیفیہ
ویلور

ایک دَور وہ بھی تھا جس میں دنیا کے اندر کوئی قوم ایسی نہ تھی جسکو اخلاق و عادات، چال و چلن کے اعتبار سے ایک صالح قوم کہا جا سکے۔ اِس وقت نہ کوئی ایسی جماعت تھی اور نہ حکومت جو شرافت اور اخلاق کے قدروں کی حامل ہو اور نہ کوئی ایسا دین تھا جو اللہ کے بنائے ہوئے راستے پر انسانوں کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ ایسی تاریک دنیائے ارضی میں گوتم بدھ، ارسطو، افلاطون کی اخلاقی تعلیمات کا چراغ قلیل مدت ہی میں جھلملا کر خاموش ہو گیا۔ ہر طرف تاریکی کا دَور دَورہ تھا۔ دنیا کی کوئی ایسی بُرائی نہ تھی جو بامِ عروج تک پہنچ چکی ہو۔ وظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت الخ لوگ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے، ان کا نفس خدا بن چکا تھا۔ بھٹکی ہوئی انسانیت کے سدھار کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

لیکن خلّاقِ کائنات کے دریائے فیض و عطا کو جوش آیا۔ ایک ایسی شخصیت کو عالم کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا جسکی اعلیٰ اور مقدس تعلیمات نے دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ اور انسانی دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا جس کے اعلیٰ کردار کو خالقِ ارض و سما نے خلقِ عظیم اور اسوۂ حسنہ قرار دیا۔ وہ ہے ذاتِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ناظرین کرام! آپ کی پاکیزہ زندگی کا سنجیدگی سے مطالعہ کرنے سے یہ بات روشن آفتاب کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت نبویؐ کا اصلی منشا و مقصد بنی نوعِ انسان کی روحانی پاکیزگی اور اخلاق کی درستگی ہے۔ چنانچہ رسالت مآبؐ خود اپنی زبانِ اطہر سے ارشاد فرماتے ہیں بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاق یعنی (میں اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔)

بعثت کی ابتدا ہی سے حضورؐ میں بہترین اخلاق ظاہر ہونے لگے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ نے نبوت سے قبل ہی صادق اور امین کا خطاب پایا اور آپ نے اپنے عہدِ طفولیت میں کبھی بھی لہو و لعب کو اپنا کر تضیعِ اوقات نہ بنایا۔ اور نہ کھیل کود میں آپ نے اپنی زندگی کے اوقات کو صَرف کیا۔ غرض آپ ابھی مکہ ہی میں قیام پذیر تھے کہ حضرت ابوذرؓ (جو قبیلۂ غفار کے سردار تھے) نے اپنے بھائی کو آپکے حالات اور تعلیمات کو دریافت کرنے کی غرض سے مکّہ روانہ کیا تو انھوں نے واپس آکر ابوذرؓ سے کہا کہ رَاَیْتُہٗ یَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاق۔ یعنی

میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اخلاقِ کریمہ کا حکم دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم کے آپ خود نمونہ تھے، منظرِ عام میں جو کہتے تھے اسی طرح گھر کے خلوت کدہ میں بھی نظر آتے تھے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون سب سے بڑا رازدان ہوسکتا ہے کہ چند اصحابؓ نے حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضور کے اخلاق بیان کیجیے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ان خلق رسول اللہ کان القرآن (بیشک آپ کے اخلاق ہمہ تن قرآن ہے)۔

ناظرین! کیوں نہ حضور کے اخلاق ہمہ تن قرآن ہوں جبکہ خود اللہ رب العزت نے صاف و صریح الفاظ میں بیان فرمایا ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (یعنی اے محمدؐ! تم اخلاق کے بڑے درجے پر فائز ہیں۔)

اور یہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ خلاقِ کائنات نے قرآن حکیم میں حضور کی جس صفتِ عظیم کا انتہائی نمایاں ذکر فرمایا ہے وہ آپ کا حسنِ اخلاق ہے۔ غرض حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے کئی ایک واقعات ایسے ہیں جس سے آپ کے اخلاقِ حسنہ و اوصافِ حمیدہ کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ انہیں واقعات میں چند جو قابل ذکر ہیں ہدیۂ ناظرین ہیں:

ایک مرتبہ حضورؐ ایک پہاڑ کے دامن میں اونٹ پر سوار ہوئے جارہے تھے آپؐ کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامرؓ بھی ساتھ تھے آپؐ نے حضرت عقبہؓ سے کہا کہ آؤ تم بھی سوار ہوجاؤ لیکن انہوں نے حضورؐ کو پیادہ بنا کر سوار ہوجانا گوارہ نہ کیا مگر حضورؐ نے ان سے دوبارہ کہا تو وہ تعمیل ارشاد کی خاطر سوار ہوگئے۔ اور حضور سواری سے اتر گئے۔

اخلاقِ حسنہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

ایکدفعہ آپ سعد بن عبادہؓ سے ملنے گئے۔ جب حضورؐ واپس ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت قیسؓ کو ساتھ بھیجا، تاکہ حضورؐ کے ہمرکاب جائیں تو حضورؐ نے قیس سے فرمایا کہ تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہوجاؤ لیکن قیسؓ نے اس چیز کو خلافِ ادب سمجھ کر تامل کیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یا تو سوار ہوجاؤ یا گھر واپس چلے جاؤ۔ لیکن حضرت قیسؓ گھر واپس ہوگئے۔ آپ کے اخلاق میں ایک چیز یہ بھی شامل تھی کہ اگر آپ کسی سے ملاقات کرتے تو ہمیشہ پہلے خود سلام کرتے اور مصافحہ فرماتے اور مصافحہ میں یہ معمول تھا کہ جب کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتے آپ ان کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو حضورؐ نے بلوا بھیجا تو وہ گھر پر نہیں تھے۔ جب تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ لیٹے ہوئے تھے ان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اپنے سینے سے لگایا۔ علاوہ ازیں جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو حضورؐ نے ان کو گلے سے لگایا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اور آپ کا یہ معمول تھا کہ سلام میں پیش دستی فرماتے اور راستے میں جب چلتے تو مرد، عورت، بچے، جو سامنے آتے تمام کو سلام کرتے۔ ایکدفعہ آپ راستے سے گزر رہے تھے کہ ایک مقام پر چند مسلمان اور منافق اور کافر بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ان سب کو سلام کیا۔

حضور کے خلقِ عمیم میں کافر و مسلم عزیز و بیگانہ، غریب و مالدار کی کوئی تمیز نہ تھی۔ آپ کی رحمتوں کا ابر دشت و بیابان شہر و چمن میں یکساں برستا تھا۔ اسی لئے کسی شاعر نے کیا ہی

خوب کہا ہے ؎

دیکھکر اخلاق کو اور آپکے اوصاف کو
غیر بھی کہتے ہیں تم ہو رحمۃ اللعالمین

ایک یہودی برسرِ بازار یہ کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام انبیاء پہ فوقیت دی' ایک صحابی رضؓ اس جملہ کو سُن رہے تھے اُن سے برداشت نہ ہوا' برملا کہہ اٹھے کہ محمدؐ پر بھی۔ اس نے کہا ہاں صحابی نے غصّہ کے مارے اس کے منہ پہ تھپیڑ رسید کر دی۔ حضور کے عدل و اخلاق پر دشمنوں کو بھی اعتبار تھا چنانچہ وہ یہودی سیدھا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپنے صحابی مذکور پر برہمی ظاہر کی۔

ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شب کو ایک کافر حضور کا مہمان ہونے کا شرف حاصل کیا چنانچہ آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا وہ پی گیا۔ پھر دوسری بکری دوہی گئی وہ کافر وہ دودھ بھی بغیر کسی تامل کے پی گیا۔ پھر تیسری، چوتھی، اسی طرح متواتر سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ نثار ہو جائیو حضورؐ کے اخلاق پر کہ آپ نے کوئی تنغص ظاہر نہ کیا۔ شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو سلمان ہو گیا۔ اور صرف ایک ہی بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔ (بحوالہ سیرۃ النبی)

ناظرین! بعض فرقہ پرست جن کے دلوں میں تعصب و عناد کے جذبات بھرے ہوئے ہیں اُن لوگوں کا کہنا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ یہ بات سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اسلام کے پھیلنے کی اصلی وجہ حضور کا حسنِ اخلاق ہے آپ نے اسلام کی تبلیغ صرف اخلاق حسنہ ہی سے کی ہے۔

آپ کی شان وہ ہے کہ اگر کوئی ظالم بدنیتی سے آپ کے پاس آتا اور بدتمیزی اور بداخلاقی سے برتاؤ کرتا تو آپ اس کے ساتھ نرمی و اخلاق سے پیش آتے اور وہ آپکے اس اخلاق کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو جاتا۔ آپکے حسن اخلاق کا کامل و مکمل ثبوت صرف اس واقعہ سے ہوتا ہے۔ ایکمرتبہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے' راستے میں ایک آپکے قدیم دشمن کا گھر واقع تھا۔ اس نے حضور کو دیکھ کر عمداً بالا خانے پر سے کوڑا کرکٹ ڈال دیا لیکن آگے چل کر اس کے گھر پہ جا کر دستک دیئے۔ وہ کافر بجائے دروازہ کھولنے کے بالا خانے پر سے پوچھا' کیا ہوا ہے؟ آپ نے کہا میں صرف تمہاری خیریت دریافت کرنے کے لئے آیا تھا کیونکہ تم بہت دن سے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ کافر اپنے اس فعل سے بہت ہی نادم اور شرمندہ ہوا اور فوراً ہی آغوشِ اسلام میں آگیا۔ یہ صرف آپ کے اخلاق ہی کا نتیجہ تھا۔

اور حضورؐ کے اخلاق حسنہ ہی کا نتیجہ ہے کہ اسلام دنیا کے چپہ چپہ میں مقبول ہوا اور بڑے ہی شاندار طریقے سے پھیلا۔ حیاتِ طیبہ کی روشنی میں حضورؐ کو ایک مکمل نمونۂ اخلاق تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ چونکہ آج مسلم تو درکنار غیر مسلم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ رسولِ عربیؐ اخلاقِ حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے پیکر و مجسمہ تھے۔

چنانچہ ایک غیر مسلم لارڈ برٹن لکھتا ہے کہ میں کثیر مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایک انسانِ کامل تھے اور انہوں نے انسانیت کی بقا اور نجات

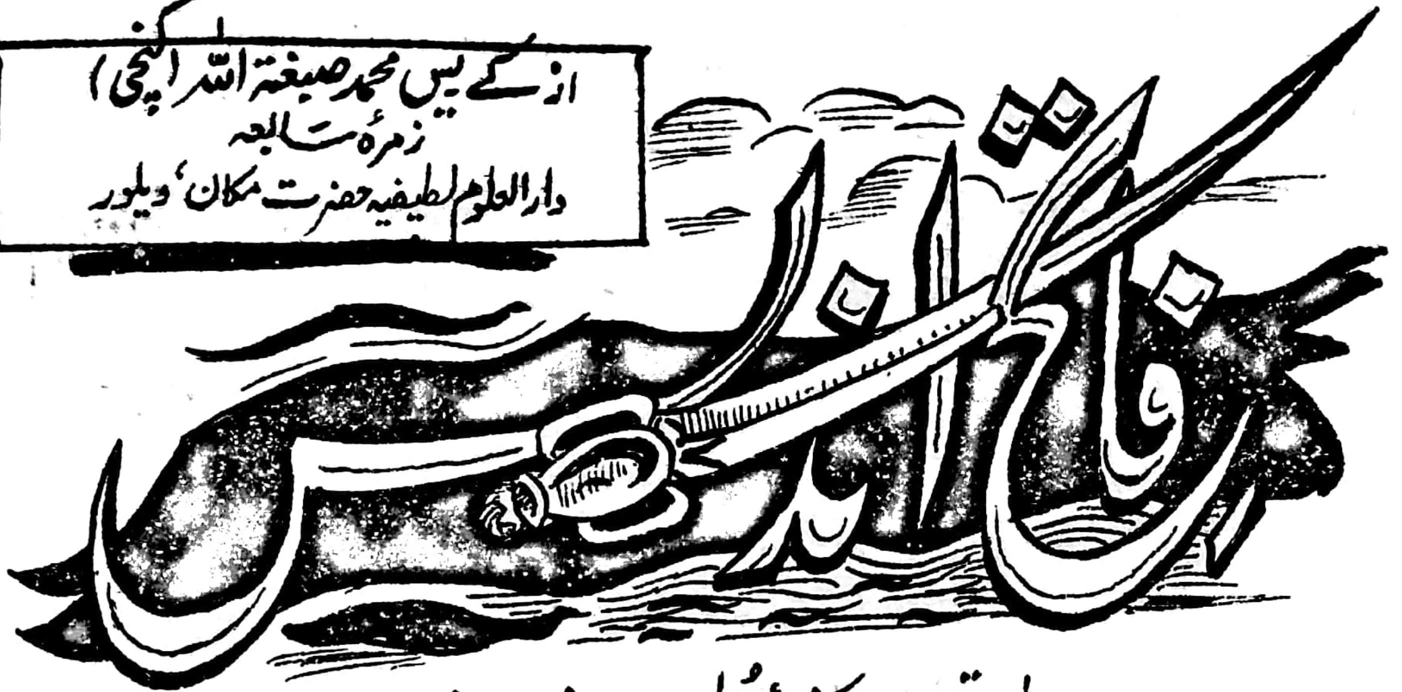
کے لئے زبردست کام انجام دیا۔ اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں اُن کے اخلاقِ حسنہ سے بے حد متاثر ہوں۔ اسی طرح ایک غیر مسلم ہربرٹ نے لکھا ہے کہ "اسلام اور تعلیماتِ محمدیؐ میں عجیب و غریب اور قابلِ ستائش اخلاقی سبق موجود ہیں۔ لہٰذا اس کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دشواری یا دقت محسوس نہیں ہوتی۔ اور محمد عربیؐ میں مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔"

اور ایک مشہور غیر مسلم عیسائی مدبر موسیو وامین کلوفل اسلام کے محاسن پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب اس زمانے پر غور کرتے ہیں جس میں پیغمبر اسلام نے اپنی نبوت و رسالت کا علم بلند کیا اور جس میں ایک ایسا کامل مجموعہ قوانین تیار کیا جو دنیا کی ملکی و مذہبی و تمدنی ضروریات پر حاوی ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ ایسا عظیم الشان ملکی و تمدنی نظام جس کی بنیاد سچی آزادی پر ہے کس طرح ایک فردِ واحد نے مختصر سے عرصے میں مرتب کر دیا۔ بس ہم دل سے اقرار کرتے ہیں کہ بانیٔ اسلام ایک بلند ترین مجموعۂ اخلاق تھا۔ (بحوالۂ دین دنیا)

غرض حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر دنیا کا کوئی بھی انسان مکمل طور پر روشنی ڈال نہیں سکتا۔ کیونکہ آپؐ کے اخلاقِ کریمہ کا مضمون اتنا وسیع ہے کہ انسانی عقل اس کے بیان کرنے سے عاجز ہے لہٰذا ہم نے اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند ہی واقعات پر اکتفا کیا ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

از کے یس محمد صبغۃ اللہ (اکنجی)
زمرۂ سابعہ
دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور



طارق چوں بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بنگاہِ خرد خطا است

دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
خندید دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت

ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

علامہ اقبال رح

اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے اس کا اہم مقصد نوعِ انسانی کو مخلوقات کی غلامی سے آزاد کرا کے انہیں ایک اعلیٰ نظامِ حیات کے تحت روحانی اور مادی زندگی کو سنوارنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ جب بھی دنیاوی طاقتیں اس نظام کے حصول میں سدِّ باب ہوئیں، اسلام نے اپنے فرماں رواؤں کے ذریعے ان پر ضرب لگائی۔ اس نے ایک دوسرے پر کسی طرح کا ظلم و استبداد کو روا نہیں رکھا۔ انسان کی عزت و آبرو، جان و مال کی حفاظت کے لئے دفاعی جنگ کرنے کی اجازت دیدی۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرماں روایانِ اسلام نے جتنی جنگیں بھی لڑیں وہ یا تو کسی نہ کسی متمرد اور طاغوتی طاقت کی سرکوبی کے لئے لڑی گئی تھیں یا پھر اسی مقصد کے تحت کہ حق کی فتح اور جبر و تشدد یا کذب و باطل کو شکست ہو اور وہ اس سرزمینِ عالم سے نیست و نابود ہو کر رہ جائے۔ نتیجہ میں مسلمانوں کو جو بھی ملک و مال و دولت ہاتھ آئی اُسے انہوں نے صرف انعام سمجھا، اپنا مقصود کبھی نہیں سمجھا۔

طارق بن زیاد بھی انہیں سپہ سالاروں میں سے تھے جنہیں خدا نے اس نیک کام کے لئے منتخب کرلیا ہے۔ اس نے ایک مجبور و بے کس آواز کی مدد کے لئے قدم اٹھایا قصرِ استبداد کو متزلزل اور ظلم و بربریت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔

پہلی صدی ہجری کا آخری زمانہ تھا اور اسلام کا

آفتاب عرب کے آسمان سے طلوع ہونے کے بعد خطۂ ارضی کے تیرہ و تاریک حصوں کو منور کئے جا رہا تھا۔ ساسانی اور رومی حکومتیں اس کی روشنی میں آ چکی تھیں۔ مراکش اور فرانس، قسطنطنیہ۔ افریقہ اور مغربی ممالک میں بھی دُور دُور تک اسکی چمکتی ہوئی کرنیں پہنچ چکی تھیں لیکن اندلس کی زمین ابھی نورِ اسلام سے منور نہیں ہوسکی تھی وہاں راڈرک کی حکمرانی تھی اور یہی وہ راڈرک تھا جسکی ایک حیوانی حرکت نے طارق بن زیاد کو اپنی شجاعت و جوانمردی دکھانے کا ایسا موقع دے دیا جسکی وجہ سے اس کا نام صفحاتِ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اندلس کی قدیم رسم کے مطابق کاؤنٹ جولین، جو اس وقت اندلس کے ساحلی ضلع سبتہ کا گورنر تھا، اپنی لڑکی کو تعلیم و تربیت کے لئے شاہی محل میں بھیج دیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو راڈرک اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہوگیا اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کئے بغیر اس کے دامنِ عصمت کو داغدار کر دیا۔ اسکی وجہ سے ملک میں بڑا انقلاب آیا اور صدیوں کے لئے اس ملک کی تاریخ بدل گئی۔ کاؤنٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا نے اس بات کی خبر اپنے باپ کو دی تو کاؤنٹ جولین، شاہ راڈرک کا دشمن ہوگیا اور اس نے راڈرک سے انتقام لینے کے لئے افریقہ کے اسلامی گورنر موسیٰ ابن نصیر کی خدمت میں فریاد کی۔ اس نے کاؤنٹ جولین کی فریاد کو توجہ سے سنا اور اس کو تسلی دی اور کہا کہ ہم آپ کی طرف سے ہتکِ عزت کا ضرور انتقام لینگے۔ اس وقت موسیٰ ابن نصیر کو ایک بہادر سپہ سالار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کی نظرِ انتخاب طنجہ کے گورنر طارق ابن زیاد پر پڑی۔ طارق نسلاً بربری افریقہ کا باشندہ اور موسیٰ ابن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا، فوجی خدمات پہ مامور

تھا۔ پہلے طنجہ کا والی بنایا گیا تھا۔ کاونٹ جولین سے اس کے تعلقات پہلے سے قائم تھے اور فتح اندلس کی ابتدائی گفتگو میں شریک تھا۔ لشکر زیادہ بربریوں ہی پہ مشتمل تھا اس لئے سپہ سالاری کے لئے طارق کا انتخاب موزوں ہو سکتا تھا۔ جولین کے وعدہ کے مطابق اس کے چار تجارتی جہاز افریقہ آئے اور طارق سات ہزار لشکر لیکر اندلس روانہ ہوگیا۔ ان میں تین سو عرب اور باقی بربر تھے۔ جتنے سپاہی چار جہازوں میں سوار ہو سکتے تھے وہ طارق کے ساتھ روانہ ہوئے اور کاونٹ جولین رہنمائی کے لئے اس لشکر کے ساتھ گیا۔

اسلامی لشکر یوم دوشنبہ پانچ رجب المرجب ۹۲ھ کو اندلس کی پہاڑی پہ اُترا۔ جو بعد میں طارق سے منسوب ہو کر جبل طارق سے موسوم ہوا اور اب اس کا بگڑا ہوا تلفظ جبرالٹر مشہور ہے۔ مسلمان جولین کے تجارتی جہاز پہ آئے تھے اس لئے ان کے اترنے سے کسی کو کوئی خوف نہیں ہوا۔ یہ چاروں جہاز سپاہیوں کو اُتار کر باقی ماندہ سپاہیوں کو لانے کے لئے واپس چلے گئے۔

اثنائے راہ میں طارق نے یہ خواب دیکھا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کی معیت میں تشریف فرما ہیں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تلواریں اٹھائے کمانیں چڑھائے ہوئے ہیں اور آپؐ حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت کے ساتھ اندلس میں داخل ہوئے اور طارق اس مقدس جماعت کے پیچھے رہے۔ اس مقدس خواب کو اس نے بشارت پہ محمول کیا۔ اپنے رفقاء کو اس کی خوشخبری سُنائی۔ سب لوگوں کو اُس سے تقویت حاصل ہوئی اور اس مہم میں کامیابی و ظفر مندی کی امید کی کرن دکھائی

دینے لگی۔

جبل طارق کے آس پاس کے شہر، جزیرے، حضرا، قرطاجنہ اور جزیرہ طریف بآسانی زیر نگین ہو گئے۔

طارق نے ان شہروں کی فصیل اور قلعوں کو درست کیا جہاں جہاں دیوار کی ضرورت تھی مرمت کرائی اور اندلس کے شاہی لشکر سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی تیاریاں کیں۔

آخر طارق ابن زیاد اپنے ساتھیوں کے ساتھ ساحل اندلس پر اُتر گیا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ وہ ساری کشتیاں جن پر سوار ہو کر وہ یہاں تک آئے تھے نذر آتش کر دیں۔

یہ دیکھ کر کونٹ جولین نے طارق سے کہا "اس طرح سے تو ہماری موت یقینی ہو گئی ہے اگر راڈرک نے ہمیں پسپا کر دیا تو ہم فرار بھی نہ ہو سکینگے"۔ طارق نے مسکرا کر جواب دیا "مسلمان کبھی فرار کے بارے میں نہیں سوچتے۔ جب ایک مسلمان میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے تو وہ غازی بن کر ہی واپس ہوتا ہے ورنہ شہید ہو جاتا ہے۔ میں نے اسی لئے کشتیاں تلف کر دیں کہ ہمارے جاں بازوں کے دلوں میں فرار کا خیال پیدا نہ ہو۔ اور وہ سمجھ لیں کہ آگے سمت فوج اور عقب بے پناہ سمندر ہے۔ ایسے وقت میں مقابلہ کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم دشمن کی فوج کو پسپا کر دینگے۔

اس موقع پر طارق نے جو تقریر کی تھی اُسے بھی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اس کا ماحصل یہ ہے:-

مسلمانو! ہم اس ملک کو فتح کرنے آئے ہیں اور ضرور فتح کرینگے کیونکہ اب میدان جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں۔ آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر۔ خدا کی قسم اب تمہاری نجات کا واحد ذریعہ جرأت و استقلال ہے۔ اس بات پر یقین رکھو کہ خدا نے نعرۂ حق بلند کرنے کے لئے ہمیں اس کفرستان میں بھیجا ہے۔ فتح اور کامرانی ہمارے ساتھ ہے۔ دشمن کی تعداد خواہ کتنی ہی زیادہ ہو پست ہمت نہ ہو جاؤ اور نہ گھبراجاؤ۔ حق تعالیٰ نے اہل ایمان کو اسطرح کامیابی عطا فرمائی ہے جس کو دیکھ کر غیر مسلم کہتے تھے کہ وہ تو انسان نہیں بلکہ جنات ہیں۔ پس خدا کا نام لے کر دشمن پر لوٹ پڑو، یہ ملک تمہارا ملک ہے اور یہ سرزمین تمہاری سرزمین ہے"۔

جب طارق ابن زیاد جوش سے بھری ہوی یہ تقریر کر رہے تھے تو شاہ راڈرک ایک لاکھ کا لشکر عظیم لئے مسلمانوں کو ساحل سپین سے بھگانے کے لئے تیزی سے چلا آرہا تھا، اس دوران میں افریقہ سے مزید پانچ ہزار فوج طارق کی مدد کے لئے پہنچ گئی اور اسلامی لشکر کی تعداد بھی بارہ ہزار ہو گئی، دونوں لشکروں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ اسپینی اور اسلامی لشکر میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ ایک طرف تو اسپینی عیسائیوں کا ایک لاکھ لشکر جرار تھا جو بہترین ہتھیاروں سے آراستہ تھا اور چونکہ اپنے ہی وطن میں لڑ رہا تھا اس لئے تعاون اور مدد کی ساری سہولتیں اُسے حاصل تھیں، اور دوسری جانب پردیسی مسلمانوں کی بارہ ہزار کی مختصر سی فوج تھی جن کا سامان حرب بھی نہایت معمولی تھا اور جو سب کے سب پیدل تھے۔ اسلامی فوج میں ایک گھوڑا تک نہ تھا۔

دنیا کی تاریخ کا یہ عظیم الشان واقعہ ہے کہ بارہ ہزار کی اس چھوٹی سی اسلامی فوج نے طارق کی زیر قیادت عیسائیوں کے ایک لاکھ کے لشکر جرار کو ایک شکست دی کہ پھر عیسائی اسپین

میں کہیں بھی جم کر لڑ نہ سکے اور وہی مسلمان جن کے پاس اس جنگ سے قبل ایک بھی گھوڑا نہ تھا، اس جنگ کے بعد سب کے پاس گھوڑے ہوگئے اور بے حساب سامانِ جنگ ہاتھ آیا۔ شاہ راڈرک شکست کھا کر ایسا لاپتہ ہوا کہ آج تک کسی کو علم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ اس کے بعد طارق نے ملک کے اندرونی حصہ میں پیشقدمی شروع کر دی۔ قرطبہ کا پورا صوبہ فتح کر لیا صوبۂ تدمیر پہ اسلامی پرچم لہرا دیا گیا اور اس کے بعد فوراً ہی سپین کے دارالسلطنت طلیطلہ پہ حملہ کر دیا اور کسی بڑی خوں ریزی کے بغیر دارالسلطنت طلیطلہ پہ بھی قبضہ ہوگیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ جو بے حد دولت آئی اس میں اسپین کے سابق بادشاہوں کے جواہرات سے مرصع چوبیس ۲۴ تاج بھی شامل تھے۔ اس کے بعد موسیٰ ابن نصیر افریقہ کا گورنر بھی طارق کی مدد کے لئے اسپین پہنچ گیا۔ اس طرح ملک کو فتح کرنے کے لئے ہر ایک نے اپنے ذمہ ایک ایک حصہ لیا اور دونوں نے دشمنوں کو ہر مورچہ پہ شکست دی اور قرمونہ۔ اشبیلہ۔ لارقہ۔ لمنیبہ۔ برشلونہ اور اس طرح کئی صوبے فتح کے بعد بہت سامالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ کیونکہ اسپین یورپ کا ایک مالدار ملک تھا۔ اس طرح سنہ ۹۴ ھج میں اُندلس پہ مسلمانوں کا پوری طرح قبضہ ہوگیا۔ اندلس کو فتح کرنے کے بعد طارق ابن زیاد، اور موسیٰ ابن نصیر نے شاہی خاندان کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کیا اور ان کو ہر طرح کی مذہبی آزادی دی گئی۔ اس طرح مسلمانوں نے ہر جگہ اپنی شوکت وسطوت کے باوجود اپنی عالی ظرفی کا ثبوت دیا اور مسلمانوں کے یہی وہ اخلاق تھے جو ہر جگہ اشاعت اسلام کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئے ان دونوں جری سپہ سالاروں کو اگر پیشقدمی کرنے کی اور اجازت دی جاتی تو پورا یورپ فتح کر لیتے لیکن اس وقت ولید بن عبد الملک کے اچانک انتقال سے ان کو مزید فتح کا موقع فراہم نہ ہوسکا بلکہ خلیفہ ولید بن عبد الملک کے بعد حالات میں ایسی تبدیلی ہوئی کہ فتوحات کا سلسلہ بالکل مسدود ہو کر رہ گیا۔ اس وقت اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں —

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما



مولوی عبدالحق کا خط ڈاکٹر عبدالحق کے نام

افضل العلماءُ ڈاکٹر عبدالحق یم اے۔ ڈی' فل (آکسن) پرنسپال گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس کو صوبۂ مدراس کے اُردو اخبارات پر بعنوان "انیسویں صدی میں مدراس کے اُردو اخبار" پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کا ارادہ ہُوا۔ لیکن کثرت کار اور مختلف مصروفیات نے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا۔ چنانچہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو ھند' جن کے تعلقات ڈاکٹر صاحب سے بہت گہرے تھے اس سلسلہ میں آپ نے موصوف کو توجہ دلاتے ہوئے مذکورہ بالا عنوان پر مقالہ کو مکمل کرکے روانہ کرنے کے لئے ایک حقیقت آمیز تاریخی خط لکھا' جو بابائے اُردو کے سوزِ درون' پاکیزہ جذبات اور قومی تڑپ کا مکمل آئینہ دار ہے۔

"ادارہ"

"حضرت

جولائی گیا، اگست بھی گذر گیا۔ آپ کے مقالہ کا
اب تک انتظار ہے، کب تک انتظار کروائیے گا، میرے بعد
اگر مکمل ہوا تو یہ حسرت میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ وقت
گذرتا جاتا ہے، حالات بدلتے جاتے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہو
کر لیجئے۔ نہ معلوم کل کیا ہوتا ہے۔ اب جس طرح بن پڑے تکمیل
کرکے بھیج دیجئے۔ اور وقت کا تعین کرکے لکھئے کہ کب تک میرے
پاس پہنچ جائے گا ـــــ

یہ دونوں کام آپ ہی کے کرنے کے ہیں اور آپ ہی کو کرنے
پڑینگے، میری زندگی میں ان سے آپ کو چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو
روداد جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

نیازمند عبدالحق

سوسال آگے


آج سے ٹھیک ایک صدی پیشتر
سنہ ۱۲۸۹ھ میں
قدوۃ السالکین اعلیٰحضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری
المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ کی رحلت
کے موقع پر آپ کے مناقب میں
مولانا قلندر حسین اطہر نے
اپنے دلی تاثرات کا اظہار کلام منظوم کی شکل میں پیش کیا تھا جسے
ناظرین اللطیف کی معلومات کے لئے
پیش کیا جا رہا ہے۔
ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج یومِ نشور ہے کیا ہے — شور ہے یہ کہ صور ہے کیا ہے
انفجارِ سجور ہے کیا ہے — منکدر نجم و حور ہے کیا ہے

زیر و بالا زمانہ ہوتا ہے
مر گیا **قطب** چرخ روتا ہے

آہ سینے میں لب پہ شیون ہے — دل میں نالہ، جگر میں روزن ہے
پنجہ بر جیب، چاک دامن ہے — حسرت و درد، لب گزیدن ہے

دائرہ دہر کا جو پُر غم ہے
ایک **قطب** زماں کا ماتم ہے

گو نبی تھا نہ وہ پیمبر تھا — لیک جزوِ نبی داور تھا
نورِ چشم بتول و حیدر تھا — دلِ شبیر و جانِ شبر تھا

معرفت اسکی مجھکو سہل نہیں
قطب کہنا بغیر جہل نہیں

کہ تھے اقطابِ وقت اسکے مرید — سالکانِ زماں تھے اس کے مرید
او ستارے تھے سب یہ تھا خورشید — اہلِ قبلہ کا کعبۂ امید

جو اسے آفتاب کہتے ہیں
مسئلہ لاجواب کہتے ہیں

آسماں پایہ آستانۂ او — مہر خشت جدار خانۂ او
سرِّ حق گوہرِ خزانۂ او — صلحِ کل سایۂ بطانۂ او

نفسِ مرکب مصیرِ لاہوتش

عقل جادۂ مقامِ جبر وتش

مہر تابانِ اوجِ مجد و عُلا — عَلَمِ سربلندِ فوجِ ھُدا!
گوھرِ موج خیز وحِلم وحیا — رمحِ زہراب سنیۂ اعدا

نیزۂ خورعصائے دربانش
پنجۂ مہر دست ریزانش

مُقتدائے جہاں محیّ الدیں — پیشوائے زماں محی الدیں
قبلۂ عارفاں محی الدیں — کعبۂ عاکفاں محی الدیں

جو کہ اپنے شرف پہ اڑتے ہیں
دیکھ اس کو دُرود پڑھتے ہیں

لوگ کہتے ہیں شیخ صنعاں کے — معتقد سات سو مریداں کے
جو مشرف تھے اس کی بعیت سے — کس سے اُن کا شمار کیا ہووے

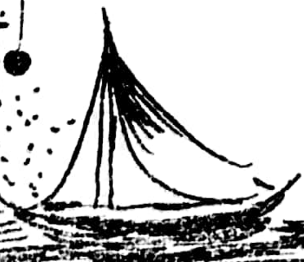
قطبِ دوراں کے ہیں جو پاک مرید
کم ہے بولوں جو سات لاکھ مرید

قبلۂ دیں جو عزمِ کعبہ کیا — کہا حج کے لئے میں ہوں جاتا
عرض لوگوں نے کی، کہ مولانا! — حج مفروضہ کرچکا ہے ادا

عمرِ طبعی سے اب جو قُربت ہے
حج و عمرہ محلِّ زحمت ہے

سُن کے حضّار سے وہ قطبِ زمن — دُرفشانی ہیں کھول اپنا دہن
کہا نعمان نے حج کئے پچپن[55] — حیف ہم کو نہ چھوڑتا ہے وطن

سرقہ کر کے رہ چلونگا میں
روضۂ جد کو دیکھ لونگا میں





الغرض عـزم بیتِ ربِّ غفور کر کے نکلا وہ مرشدِ جمہور
ہُوا ویلور صحن یوم نشور نالۂ خلق تھا مقابلِ صور

سوزشِ غم سے کھایا داغ دکن
ہوگیا آہ بے چراغ دکن

نہیں شیخ زماں نکلتا ہے افتخارِ جہاں نکلتا ہے
نیّرِ آسماں نکلتا ہے پیکرِ جاں سے جاں نکلتا ہے

سیّدِ اتقیا چلا افسوس
سندِ اولیاء چلا افسوس

کوئی گریاں تھا کوئی نالاں تھا کوئی حیراں کوئی پریشاں تھا
آتشِ غم سے کوئی بریاں تھا ہر طرف بحرِ غم کا طوفاں تھا

کوئی قرباں ہو گرد پھرتا تھا
کوئی رو رو قدم پہ گرتا تھا

جاں گذر وہ ہمام کرتا تھا خلق واں اژدہام کرتا تھا
دشت میں گر مقام کرتا تھا ایک دربارِ عام کرتا تھا

تھا تو درویش شاہِ غیب میں تھا
دبدبہ شہ کا اسکے جیب میں تھا

جس مکاں پہ گذر کیا اس نے خاک کو وھاں کے زر کیا اس نے
گر قذف پہ نظر کیا اس نے دُرِ روشن گہر کیا اس نے

کر توجہ جسے مُرید کیا
ضال کو آن میں رشید کیا

جبکہ وہ مقتدائے راہِ ھُدا ہو کے منزل گزین گلبرگا
قبر گیسو دراز پاک پہ جا سر بجیب عرصۂ دراز رکھا

وہاں جو گرداب جیب میں سر تھا
لجۂ کشف کا شناور تھا

جب کہ اس حال سے افاقہ ہوا، کہا یہ کیا جناب ہیں حاشا
صاحبِ رتبۂ فنا و بقا مجھے اس دم بہت خوشی سے ملا

خوش ہوا مجھ سے مجھکو شاد کیا
مجھ کو فرحت سے خیرباد کیا

ایسے اس دور میں کوئی ہوں گے کوئی دیکھے تو ماجرا لکھے
شہر ممبئی وہاں سے جا پہنچے چار ستّو تھے مرید ساتھ اس کے

خسروانہ تجمّل اس کا تھا
میرِ ساماں توکّل اس کا تھا

سفرِ بحر وہاں سے فرمایا تھا قضارا جہاز پیڑے کا
گرچہ نزدیک موسمِ حج تھا لیک اس دم نہ بحر پر تھی ہوا

حج سے مایوس ہو گئے حجّاج
ایک کو ایک دیکھتے حجاج

ایک دخانی وہیں نظر آیا اسکے ملّاح سے یہ شیخ کہا
ہے ہمارا جہاز پیڑے کا موسمِ حج قریب ہے پہنچا

اب جو دریا پہ ہے ہوا موقوف
چلنا کشتی کا ہو گیا موقوف

اسکی مقود کو باندھ کر اس سے کر کے جرِّ ثقیل لے چلئے
کہا ایک الف گر روپے دیجئے امرِ دشوار سہل ہو جائے

کہا جو پاس سے ہیں دیتا ہوں
روپئے ساتھ سے ہیں دیتا ہوں

تھے نہ اس وقت اس سوا وسعت ورنہ دیتا تھا اس کو وہ نعمت
کہ وہ ہو جاتا صاحبِ ثروت پر نہ سمجھا وہ شیخ کی عظمت،

شیخ کی رائے کا خلاف کیا
حکم سے ان کے انحراف کیا

شیخ اس دم دوگانہ کر کے ادا کہا مولا سے ہو کے صرف دعا
سب ترے حکم میں ہے یا یکتا آتش و آب اور خاک و ہوا

جب تو یاور جس کا یار ہوا
اس کا دو جگ میں بیڑا پار ہوا

جب دعا کی وہ مرشدِ جمہور کیا قربِ نوافل اپنا ظہور
یعنی بادِ صبا بحکمِ غفور کیا نزدیک دم میں ساحلِ دور

فضلِ حق سے جو کشتیاں آئیں
یہ بھی وہ دونوں ایکساں آئیں

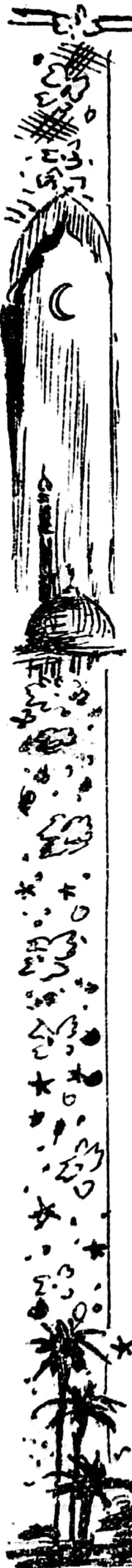
چھویں ذی الحج کی تھی کہ پیر ہدا ہوا باخیر داخلِ مکہ
سب مناسک کیا ہے حج کے ادا تھی نقاہت سے ضعف طاری تھا

ماندگی سی مزاج پاک میں تھی
طبع اشرف کچھ اک تپاک میں تھی

کلفت راہ زحمت کشتی دن کا روزہ وہ شب کی بیداری
نہیں کھاتا تھا کچھ وہ حق کا ولی بجز اک دانۂ مربہ کبھی

دانۂ آملہ تھی غذا اسکی
ہو گئی تھی وہی دوا اسکی

تب رفیقوں نے دیکھ عرض کیا ہے جو ناخوش مزاج حضرت کا
پہلے سنت تو ہو چکی ہے ادا اب نہیں طاقتِ سفر اصلا



حکم ہو ہم مدینہ جاتے ہیں
کر زیارت نبیؐ کی آتے ہیں،

شیخ سن کر قبول فرمایا تیسرے روز شب جو خواب کیا
قافلہ صبح چلنے والا تھا دیکھا رویائے صادقہ ایسا

تھام کر دامن اس ولی کا نبیؐ
بولتا ہے تعال یا ولدی

جب کہ وہ خواب سے ہوا بیدار تھے جو اس وقت حاضر دربار
کر یہ رویائے صادقہ اظہار کہا از بس خوشی سے رو کر زار

چلو ہم بھی مدینہ آتے ہیں
کہ رسولِ خدا بلاتے ہیں

برکتِ خوابِ صادقہ کی تھی، دفعتاً آگئی توانائی
طاقتِ جست اور تابِ مشی جیسی چاہی خدا نے دی ویسی

سب سے چلنے میں آگے بڑھ جاتا
دیکھتا گر پہاڑ چڑھ جاتا

جسکو چاہتے ہیں یوں بلاتے ہیں نہ چلے کھینچکر لے جاتے ہیں
تشنہ لب اپنا جسکو پاتے ہیں، ساغرِ وصل یوں پلاتے ہیں

جذبۂ عشق جس کا صادق ہو
کیوں نہ معشوق اس کا عاشق ہو

الغرض قافلہ وہ لے نکلا سرزمینِ حجاز میں تھی وبا
ابتلا ایک اس امتلا میں تھا درِ جنّت کیا تھا رضواں وا

راہیِ خلد ہوتے تھے حجّاج
ایک کو ایک دیکھ روتے تھے حجّاج



روز صدہا ہلاک ہوتے تھے　لقمہ ہائے مغاک ہوتے تھے
ماتمی سینہ چاک ہوتے تھے　تیغ نہ تھا یہ پاک ہوتے تھے

پاک کرتے تھے یوں جو تن اپنا
تا کریں خلد میں وطن اپنا

تھا یہ رویائے صادقہ کا اثر　شیخ کو حفظ میں رکھا داور
خیریت سے مدینے میں آکر　کی خوشی سے زیارتِ سرور

ایک جم غفیر ہوتا تھا
فیض یاب کثیر ہوتا تھا

بیٹھ مسجد میں مسکرا کے کہا　کیا میں اب خلد میں نہیں آیا
غل ہوا قطبِ ھند آپہنچا　شاہ شق القمر کا ہے پوتا

عارف و کامل و یگانہ ہے
خسرو علامۂ زمانہ ہے

گیا وہ دن گذر ہوئی جب رات　استراحت کیا وہ نیک صفات
شب گذر جب سحر ہوئی ہیہات　پھر تو اجرا ہوئی وہی حرکات

جب سر دست دست ہوتے تھے
رفقا دیکھ دیکھ روتے تھے

ہائے وہ لطف درد پیار اپن　نسبتِ طبع اور نزاکت تن
تھا جو اس حال میں وہ شیخ زمن　پاتا اسہال سے تھا رنج و محن

آملہ تھا سو کر دیا موقوف
آہ وہ بھی ہوئی غذا موقوف

بہر و صایا زباں سے تھے جاری　اور ہوش و حواس تھے باقی
آئی جب گیارویں محرم کی　تھا ترقی میں روز بیماری



ہُوا رُویائے صادقہ کا ظہور

دعوتِ شاہِ انبیاءؑ کا ظہور

اپنے پوتے کو پاس اپنے بُلا، برخوردار | دیا خرقہ اُنہیں خلافت کا
جو وصایا کا حق تھا کر کے ادا | کہا اس طرح سے کہ اے بیٹا

میہماں دار و ضیف پرور باش

بہمہ خلق خلق گستر باش

کر کے پھر عصر کی نماز ادا | رُو بقبلہ ہوا جو قبلہ نما
حالتِ نزع ہو گئی اجزا | راوی معتبر یہ ہے کہتا

حال اُس دم یہ دیں پناہ کا تھا

دم بدم ضرب لا الٰہ کا تھا

ھائے اس ہیئات کدائی سے | قبل مغرب وہ قطب دوراں نے
جام باقی وصل حق پی کے | سو گیا ہائے پاؤں پھیلا کے

حشر برپا ہُوا مدینے میں

اڑ گیا تھا جو لطف جینے میں

شعلۂ آہ آسماں پہ گیا | دائرے سے فلک کے قطب گرا
بابِ جنّت کیا تھا رضواں وا | ابن سردار خلد ہے آتا

روح بو لا شہید آتا ہے

حور اہل نوید آتا ہے

جمعہ کا روز جب ہوا پیدا | ایک جم غفیر تھا اس جا
پڑھ چکے جب دگانہ و خطبا | اہتمام جنازہ ہونے لگا

غسل تھا قطب زماں کی میت ہے

قدوۂ عارفاں کی میت ہے

پیچ قبر شریف منبر کے لاشِ اقدس کو اس کے لا رکھے
اور مدینے کے شیخ و شاب جو تھے آ کے میّت کو حاضر اس کے ہوئے

جمع تھے واں جو حاجی و زوّار
کہا راوی قریب الف ہزار

پھر نمازِ جنازہ کر کے ادا پاس امام حسنؓ کے قبر کے جا
چاک کر کے زمین کا سینہ گنجِ عرفاں کو اس میں دفن کیا

کون تھا اور یہ سر یہ کس کا تھا
مل گیا جا کے اس میں جس کا تھا

قبرِ سجّاد پاک ہے جس جا جاں ہے روضہ امام باقرؑ کا
شاہِ عباس ہے جہاں لیٹا جہاں جعفرؒ کا ہے مزار بنا

مجھ سے مت پوچھ کیا ہوا جا کر
اپنے اجداد سے ملا جا کر

قافلہ ہائے ہو گیا بے سر لوٹ آیا کٹا کے اپنا سر
کوئی خستہ جگر کوئی مضطر نوحہ گر کوئی غم سے دست بسر

سروِ گلشن لٹا کے آئے ہیں
گل کو لیجا کے داغ لائے ہیں

کیا ہوا وہ مقربِ داور کیا ہوا آہ جزوِ پیغمبرؐ
کیا ہوا وہ نتیجۂ حیدرؓ کیا ہوا نورِ دیدۂ شبّرؓ

کہاں یا رو حسینؓ وقت کہاں
کہاں وہ شاہ اور تخت کہاں

ہاں خبردار اطہرؔ ناکام خواجہ زادے کو دیکھ دل کو تھام
فضلِ ایزد طفیل شاہِ انام وہی مجمع ہے اور وہی ہے ہمام

یہ جو اب جانشین ہوتے ہیں
سرورِ انبیاء کے پوتے ہیں

مژدہ ہے سو بسو بشارت ہے — رونقِ مسندِ خلافت ہے
انبساط و نشاط بہجت ہے — جائے شادی ہے کیا نہایت ہے

محی دیں رفت و رکن دین آمد
گو چناں رفت ایں چنیں آمد

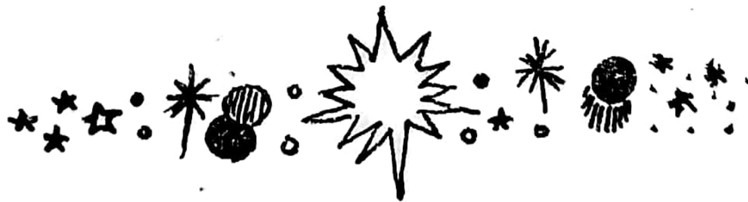
خاتمِ دین کا نگیں ہے یہ — بے گماں صاحبِ یقیں ہے یہ
ہے شرافت مکاں مکیں ہے یہ — رکن دیں ہے یہ رکن دیں ہے یہ

یہ جو نقلِ مراد ہے یاور
مثلِ زین العباد ہے یاور

بس کر اطہرؔ کہ کیا تو مجنوں ہے — گاہ ہے مسرور گاہ محزوں ہے
گاہ مفتوں و گاہ جو ماموں ہے — کیا بطرز دہے تو بطر خوں ہے

کام سے اپنے کام ہے اطہرؔ
غم و شادی تمام ہے اطہرؔ

تمام شد







طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے ۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع جو علم دین کے لئے اپنے گھر سے نکلا تو وہ جب تک اپنے گھر واپس نہ ہوا اللہ ہی کی راہ میں ہے کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں نکلا تھا یعنی مجاہد فی سبیل اللہ تھا تو پھر کیوں نہ وہ حق دارِ جنت ہو ۔ ممکن ہے معترض یہ اعتراض کر بیٹھے کہ بسا اوقات برسہا برس اور سالہا سال کی عبادتیں محض ایک ذرہ سی لغزش کی بنا پر رائگاں و ضائع ہو جاتی ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ محض اسکی راہ کا قصد سبب بہشت بن جائے ؟ جواباً عرض ہے کہ ہر چیز کی قدر و منزلت اسکی حیثیت و درجہ کے مطابق ہوتی ہے ۔ مثلاً M.A کا درجہ B.A سے بڑھ کر ہے ۔ لہٰذا وہ افضل ہے ۔ علیٰ ہٰذا القیاس یہ بھی ظاہر ہے کہ گلاب کا پھول اپنی دلکشی و خوشبوئی میں سب پھولوں سے بڑھکر ہے ۔ اس لئے تمام گلوں کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے یہی حال علم دین کا ہے کہ وہ دنیا کے تمام علوم و فنون سے زیادہ قابل قدر لائق احترام ہے ۔ چنانچہ اسی علم دین کی وجہ سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کو انبیاء علیہم السلام کا وارث فرمایا ہے ۔ جیسا کہ حدیث ہے العلماء ورثۃ الانبیاء یعنی عالم دین انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں ۔ وراثت اُسی شخص کو ملتی ہے جو اس کا اہل اور لائق ہو اور یہ اہلیت و لیاقت صرف علم دین کی وجہ سے ہے ۔ اس سے علم دین کی فضیلت کا بخوبی ثبوت ملتا ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ غلط نہیں ہے کہ جو لوگ علم دین کی طلب میں جد و جہد کرتے ہیں وہ اس اعزاز و اکرام کے مستحق ہیں کہ اگر راہ طلب میں رحلت کر جائیں تو انہیں جنت عطا ہو ۔

انسان کی ذات میں سیرت و اخلاق کا عنصر ایک گوہر گراں مایہ ہے اور سیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت بلالؓ حبشی اگرچہ صورتاً سیاہ فام واقع ہوئے تھے لیکن سیدنا حضرت عمر فاروقؓ ان کو ھو سیدنا و مولانا کہا کرتے تھے اور دیگر صحابۂ کرامؓ بھی آپکی بڑی قدر و عزت کرتے تھے ۔ اس کی وجہ صرف آپ کی حُسنِ سیرت اور جوہر خلق تھا ۔ وہ حُسنِ سیرت ہی کا اثر تھا جس نے کالے اور

گورے عجمی و عربی کا امتیاز ختم کر دیا تھا۔ اور یہ اعلان عام تھا کہ جو بھی علم و عمل کے لحاظ سے سب سے زیادہ لائق و فائق ہو، وہ اسلام کی سرداری کا اہل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اسی علم و عمل کی برکت سے انسان منصب خلافت کا مستحق ہوا۔ اور اس کو قرب حق نصیب ہوتا ہے۔

مدارس دینیہ کا مقصود انہیں دو جواہر انسانیت کا پیدا کرنا ہے۔ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی عموماً مادیت و فیشن پرستی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ انسانیت و روحانیت برائے نام ہوتی ہے جیسا کہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔

حضرات! علمائے کرام لائق ستائش و مبارکباد ہیں جو ہر کلفت و صعوبت کو برداشت کرتے ہوئے طلباء میں علم دین کا ذوق پیدا کرتے ہیں۔ ان کی سیرت و اخلاق کو سنوارتے و نکھارتے ہیں اور ان کو انسانیت کے مرتبۂ عظمیٰ پر فائز کرتے ہیں۔ فشکر اللہ سعیھم وجزاھم احسن الجزاء

یہ حضرات اپنے مختصر سے ذریعۂ معاش پر ایسے مطمئن و پرسکون ہوتے ہیں کہ بڑے سے بڑے دولتمندوں کو بھی وہ سکون و اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے ورنہ دنیوی ساز و سامان اور مال و متاع کے لحاظ سے تو ان کا شمار کسی درجہ میں نہیں ہے۔ اس ظلمت و بے دینی کے زمانہ میں مسلمانوں کے تمام مصائب کا علاج یہ ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور دینی احکام کی تعمیل میں پوری طرح کمربستہ ہو جائیں۔ عموماً لوگ عدم تحصیل علم دین کے لئے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر علم دین کی تحصیل میں وقت صرف کیا جائے تو معاشی حالت تنگی سے گذرتی ہے لیکن یہ عذر، عذر لنگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہم یہ کب کہتے ہیں کہ آپ صرف علم دین ہی پر قناعت کرلیں۔ علم دین کے ساتھ علم دنیا بھی حاصل کیجئے۔ دین و دنیا دونوں کو کامیاب بنائیے۔ مگر ایسا نہ کیجئے کہ صرف علم دنیا ہی پر اکتفا کرلیجئے اور علم دین کو نظر انداز کر دیجئے کہ یہ بڑے نقصان اور گھاٹے کا سودا ہے۔ دانشمندی یہی ہے کہ دین کے معاملہ کو دنیوی معاملہ پر مقدم رکھا جائے۔ پھر یہ کہنا کہ صرف عربی تعلیم یافتہ ہی تنگئ معاش میں مبتلا ہوتے ہیں غلط ہے۔ کتنے انگریزی تعلیم یافتہ بھی اس دنیا میں موجود ہیں جن کے پاس بڑی سے بڑی ڈگریاں موجود ہیں، مگر وہ بھی قلت معاش و بے روزگاری کا شکار ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رزق کا معاملہ مقسوم و مقدر سے وابستہ ہے۔ چنانچہ یہ عام طور سے مشاہدہ ہے کہ بیشمار لوگ ایسے ہیں، جو بالکل جاہل مطلق ہیں مگر دنیوی دولت و ثروت سے مالا مال ہیں تو اس کے لئے کسی علم کو مورد الزام قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ بہر حال مقدر تھے کہ راحت ہو، یا تکلیف یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں کسی گروہ یا فرقہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ہر گروہ میں ہر طرح کے افراد ہیں، کسی کی راحت و آرام سے بسر ہوتی ہے کسی کی عسرت و مصیبت سے تو پھر فقط علم دین ہی کو مورد الزام کیوں قرار دیا جائے بلکہ علم دین ہو یا علم دنیوی دونوں اس الزام میں برابر کے شریک ہیں۔ علم دین سے کنارہ کشی

کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے طور و طریق اسلامی طریق سے منحرف ہو گئے۔ ان کی پسند و ناپسند کا معیار مغربی تہذیب و تمدن ہو گیا۔ ہم نے اپنی مذہبی کتاب قرآن کریم کو جو تمام دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آئی تھی زینت طاق خانہ کر دیا۔ کبھی اسکی تلاوت یا مضمون و مطلب کے سمجھنے سے، تعلق نہ رکھا لیکن دوسری قومیں آج اسی کی تعلیم و ہدایت سے طرح طرح کی ایجادات و انکشافات کر رہی ہیں۔ یہ چاند و سورج تک ان کی پرواز، زمین کے تہ خانوں در دفینوں کی تلاش، یہ سب تعلیم قرآن ہی کا نتیجہ ہے جس نے انہیں تمام کائنات پر کمند ڈالنے کا حوصلہ سکھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی اس حیرت انگیز کرشمہ سازی کو دیکھ کر دوسرے انصاف پسند غیر مسلموں نے برملا اسلام کی صداقت و حقانیت کا اعتراف کیا ہے اور صاف لفظوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا دائمی اور عالمگیر مذہب ہے جسکی ہدایت و رہنمائی کسی خاص زمان و مکان کے تحت محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہر دور میں ہر قوم کی رہنمائی کے لئے پوری طرح صلاحیت رکھتا ہے۔ زمانہ خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اسکی تعلیمات ہر ترقی یافتہ دور کے لئے مشعل ہدایت ہے، اسکی تعلیم میں جو قوت و توانائی آج سے چودہ سو سال پہلے تھی، وہی قوت و آب و تاب آج بھی ہے اور وہی چمک دمک قیامت تک رہے گی۔ چنانچہ اسکی پاکیزہ تعلیم کا یہ کرشمہ ہے کہ اس کے ماننے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے،
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

یہ دنیا مسافر خانہ ہے۔ یہاں کسی کو دوام و قرار نہیں۔ یہ محض جائے عبرت ہے۔ اصل زندگی نہیں ؎

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جیسی تخم پاشی کروگے ویسی فصل کاٹوگے۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ اسی طرح دنیا میں جیسے اعمال کروگے آخرت میں ویسا ہی ثمرہ پاؤگے۔ ہمیں لازم ہے کہ اپنے خیالات فاسدہ کو دل سے دور کریں، اپنے خیالات کی اصلاح کریں اور وہی جذبہ علم و عمل پیدا کریں جو دونوں جہاں میں ہماری سربلندی و کامرانی کا باعث ہو ؎

بدل دو اپنی حالت کو بڑھاؤ اپنی طاقت کو
تمہارے ایک نعرے سے ہلیں گے دو جہاں اب بھی

حاصل یہ ہے کہ علم ہی کی وجہ سے انسان خلافت و نیابت کا مستحق ہوا اور وہ اشرف المخلوقات کے خطاب سے نوازا گیا۔ لہٰذا جو منصب ہمیں حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا اسکو اپنے علم و عمل سے ثابت کیجئے کہ واقعی آپ ہی مستحق خلافت و نیابت ہیں ورنہ صرف کھانا سونا، اور انگڑانا یہ تو جانور بھی ہم سے اچھا جانتے ہیں۔ پھر ہم میں اور جانوروں میں فرق ہی کیا رہیگا۔ حق تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ علم بھی حاصل کریں اور عمل سے بھی آراستہ ہوں۔ آمین ثم آمین۔ تمت بالخیر

ربنا انا نسئلك علما نافعا وعقلا
كاملا وقلبا منورا وتوفيقا احسانا
وصراطا مستقيما ؕ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح حیات امام ترمذی

از مولوی کے۔ یم
احمد کمال الطیفی
زمرۂ ثامنہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

الحمد للہ الذی جعل لکل شیٔ سببا وانزل علے عبدہ کتابا عجبا فیہ من کل شیٔ حکمۃ ونبا وصلوٰۃ وسلام علی سیدنا محمد اشرف لخلیفۃ عجما وعربا واذکاھم حسبا ونسبا وعلے الہ واصحبہ السادۃ نجبا۔

امابعد۔ اسلام ایک عملی دین ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے عمل کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے ان الذین امنوا وعملوا الصالحات اور قرآن کو عملاً نافذ کرنے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ سنت الرسول کہلاتا ہے۔ اسلام کی عملی تشریح کے لئے لازمی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپکی عملی زندگی کو نمونہ بنایا جائے۔

مدینہ میں مسلمانوں نے قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات حکمت وموعظت اور ارشادات کو جمع کرنے ترتیب دینے اور سمجھنے کی کوشش کی مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے آپ کے ارشادات سننے والے اور آپکی تعلیمات سے براہ راست استفادہ کرنے بکثرت لوگ موجود تھے۔

اسلامی تہذیب کی وسعت کے ساتھ اس کے تشریعی قوانین میں بھی کثرت ووسعت ہو رہی تھی۔ اسی لئے وحی غیر متلو یعنی حدیث کی جانب لوگوں کی توجہ ومشغولیت زیادہ ہوگئی۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حدیث چونکہ خدا کی مرضی اور منشاء کے بغیر وجود پذیر نہیں ہوسکتی تھی۔ اسی لئے پہلی صدی ہجری ہی سے حدیث نبویؐ کے ضبط وحفظ کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کو کافی ترقی ہوی اور اسی دور میں حدیث کے وہ گراں قدر ذخیرے جمع ہوگئے جو کتاب اللہ کے بعد اصح کتب کے درجہ میں شمار ہوے' ان میں ایک صحیح بخاری جو امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اور دوسری صحیح مسلم جو امام ابو الحسن عساکر الدین مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ دونوں ذخیرے اپنی وسعت اور ہمہ گیری اور علمی احتیاط وتحقیق کے لحاظ سے ایسی کتابیں ہیں' کہ عالم اسلام میں ان کی حدیث کی سب سے مستند کتابیں تسلیم کی گئی ہیں۔ ان محدثین کرام میں سے دو

ہستیوں کا ذکر اللطیف کے گذشتہ شمارے میں کیا جا چکا ہے۔ اب میں اسی سلسلے میں ایک درخشندہ ہستی حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

پیدائش و اسم گرامی آپ کا نام محمد ہے کنیت ابو عیسیٰ سلسلۂ نسب محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی الضریر البوغی الترمذی۔

آپ ۲۰۹ھ میں بمقام ترمذ جو نہر بلخ کے کنارے پر واقع ہے پیدا ہوئے۔

حصول علم حصول علم متداولہ کے بعد جمع و تدوین احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں امام مذکور نے مختلف بلاد اسلامیہ بصرہ، کوفہ حجاز و خراسان وغیرہ کے لئے پیادہ پا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ کے اساتذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار۔

تصنیفات آپ کی متعدد تصنیفات میں جامع ترمذی، شمائل ترمذی اور کتاب العلل کو شہرت عامہ و قبولیت تامہ حاصل ہوئی۔

خصوصیات و فضیلت ترمذی کتاب ترمذی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہمیں راویان حدیث کی جا بجا جرح و تعدیل کی گئی ہے تاکہ حدیث صحیح، ضعیف، مشہور، شاذ و غریب وغیرہ میں امتیاز ہو جائے۔ نیز حدیث کے ائمہ کرام کا طرز استدلال ان کا مسلک اور صحابہ و تابعین کے مذاہب کو بھی بیان کر دیا گیا ہے اور بہت سی ثلاثی احادیث جو صرف تین ہی واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہیں وہ بھی مذکور ہیں۔

جامع ترمذی کو صحاح ستہ کے اندر صحیح بخاری و مسلم کے بعد کا درجہ دیا گیا ہے۔ جامع ترمذی کے متعلق خود آپ کا کہنا ہے کہ اس گھر میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ رحمت ہوتا ہے جس گھر میں کتاب مذکور موجود ہو۔

کتاب الترمذی کی شان میں علماء اندلس کی نظم کے چند اشعار یہ ہیں:-

کتاب الترمذی ریاض علم
حکت ازھارہ زھر النجوم
بہ الآثار واضحۃ ابینت
بالفاظ اقیمت کالرسوم
واعلاھا الصحاح وقد انارت
نجوما للخصوص وللعموم

کتاب الترمذی کی مقبولیت امام ممدوح کا خود کہنا ہے کہ میں نے اس جامع کی تالیف سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کتاب مذکور کو علماء عرب و حجاز، عراق و خراسان کے روبرو پیش کیا تو تمام علماء کرام نے اپنی پسندیدگی اور قبولیت کی سند عطا فرمائی۔

آپ کے ضبط و حفظ کے حالات محدثین کا کہنا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حفظ احادیث کے اندر آپ اپنی نظیر تھے۔ آپ کے قوت حفظ و ضبط کے

متعلق ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے شیخ کی بیاض سے حدیث کی دو جلد نقل کر لی تھی لیکن قرأت وسماع شیخ سے حاصل نہیں کی تھی۔ ایک مرتبہ جب ملاقات ہوئی تو آپ نے شیخ سے سماع کی خواہش ظاہر کی تو شیخ نے آپ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے انہیں دو اجزاء کی قرأت شروع کی جن کو امام ترمذی نے نقل کیا تھا۔ اتفاقاً امام ترمذی کے پاس سے وہ دونوں جلدیں گم ہو گئی تھیں اور وہ شیخ سے سماع کی رغبت میں سادہ اوراق ہاتھ میں لئے شیخ کے روبرو بیٹھ کر سماع میں مشغول ہو گئے۔ جب شیخ کی نظر ان سادہ اوراق پہ پڑی تو وہ خشمناک ہو کر کہنے لگے کہ کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ امام ترمذی نے حقیقت حال ظاہر کر دی اور کہا کہ اے شیخ میں نے جو کچھ نقل کیا تھا وہ مجھ سے گم ہو گیا۔ لیکن وہ تمام احادیث بدستور میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ اس طرح میں آپ کی قرأت کو اپنے محفوظ کردہ ذخیرہ سے منطبق کرتا چلا جا رہا ہوں۔

چنانچہ شیخ کے حکم سے امام ترمذی نے ان تمام احادیث کو پڑھ کر سنایا۔ شیخ امام ترمذی کی قوت حفظ وضبط کا حال دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس کے علاوہ شیخ نے اور چند حدیثوں کا امتحان لیا۔ امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ان سب کو بیان کر دیا اور کسی قسم کی غلطی نہ کی۔

وفات

امام ممدوح نے ستر سال کی عمر پائی۔ ماہ رجب کی ۱۳ تاریخ کو سنہ ۲۷۹ھ میں دوشنبہ کی رات کو ترمذ ہی کے اندر انتقال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

....

سلسلہ صفحہ ۷۹ راہی ملک بقا ہوا سہ

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی لاش مبارک کے روبرو تلاوت فرمائی مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ (الآیہ) مومنین میں چند آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔

اس آیت کریمہ کی تلاوت کے بعد آپ نے حضرت مصعب کی لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا کہ تم سے زیادہ خوش پوشاک اور عطریات میں بسا ہوا کوئی نہ تھا لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے زلف پراگندہ ہیں گرد وغبار میں اٹے ہیں اور بدن پر صرف ایک چادر ہے (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ)

ابتدائے اسلام میں غربت وافلاس کے باعث شہیدان ملت کو پورا کفن تک نصیب نہ ہوتا تھا۔ حضرت مصعب کی لاش مبارک پر صرف ایک مختصر چادر تھی کہ سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جائیں اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا۔ آخر کار چادر سے چہرہ چھپایا گیا اور پاؤں پر اذخر جو ایک قسم کا گھاس ہوتا ہے ڈال کر سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کا ایک سرفروش مجاہد

از محمد ابوبکر برکاتی
نوشتوی متعلم
(دار العلوم لطیفیہ مکان قطب ویلور)

حضرت مصعب بن عمیرؓ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام کو مبعوث کیا جنکی ہدایت کا تعلق اپنی اپنی قوم یا کسی خاص مقام یا ملک سے ہوتا تھا اور تمام نبیوں کے بعد اپنے آخری برگزیدہ نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جو تمام عالم کے لئے ہادی ورہنما بن کر تشریف لائے۔ آپ کی عظمت و قدر ومنزلت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جو شخص بھی ایمان کی حالت میں آپ کی حیات ظاہری میں آپکے دیدار سے مشرف ہوا اور ایمان ہی پر خاتمہ کر گیا وہ صحابی کے معزز لقب سے ملقب ہوا جس کے مرتبہ کو بعد کی امت کا بڑے سے بڑا مقدس بزرگ بھی نہیں پہنچ سکتے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اگرچہ سب کے سب افضل امت اور مقتدائے ملت ہیں لیکن فضیلت وبزرگی میں خود ان حضرات میں بھی فرق ومراتب ہے۔ سب کا درجہ برابر نہیں ہے۔ پیش نظر سطور میں اسی گلشن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گل تر کا تذکرہ مقصود ہے، میری مراد اس سے حضرت **مصعب بن عمیرؓ** رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے صحابۂ کرام میں جہاد کا ایسا جذبہ اور ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ ان میں سے . . . . ہر ایک مکمل پیکر جہاد تھا جس کا نظارہ جنگ کے موقعوں پہ ہوتا رہتا تھا کہ صحابۂ کرام کی مختصر سی تعداد کافروں کے بڑے سے بڑے لشکر پہ بھاری ہوتی تھی اور دشمنوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہزیمت وشکست کھانی پڑتی تھی۔ بہرحال انہیں سرفروشان اسلام میں حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی ذات گرامی بھی ایک مثالی شخصیت تھی۔

آپکا نام نامی اسم گرامی مصعب تھا اور کنیت ابو محمد اور محترم والد کا نام عمیر تھا اور والدہ محترمہ کا نام خناس بنت مالک تھا۔ آپ مکہ کے ایک بہت شکیل وجمیل نوجوان تھے۔ والدین نے آپ کو بڑے عیش وعشرت اور ناز ونعمت سے پرورش کی تھی۔ عمدہ سے عمدہ پوشاک لطیف سے لطیف خوشبو اور قیمتی سے قیمتی

چیزیں یہ ہر وقت آپ کے لئے مہیا رہتی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تذکرہ کرتے تو فرماتے' مکہ میں مصعب سے زیادہ عمدہ پوشاک پہننے والا حسین وجمیل پروردۂ ناز ونعمت کوئی نہیں ہے۔

حضرت مصعبؓ کی عیش وعشرت کی زندگی اس وقت تک تھی جبتک وہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جب بڑے ہوکر آپ اسلام لائے تو آپکی آرام وراحت اور ناز ونعمت کی زندگی یکسر رنج ومصیبت کلفت وعسرت میں تبدیل ہوگئی' اور طرح طرح کے مصائب وآلام میں مبتلا ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ مخفی طور پر اسلام لائے تھے۔

آپکے اعزا واقربا حتیٰ کہ والدین تک کو اس کی خبر نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمانوں کے لئے مکہ کی زمین تنگ تھی۔ کافروں کی مخالفت وعداوت کا ایک سیلاب تھا جو مسلمانوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جانا چاہتا تھا۔ لیکن اسلام کی شیدائی اس شدید بحرانی حالت میں بھی اپنے فرض منصبی یعنے اسلام کی تبلیغ سے غافل نہ تھے۔

اسی درمیان میں اتفاقاً ایک روز حضرت مصعبؓ کو عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھا تو یہ خبر آپکے والدین اور تمام خاندان والوں کو کردی۔ اس خبر کا سننا تھا کہ محبت وشفقت کے تمام جذبات نفرت وعداوت سے تبدیل ہو گئے۔ اسکے نتیجہ میں ظلم وستم کے پہاڑ آپ پر ٹوٹنے لگے' عرصۂ دراز تک مصائب وآلام کی چکی میں پیستے رہے آخر کار کسی طرح قید وبند کی زندگی سے رہائی حاصل کرکے سرزمین حبش کی طرف کوچ کرگئے۔

اب اس ناز پروردہ نوجوان کو نہ نرم ونازک کپڑوں کی حاجت رہی نہ نشاط افزا عطریات کا شوق تھا اور نہ دنیا کے عیش وآرام کی خواہش' بلکہ اب تو بادۂ توحید کے نشہ سے ایسے مست وسرشار رکھتے کہ دنیا کی تمام فانی لذتیں نظروں میں ہیچ ونا قابل التفات تھیں۔ اسی اثنا میں خورشید اسلام کی ضیا پاش شعاعیں کوہ فاران کی چوٹیوں سے گذر کر وادی یثرب میں پہنچ چکی تھیں۔

اور مدینہ کا ایک معزز طبقہ جو سب سے پہلے منیٰ کی گھاٹی میں اسلام قبول کر چکا تھا دربار نبوت میں حاضر ہو کر درخواست کی یا رسول اللہ ہماری تعلیم وتربیت کے لئے اور احکام اسلام کی تعلیم وتبلیغ کے لئے کوئی مناسب وموزوں شخص ہمیں عطا فرمائیے' تو اس درخواست پر حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیر کا انتخاب فرمایا تو مدینہ پہنچکر آپنے حضرت اسعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا اور گھر گھر پھر کر قرآن کی تعلیم اور اسلام کی اشاعت کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ جب اسلام کے ماننے والوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی تو ادائے نماز اور تلاوت قرآن شریف کے لئے حضرت اسعد کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے گھر پر سب کو جمع کیا کرتے تھے۔ ایک روز حسب معمول آپ چند مسلمانوں کو بنی ظفر کے گھر پر تعلیم دے رہے تھے تو قبیلۂ عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے دوست حضرت اسید بن حضیر سے کہا اس داعی اسلام کو اپنے محلے سے نکال دو جو یہاں آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ سنکر حضرت اسید بن حضیر نے اپنا نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعب سے خشم آلود لہجہ میں کہا تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے کہ ضعیف الرائے لوگوں کو گمراہ کرو' اگر تم اپنی جان عزیز

سمجھتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ تم ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ اس گفتگو کو سن کر آپ نے نرمی و سنجیدگی سے کہا کہ اے اُسید! تم یہاں بیٹھ کر میری باتیں سنو، اگر تم کو میری بات پسند آئے تو قبول کرو ورنہ میں خود چلا جاؤنگا۔ یہ سن کر حضرت اسیدؓ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے اور غور سے حضرت مصعبؓ کی تقریر سننے لگے۔

حضرت مصعبؓ نے چند آیات کریمہ کی تلاوت کرکے اسلام کے عقائد و محاسن ایسی خوبی کے ساتھ بیان فرمایا کہ تھوڑی ہی دیر میں حضرت اسید کا دل نورِ ایمان سے چمک اٹھا، مذہب اسلام کی خوبی و عمدگی سے متاثر ہو کر غسل کیا، اور کپڑے تبدیل کرکے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرکے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

جب آپ واپس ہوئے تو راہ میں حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت اسید ابن حضیر کی زبانی ان کی تمام سرگذشت سننے کے بعد حضرت سعد ابن معاذ کے دل میں بھی اسلام کی کشش پیدا ہو گئی۔ حضرت مصعب رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کچھ دیر آپ کے کلام سے فیضیاب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور بلند آواز سے اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کو مخاطب کرکے پوچھا کہ اے بنی عبدالاشہل بتاؤ میں تمہارا کون ہوں، انہوں نے جواب دیا آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور افضل ہیں۔ یہ سن کر آپ نے کہا خدا کی قسم تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم خدا و رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی اس مختصر گفتگو کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ سب خوشی خوشی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت مصعبؓ ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہ کے مہمان رہے لیکن جب قبیلۂ بنی نجار نے اُن پر سختی شروع کی اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ کے مکان پر سکونت اختیار کی اور اسلام کی توسیع و اشاعت میں دل و جان سے سرگرم عمل رہے۔ رفتہ رفتہ تمام انصارِ مدینہ کے قلوب نورِ توحید سے جگمگانے لگے۔ اور کلمۂ اسلام کی صدا ہر گلی و کوچہ سے بلند ہونے لگی

مدینہ میں اسلام کے نشر و اشاعت میں حضرت مصعبؓ ابن عمیر کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔

تمام ظاہری و باطنی خوبیوں سے آپ آراستہ تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ حقیقت شناس نے حضرت مصعب ابن عمیر کی فطری صلاحیتوں اور خوبیوں کا اندازہ اول امر ہی میں کر لیا تھا اور اسی جوہر شناسی کا یہ کرشمہ تھا کہ حضرت مصعب ابن عمیر کی اصلاحی کوششوں کے ذریعہ بہت جلد مدینہ کی فضا بدل گئی اور افق مدینہ سے خورشید اسلام کی کرنیں ضیا پاشی کرنے لگیں۔ یوں تو تمام صحابۂ کرام کے رگ و ریشے میں جوش جہاد سرایت کر گیا تھا۔

مرد تو سالارِ کارواں تھے ہی عورتیں بھی جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں، چنانچہ تاریخ کے اوراق الٹنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ متعدد صحابیات نے غزوات میں بہت اہم اور نمایاں

خدمات انجام دی ہیں۔

انہوں نے میدان جنگ میں تیر و تلوار چلایا ہے بعضوں نے مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمت انجام دی ہیں۔ بعضوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی ہے بعض نے کھلانے پلانے کے انتظام کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اور بعض جو تیر و تلوار نہیں چلا سکتی تھیں انہوں نے گرے ہوئے تیروں کو اٹھا کر مجاہدین کی مدد کی ہے۔ ان مختلف خدمات سے عورتوں کے جذبۂ جہاد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال راہ حق میں فدویت و جان نثاری کا ایسا نشہ تھا جو سب کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا پاک دل بھی اس عیار جذبہ سے خالی نہ تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شوق شہادت سے آپ کا دل پوری طرح لبریز تھا۔

چنانچہ ۲ھ میں جب اسلام و کفر کی پہلی جنگ جو تاریخ اسلام میں غزوۂ بدر کے نام سے مشہور ہے پیش آئی تو اس وقت حضرات مہاجرین کی سرداری کا علم (جھنڈا) حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا۔ غزوۂ احد میں بھی علمبرداری کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا۔ اس جنگ میں اتفاقی غلطی نے جب فتح و شکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمانوں کو اچانک پسپائی کا سامنا کرنا پڑا، اس شدید نازک وقت میں بھی یہ علمبردار اسلام یکا و تنہا مشرکین کے نرغہ میں اپنی بے نظیر شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتا رہا۔ دشمنوں کے سخت سے سخت حملے کے مقابلے کے لئے اپنی جگہ ثابت قدم رہا۔

تیر و تلوار کے زخموں سے اپنا تمام جسم چھلنی کر دینا منظور تھا مگر یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ اپنے جیتے جی پرچم اسلام کی عظمت و بلندی میں کوئی فرق آئے۔ غرض اسی حالت میں ایک شقی ازلی ابن قمیہ نے بڑھکر تلوار کا وار کیا جس سے آپکا ہاتھ کٹ گیا آپ نے فوراً بائیں ہاتھ سے جھنڈے کو سنبھال لیا اور اسی طرح دشمنوں سے جنگ کرتے رہے۔

آپکی زبان پر آیت کریمہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل کا ورد جاری تھا جس کا خلاصہ مفہوم یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔

جب انبیاء و مرسلین علیہم السلام اس دنیا میں نہ رہے تو دوسروں کا کیا شمار ہے۔

آخر کار سب کو اس دنیا سے کوچ کرنا ہے تو پھر کیوں نہ اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش کرتا ہوا خدا سے ملوں۔

پھر بدبخت ابن قمیہ نے دوسرا وار کیا تو بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ آپ نے فوراً جھنڈے کو دونوں بازوؤں سے دبا کر سینے سے چمٹا لیا۔ پھر اس شقی نے اس زور سے نیزہ مارا کہ اسکی انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور وہ اسلام کا سچا فدائی و جان نثار عاشق رسول جام شہادت نوش کرتا ہوا

(بقیہ بر صفحہ ۶۵)

ملفوظات حضرت قطب ویلور

از حافظ محمد ابراہیم صاحب ادھونی زمرۂ خامسہ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

بار سے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

زمانہ میں بہت سی ہستیاں رونما ہوئیں اور اپنا اپنا کام کر کے چلی گئیں مگر دنیا نے ان لوگوں کے اقوال و کردار کو دیکھا جن کے اقوال و کردار اہل عالم کے لئے نجات و سلامتی کا ذریعہ بنے اور انہیں یاد رکھا۔ انہیں زندۂ جاوید یادگار ہستیوں میں سے زبدۃ العارفین **اعلیٰحضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری** المشہور بہ حضرت **قطب ویلور** قدس سرہ کی بھی ایک برگزیدہ شخصیت ہے جن کے اقوال پر عمل پیرا ہو کر بہت سے لوگ منزل مقصود کو پا گئے۔ آج میں بھی آپ کے ملفوظات کو پیش کر رہا ہوں اگر غور فرمائیں تو یہ مشعل راہ بن سکتے ہیں۔

۱ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔ آپ فرماتے ہیں، غرباء اغنیاء سے پانچ سو برس پیشتر جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ تمام پیغمبروں سے پانچ سو برس بعد جنت میں داخل ہونگے کیونکہ حساب و کتاب میں پانچ سو برس گذر جائیں گے۔

۲ آپ فرماتے ہیں دنیوی اشیاء میں حلاوت و چاشنی ضرور ہے۔ مگر در پردہ اس میں سم قاتل بھی ہے، جو حلاوت و شیرینی کی صورت میں انسانوں کو برباد کر دیتا ہے۔ انسان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ ان اشیاء کی سمیت کو سمجھے اور اس سے احتراز کرے۔

۳ آپ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان ہمیشہ جس کام میں رہیگا اسکی موت اسی کام میں واقع ہوگی مثلاً تاجر کی تجارت میں، معمار کی معماری میں، زاہد کی زہد میں، عابد کی عبادت میں۔

۴ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص امیروں و اغنیاء کی تواضع کرتا ہے اس کا ثلث دین ختم ہو جاتا ہے۔

۵ آپ فرماتے ہیں کہ عالموں میں وہ عالم سب سے بدتر ہے جو امیروں کے پاس جا کر علم کو شکم کے بدلے فروخت کرتا ہے۔

۶ آپ فرماتے ہیں کہ شافعیؒ نے فرمایا کہ انسان کے کمال کی علامت یہ ہے کہ اس کا دشمن اس سے اس طرح بے خوف ہو جائے جسطرح کہ اس کا دوست اس سے بے خوف ہوتا ہے۔ یعنی انسان کو ہمیشہ حلم و بردباری و خلق حسن سے متصف رہنا چاہئیے۔

۷ آپ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں مخلوق خدا کی خدمت کرنی چاہئے اور اپنے آرام پر اوروں کے آرام کو ترجیح دینا چاہئے کیونکہ یہی چیز معبود حقیقی سے قربت کا سبب بنتی ہے۔



از
مولوی سید شبیر احمد لطیفی
زمرۂ سابعہ
متعلم دار العلوم
لطیفیہ حضرت
مکان قطب ویلور

کرامتوں کا صادر ہونا ایک امر حق ہے۔ براہین قاطعہ، و دلائل ساطعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ قرآنی آیات اُن کے سچ اور حق ہونے پر دال ہیں۔ بھلا اس کے باوجود کس کو جرأت انکار ہوسکتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے بصارت نہیں بصیرت کی ضرورت ہے ورنہ چشمۂ آفتاب کا کیا قصور ہے۔

حضرت آصف بن برخیا کا لمحہ بصر میں تخت بلقیس کو حاضر کردینا، حضرت مریم علیہا السلام کے نزدیک ہمیشہ غیر موسمی پھلوں کا موجود ہونا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں رہ کر سینکڑوں میل دور میدان جنگ کا مشاہدہ کرتے ہوئے یا ساریۃ الجبل کہہ کر سالار فوج کو ہدایت دینا کرامت نہیں تو پھر کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے جو اس کے خاص بندوں کو حاصل ہے جس سے وہ مخلوقِ خدا کی بھلائی اور رہنمائی کا کام لیتے ہیں۔

حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی ذاتِ والا صفات جامع کمالات و مخزن کرامات واقع ہوئی ہے، ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ چند مہمان آپکے پاس دو تین روز تک مقیم رہے۔ رخصت ہونے سے ایکدن پیشتر آپ سے اجازت لے لی۔ ابھی آدھی رات ہوئی تھی کہ حضرت تشریف لائے اور انہیں بیدار کرتے ہوئے سفر پر روانہ ہونے کے لئے کہا۔ مسافر غلبۂ نیند کی وجہ سو رہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ دوبارہ تشریف لائے اور جگا کر جلد روانہ ہونے کا حکم دیا۔ وہ سب تیار ہوکر وہاں سے رخصت ہوگئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت جنگل میں پانی سے لبریز ندی کا سامنا ہُوا۔ ملاحوں نے ان کو ٹوکرے میں سوار کر کے ندی کے اُس پار اتار دیا۔ وہ کنارہ سے اتر کر حوائج سے فارغ ہوئے اور توشہ کھول کر کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔ اتنے میں اس پار چند اشخاص آئے۔ ملاحوں نے ان کو بھی ٹوکرے میں بٹھا کر ندی پار کرنے کی کوشش کی۔ اچانک ایک ایسی طغیانی آئی کہ تمام ڈوب گئے۔ تب ان کو ہوش آیا کہ حضرت کے جلد بھیجنے کا مقصد کیا تھا۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا۔

سید حیدر نامی ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں جب حضرت مکان ویلور آیا تو دیکھا کہ لوگ روح کے متعلق بحث کر رہے ہیں۔ کوئی روح کے غیر مخلوق ہونے کا قائل تھا اور کوئی کہتا تھا کہ روح مخلوق ہے۔ مجھے اس مسئلہ کی تحقیق کی جستجو ہوئی۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مسجد میں معتکف تھے۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھکر فرمایا کیا تمھیں کچھ بولو پوچھنا ہے۔ میں خاموش رہا پھر آپ نے کہا کیا روح کے متعلق جاننا چاہتے ہو، یہ سن کر میں کانپ گیا اور عرض کیا کہ ہاں روح مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اسکے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ روح مخلوق اور حادث ہے پھر کئی نکات اسکے متعلق آپ نے بیان فرمایا۔

اتقوا بفراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله

کہتے ہیں کہ شمالی ہند کے خداترس انسان پیر کامل کی تلاش میں مدراس پہنچے۔ لوگوں نے کہا کہ ویلور جایئے۔ آپ کا مدعا حاصل ہوگا۔ موصوف گھوڑے پر سوار ہوکر ویلور کی طرف چل پڑے۔ ویلور میں داخل ہونے کے لئے صرف چار میل رہ گئے تھے نماز عصر ادا کرنے کے لئے قصبہ ستواچاری کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کوئی بزرگ محو عبادت ہیں، حقیقت میں وہ حضرت قطب ویلور تھے۔ کچھ دیر بعد حضرت قطب ویلور نماز سے فارغ ہوگئے۔ اجنبی نے سلام و مزاج پرسی کے بعد آپ سے پوچھا کہ کیا آپ ہی اس باغ کے مالک ہیں؟ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اس کا مالک تو اللہ ہے۔ جب میں اپنی جان کا مالک نہیں ہوسکتا تو بھلا بتاؤ اس باغ کا مالک کیسے ہوسکتا ہوں۔ اس جواب سے نووارد کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں اور سمجھ گئے کہ یہی وہ مرد حق پیر کامل ہیں جن کی تلاش میں نکلا ہوں۔ حضرت نے استفسار کیا کہ کہاں جارہے ہو۔ نووارد نے کہا ویسے تو ویلور جانا تھا لیکن اب مجھے ویلور جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویلور والے تو بس مجھے یہاں مل گئے موصوف نے وہیں آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی صرف چند لمحوں میں ایقان و معرفت کی عظیم دولت لیکر شاداں و فرحاں روانہ ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نواب حسین آباد کی بیگم صاحبہ کو آپکی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ نواب صاحب سے اس کا تذکرہ کیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ محصولات کے زمانے میں جائیں گے۔ لہٰذا انہیں دنوں میں یہ دونوں میاں بیوی حضرت کی خدمت میں تشریف لائے۔ حضرت نے ان کی طرف توجہ نہ کی۔ نواب صاحب بہت پریشان ہوگئے اس کے بعد حضرت نے فرمایا نواب صاحب جس وقت ارادہ ہوا تھا اخلاص کے ساتھ چلے آنا تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کا یہ فقیر کھاتا بھی ہے اور کھلاتا بھی ہے۔ یہ سن کر نواب صاحب بہت شرمندہ ہوئے اور خود کو ملامت کرنے لگے۔ نواب صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ کسی تیسرے آدمی کو معلوم نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کو آپ پر منکشف فرمادیا تھا۔

۱۲۸۵ھ میں دوسری مرتبہ حج بیت اللہ شریف کو جاتے ہوئے آپ کڈپہ میں اترے اور نئی گوٹ میں قیام فرمایا یہاں دوران قیام میں وعظ و نصیحت کی مجلسیں منعقد ہوتی رہیں۔ ایک دن آپ نے مجلس میں بیٹھے ہوئے کہنہ سال خان صاحب کو دیکھ کر ان کی عمر دریافت کی جواب ملا کہ بیاسی سال ہوچکے ہیں۔ کچھ دیر توقف کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب تو

کسی دم روح قفسِ عنصری سے جدا ہونا چاہتی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اسی دن خان صاحب کا انتقال ہوگیا اور یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہوگئی کہ آپ کا اشارہ خانصاحبؒ کی طرف تھا۔

حافظ حاجی سید محمد علی صاحب عرف سید و میاں متخلص بہ نوا ابن نواب ملتمس خاں مرحوم کہتے ہیں کہ میں ایکوقت حضرتؒ کی خدمت عالی میں حاضر تھا، ایک درویش تشریف لاکر کہنے لگے اے مولوی صاحب میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اس کا جواب دوگے؟ آپ نے فرمایا انشاء اللہ جواب دوں گا کیا بات ہے فرمائیے۔ اس درویش نے کہا اگر میں ان ساجرا کو جرا پہ بیٹھ جاؤنگا تو خدائے تعالیٰ جو رزاق مطلق ہے میری رزق رسائی کرے گا یا نہیں؟ (ساجرا کو جرا ویلور کے دو پہاڑ ہیں، جو حضرتؒ کے دولت سرا سے ڈیڑھ دو میل دُور پر واقع ہیں)۔ آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ تمہیں نہ دیگا۔ اس درویش نے کہا کیوں؟ اس کا کیا سبب ہے؟ ارشاد ہوا جب تک تمہارا دل نہ بیٹھے نہ دیگا۔ اس نے کہا واقعی آپ نے سچ فرمایا۔ یہ کہکر روانہ ہوئے حضرت نے فرمایا یہ بڑے صاحب کمال تھے فقط میرے امتحان کو پوچھا تھا، لوگوں نے ان کی تلاش کی تو نہ پایا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو علم دین کے نکات سنا رہے تھے۔ اثنائے سخن میں ایک درویش نظر آئے جن کی ظاہری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ آپ ان کو دیکھ کر فوراً مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ملاقات کی۔ انتہائی خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے مجلس کے چند رئیس حضرات کو یہ بات ناگوار گذری۔ اس درویش کو حقیر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے یہ خیال کیا کہ حضرت ہمیں چھوڑ کر ایسے درویش سے ملنے گئے۔ حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز بات چیت کرکے ضروری کام سے گھر کے اندر چلے گئے۔ اسی وقت درویش شیر کی شکل میں نمودار ہوئے یہ حالت دیکھ کر رئیس لوگ خوف زدہ ہوگئے اور ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت قطب ویلور گھر سے باہر آئے اور مرد درویش کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ایسی جلالت کا اظہار نہ کرو۔ اس وقت درویش مذکور اپنی اصلی حالت پہ آگئے اور جلال میں آنے کی وجہ بیان کی۔ اس کے بعد حضرتؒ قطبؒ ویلور نے ان رؤساء کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی انسان کو حقارت آمیز نظروں سے نہ دیکھنا چاہیئے، اور نہ کسی کو حقیر سمجھنا چاہیئے ۔ سب ہم سے ہیں زیادہ کوئی ہم سے کم نہیں۔

ایک وقت آپ حضرت قدوۃ العارفین شاہ قادر ولی باشاہ ناگوری قدس سرہٗ کی زیارت کیلئے ناگور تشریف لے گئے۔ جب آپ درگاہ پہ پہنچے تو اچانک دونوں دروازے کھل گئے۔ آپ اندر گئے تو دونوں دروازے بند ہوگئے۔ بہت دیر تک صاحب مزار سے گفتگو ہوتی رہی۔

ویلور گزیٹیر میں یہ واقعہ درج ہے کہ ٹیپو سلطانؒ کی شہادت کے بعد جبکہ بیگمات اور شاہزادوں کو قلعہ ویلور میں نظر بند کر دیا گیا تھا ایکدن شاہزادوں کے محافظ دستہ نے بغاوت کر دی جس میں انگریز فوج کے کئی سپاہی اور افسر مارے گئے، لیکن بغاوت ناکام ہوگئی۔ انگریز جنرل نے باغیوں کو سزائے

موت کا حکم دے دیا اُس میں ایک معصوم و بے گناہ آدمی بھی شوئی قسمت سے پھنس گئے تھے۔ تختۂ دار پہ سولی دی جانے لگی جب اس بے گناہ کی باری آئی تو ان کی آخری خواہش کے بارے میں پوچھا گیا، اس معصوم نے ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بھی اپنے مرشد کو فراموش نہ کیا۔ موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت قطب ویلور کی خدمتِ اقدس میں چلے آیا۔ اور سارا ماجرا کہہ سنایا اور دُعا کی درخواست کی۔ شیخ کامل نے کہا جاؤ خیریت سے واپس آؤگے۔ موصوف تختۂ دار پہ چلے گئے۔ انگریز جنرل کی بیوی نے اس آدمی کو دیکھ کر اپنے شوہر سے کہا یہ آدمی تو بے قصور معلوم ہوتا ہے۔

جنرل کے دل میں یہ بات اثر کرگئی اور وہ اس شخص سے دوبارہ دریافت کرنے لگا کہ تمہارا کیا قصور ہے تو جواب میں اس آدمی نے کہا میرا تو کوئی قصور نہیں، بے گناہ ہوں۔ یہ سن کر انگریز جنرل فوراً اسی وقت معافی کا حکم دے دیا۔ اس مقام پہ رک کر ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے سہ

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بقیہ مضمون بسلسلہ صفحہ ۸۲

ان یشرك به ویغفر ما دون ذالك لمن یشآء۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیگا مغفرت کردیگا۔

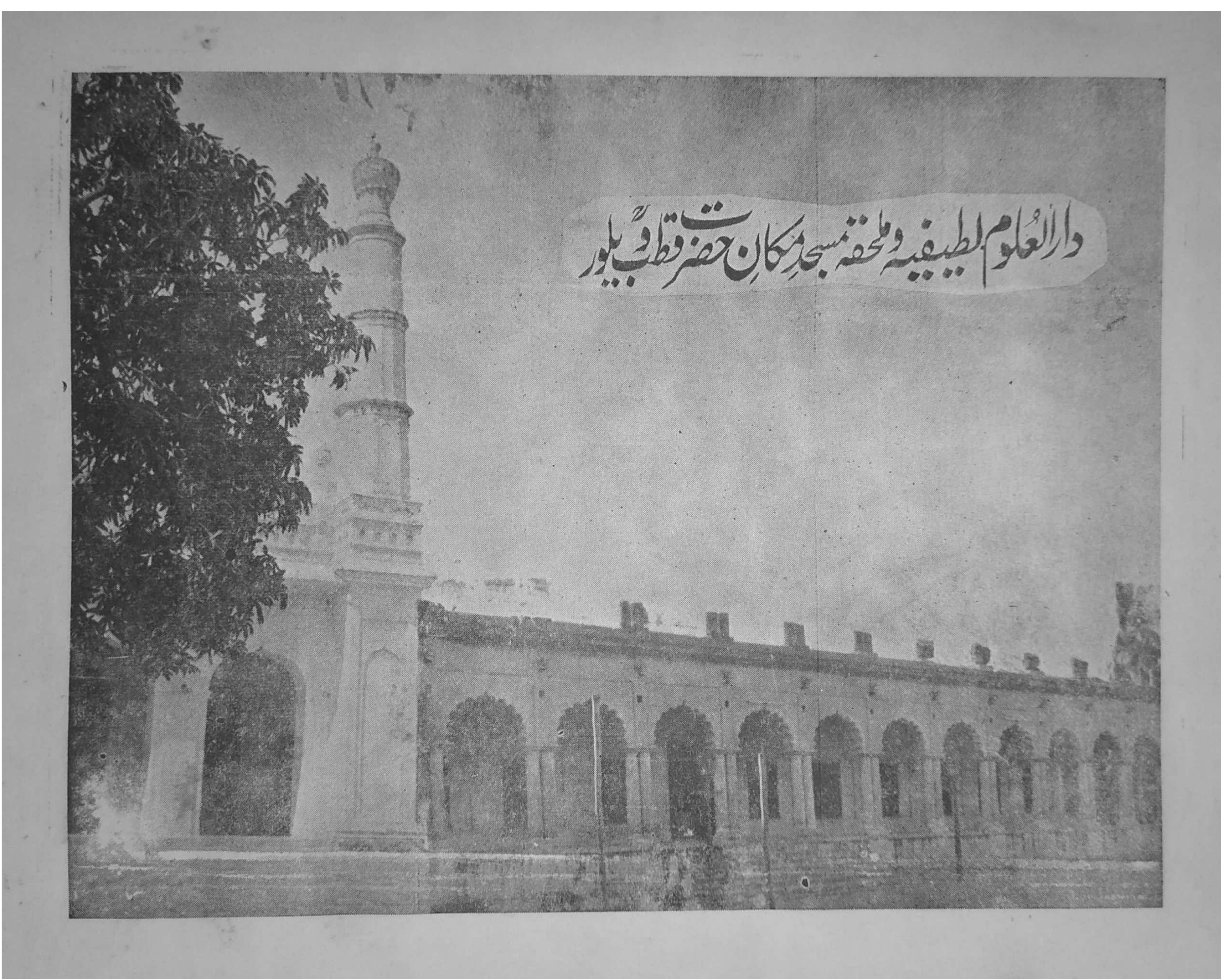
دوسری جگہ آیت میں ہے ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حق شرع کی وجہ سے قتل کیا جائے تو اس پہ کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ بادشاہِ اسلام پہ لازم ہے کہ وہ حدودِ شرعیہ کو نافذ کرے، کیونکہ وہ صاحب اختیار رہے، اورنگ زیب نے وہی کیا جس کا وہ شرعاً مکلّف، اور جواب دہ تھا۔

اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے اور قبول حق کی توفیق بخشے ۱۲

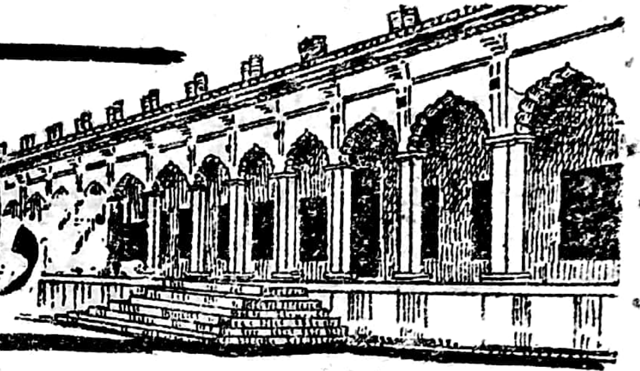
کتبہ

سید حمید اشرف

مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز


دار العلوم لطیفیہ وملحقہ مسجد مکانِ حضرت قطبؒ ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم



دار العلوم لطیفیہ میں دس سال

از جناب مولانا سید مصطفی حسین صاحب بخاری کڈپوی
(فاضل لطیفیہ)
مدرس دار العلوم لطیفیہ و جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

وہ ساعت کتنی مبارک تھی جس میں میں نے اعلی پیمانہ پہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن میں والد محترم کے انتخاب کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ نے میرے جذبات کا خیال کرتے ہوئے ایک ایسی دینی درسگاہ کا انتخاب فرمایا جو صدیوں پہلے جنوب کی گمراہ کن وضلالت خیز تاریکیوں میں آفتاب عالم تاب بن کر چمکی اور جسکی ضیا پاشیوں سے خطۂ جنوب آج بھی منور ہے۔

والد صاحب کے فیصلہ کن انتخاب کے بعد میری خوشیوں کی انتہا نہ رہی، نہ معلوم تھوڑے سے عرصہ میں پردہ ذہن پہ کتنی تصویریں ابھرتی اور مٹتی رہیں۔ قلبی اضطراب کا عجیب عالم تھا ذراسی دیر بھی کوہ گراں ثابت ہورہی تھی اور ہر لمحہ عروس علم سے ہمکناری کا اشتیاق بڑھتا جارہا تھا۔ آخر وہ وقت آگیا جس کا بے چینی سے انتظار تھا۔ نظروں کے سامنے دار العلوم کی قدیم دبدبہ و وقار عمارت کو دیکھ کر میری آنکھیں خود بخود جھک گئیں۔ میں خوشی سے پھولا نہیں سمارہا تھا کیونکہ آج میرے خواب شرمندۂ تعبیر ہورہے تھے، میں اس گلشن علم وفضل میں آگیا تھا جسے ایک مرد درویش نے[ع] تین سو سال پیشتر اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ جسکی آبیاری اسی مبارک ہستی کی مقدس اولاد کرتی آرہی ہے۔

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز میں میرا داخلہ ۲۶ اگست ۱۹۵۶ء میں ہوا۔ یہ زمانہ دار العلوم کی نشاۃ ثانیہ کا دور تھا۔ سال بسال اساتذہ اور طلباء کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ اس وقت عالیجناب اعلیحضرت الحاج الحافظ مولانا مولوی **ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری** مد ظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ کی سرپرستی اور اعلیحضرت مولانا مولوی **ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر** صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی کی نظامت میں دار العلوم ترقی کر رہا تھا۔ ۱۹۵۸ء میں اعلیحضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد موجودہ **اعلیحضرت** کی سرپرستی اور عالیجناب حضرت مولانا ابو الحسن **صدر الدین سید شاہ محمد طاہر** صاحب قبلہ قادری مد ظلہ العالی بی اے کی نظامت میں دار العلوم کی توانائیاں اور بڑھ گئیں۔ درس وتدریس کے لئے جنوب کے علاوہ شمالی ہند سے بھی علمائے کرام مدعو کئے جانے لگے۔ روحانیت کے ساتھ

ع عالیجناب سید حسن بخاری عرف پیر پاشاہ صاحب زید مجدہ ۱۲

جسمانی تربیت کے لئے جدید اصلاحات ہونے لگیں۔

مربیان دار العلوم نے ہماری آرزوؤں کی تکمیل کرتے ہوئے ۱۹۵۷ء میں ایک انجمن بنام "**دائرۃ المعارف**" کا قیام فرمایا جس کا مقصد طلباء میں تقریری ملکہ ہی پیدا کرنا نہیں بلکہ اخلاقی اقدار کو اُجاگر کرتے ہوئے ان کو اپنے صحیح مقام سے متعارف کرانا ہے، ہم تمام طلباء نے انجمن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے پہلے جو تقریر کی تھی وہ خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر تھی۔ ۱۹۵۸ء سے انجمن کے افتتاحی اجلاس شاندار طریقہ پر منعقد ہونے لگے۔ اس کے لئے ہر سال کسی ماہر اور قابل شخصیت کو بلایا جاتا۔ اب تک اس انجمن سے متعدد مذہبی اور سیاسی مسلم رہنما خطاب کر چکے ہیں افتتاحی اجلاس کے بعد صدر انجمن عالی جناب حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری ناظم دار العلوم لطیفیہ کی صدارت میں ایک **انتخابی اجلاس** منعقد ہوتا جس میں تمام طلباء کو اراکین انجمن دائرۃ المعارف قرار دیا جاتا۔ اور ان اراکین میں سے جنرل سکریٹری، سکریٹری۔ مانیٹر، کیپٹن وغیرہ کا چناؤ ہوتا۔ یہ جلسہ بھی انتہائی دلچسپ ہوتا جس میں روح جمہوریت پوری طرح کار فرما ہوتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ مسلسل آٹھ سال سے بحیثیت جنرل سکریٹری منتخب ہوتا آرہا ہوں۔ آج بھی یہ ذمہ داری میرے ہی سپرد ہے۔

تعلیمی اوقات کے بعد ہماری جسمانی ورزش یعنی گیمس کا انتظام ۱۹۵۹ء میں کیا گیا۔ یہ چیز ہمارے لئے بہت ضروری تھی گیمس ہماری صحت و تندرستی کے لئے بڑی نعمت ثابت ہوئے۔ کیونکہ جسمانی ورزش سے بدن کو طاقت، عقل کو قوت اور دماغ کو تازگی حاصل ہوتی ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے انسان اپنے مقابل پر باآسانی غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ دار العلوم کے روبرو کشادہ میدان میں والی بال۔ بیڈمنٹن۔ ٹنی کائٹ۔ کبڈی وغیرہ کھیلنے کا انتظام ہوا۔ ہم لوگ مذکورہ گیمس میں حصہ لیتے رہے لیکن ان میں میرا پسندیدہ گیم بیڈمنٹن رہا اور ہے، دار العلوم کے سالانہ اسپورٹس میں (Center player) کی حیثیت سے میں ہمیشہ بیڈمنٹن میں کامیاب ہوتا رہا۔ مولوی فاضل کے فراغت کے سال دستار بندی کے اجلاس میں مولانا عبدالوہاب صاحب بخاری پرنسپال نیو کالج مدراس نے میرے درسیات مقالہ نویسی اور پورے دار العلوم میں فرسٹ آنے کے علاوہ مسلسل متعدد گیمس میں انعامات حاصل کرنے پر داد تحسین دیتے ہوئے برملا کہا "بخاری تم نے دین کے ساتھ دنیا بھی جمع کر لی ہے"۔ ھذا من فضل ربی

۱۹۶۰ء کا واقعہ ہے کہ ایکدن حضرت ناظم صاحب قبلہ مدظلہ نے اعلان فرمایا کہ سالانہ امتحان کے لئے سوالات کے پرچے باہر سے آئینگے اور جوابات کی کاپیاں بھی جانچنے کیلئے باہر بھیج دی جائینگی۔ یہ اعلان ایٹم بم سے کچھ کم نہ تھا جسکے دھماکہ سے ہم سب حواس باختہ ہو گئے۔ پریشانی صرف باہر کے حضرات کا جانچ اور سوالات کا اندازہ نہ معلوم ہونے کی وجہ تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ یونیورسٹی کے پرچے ہوں، یا کسی مکتب کے پرچے بنانے والے ہمارے آپ جیسے انسان ہوتے ہیں، لیکن اول الذکر پرچوں پر چونکہ یونیورسٹی کی چھاپ ہوتی ہے اس لئے طبیعتوں پر کچھ خوف طاری رہتا ہے۔ تقریباً اسی قسم کا خوف اسوقت ہمیں بھی لاحق ہو گیا تھا۔ ہماری شروع ہی سے یہ عادت تھی کہ چھپے چھپے

سالانہ امتحان کی تیاریاں کرنے لگتے، اس معاملہ میں بڑی رازداری سے کام لیا جاتا۔ ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی کہ ساتھیوں میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہو۔ یہ اللہ عزوجل کا فضل ہے کہ دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کے بعد ۱۹۵۷ء میں سب سے پہلے اور پہلا انعام ایک کتاب مستطاب "بنام غزوۂ کوکبۂ بدر" عالیجناب اعلیحضرت الحاج مولانا مولوی ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبد القادر قادری سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کے دستِ فیض سے حاصل کیا۔

اسکے بعد سے مسلسل ہر سال میں اور میرے ساتھی امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوتے رہے۔ ہماری محنتیں اور شب بیداریاں رنگ لاتی رہیں اور ہم ہر سال ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے انعامات سے سرفراز ہوتے رہے۔

۱۹۶۱ء سے انشاپردازی پر بھی زور دیا جانے لگا۔ کیونکہ فن تقریر کی طرح فن تحریر بھی علمی قابلیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا ہفتہ میں کسی ایک عنوان پر مضمون لکھنا ضروری قرار دیا گیا۔ اس طرح ہماری تحریری صلاحیتیں ابھرنے لگیں۔

اسی سال دارالعلوم سے سالانہ میگزین **اللطیف** کا اجراء ہوا جس میں طلباء اور اساتذہ کے مضامین اور بزرگانِ مکان کے قابل قدر تبرکات شامل تھے۔ اساتذہ اور طلباء کی یہ پہلی کوشش کامیاب ثابت ہوئی جس سے ہمارے حوصلے اور بلند ہوگئے۔

دارالعلوم نے 5-12-1965 میں میرے مولوی فاضل کے فراغت کے سال اللطیف کا خاص نمبر بڑے اہتمام سے شائع کیا جو زبان، بیان اور معلومات کا شاہکار رہے۔

دارالعلوم کی جانب سے ۱۹۶۲ء میں ایڈیٹوریل بورڈ قائم ہوا۔ جس کا کام ہماری نگارشات کا پوری توجہ سے جائزہ لینا اور اسکے اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے قابل اشاعت مضامین کو اللطیف میں شائع کرانا ہے۔

دارالعلوم میں ایک شعبہ **دارالتصنیف الاشاعت** کے نام سے ۱۹۶۳ء میں قائم کیا گیا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ **حضرات اقطاب ویلور** کی تصانیف ان کے تراجم و شروحات کو منظر عام پر لایا جائے۔ پہلے اس شعبہ سے **"انوار اقطاب ویلور"** اس کے بعد **بیعت غائب وحاضر"۔ "میزان العقائد" "رسائل قربی"** وغیرہ سال بہ سال شائع ہو چکی ہیں۔ اور اس سال **انشاء عقائد ذوقی** بھی منظر عام پر آگئی ہے۔

اسکے ذریعہ ہمیں ہر سال بزرگانِ مکان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے گراں قدر تبرکات سے مستفیض ہونے کا موقع ملنے لگا۔

دارالعلوم کی عمارت کی تشکیل نو کے بعد دار الاخبار قائم ہوگیا تھا لیکن تعلیمی نشأۃ ثانیہ کے بعد از سر نو اسکو ترتیب دیا گیا۔ متعدد جدید طرز کے رسائل و اخبار کا انتظام کیا گیا ہے جس سے ہم مختلف دینی و دنیوی اور سیاسی معلومات سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میرے مولوی عالم سے فراغت کا سال تھا۔ ۱۹۶۴ء میں دوبارہ میں نے دارالعلوم میں مولوی فاضل کے دو سالہ نصاب کی تکمیل کے لئے داخلہ لے لیا۔ اسی سال حضرت ناظم صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی پیہم کوششوں

سے دارالعلوم کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے ہوا۔ افضل العلماء، منشی فاضل کے امتحانات میں شرکت کی اجازت کے ساتھ صوبہ بھر میں پہلی مرتبہ ہمارے دارالعلوم کو ادیب فاضل کے امتحان میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ اس طرح ہمارے دارالعلوم کو جنوب میں ام المدارس کا شرف حاصل ہونے کے ساتھ مدراس یونیورسٹی میں باب اردو کے فاتح ہونے کا شرف حاصل ہوگیا۔ ۱۹۶۵ء میں ہماری پہلی Batch افضل العلماء۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات میں شریک ہوئی جس کا نتیجہ انتہائی شاندار رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال کے نتائج بھی آپ اپنی مثال ہیں۔

دارالعلوم کے سالانہ اختتام کا زمانہ بھی کتنا دلچسپ ہوا کرتا ہے مسلسل محنتوں اور جانفشانیوں کے بعد جیسے ہی سالانہ امتحانات ختم ہوتے گیمس و اسپورٹس کی کارروائی شروع ہو جاتی۔ جس میں کسی کی جیت تو کسی کی ہار ہوتی۔ اس پُرکیف منظر کو دیکھ کر تمام شرکاء اور تماشائیوں میں زندگی کی تازہ لہر دوڑ جاتی۔ مجھے اب تک اس کشتی کا منظر یاد ہے جو آندھرا کے دو بچوں یعنی شیخ مشتاق احمد نیلی اور شیخ محمد حنیف نلوری کے درمیان مسلسل تین روز تک بغیر کسی فیصلہ کے ہوتی رہی جسکو دیکھنے کے لئے حضرت ناظم صاحب قبلہ بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور دلچسپ ایٹم، اسٹاف اور Old Boys کے گیمس کا ہوتا جس کے دیکھنے کے لئے ہم بے تاب رہتے۔ اس کا مشاہدہ کرنے کے لئے عالیجناب حضرت مولانا عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قبلہ قادری زید مجدہٗ، حضرت ناظم صاحب زید کرمہٗ اور کبھی کبھی محترم اعلیحضرت قبلہ مدفیوضہٗ بھی تشریف لے آتے اور بہت ہی لطف اندوز ہوتے۔ ان دنوں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ ایکطرف چہل قدمیاں نظر آتی ہیں تو دوسری طرف دو دو چار چار افراد کی ٹولیاں باہم علمی بحثوں، ظرافت و بذلہ سنجیوں میں مصروف ہوتی ہیں جس سے ناظرین کافی محظوظ ہوتے۔ جلسۂ تقسیم اسناد جیسے جیسے قریب آتا ویسے ہی سرپرستان دارالعلوم اس کو کامیاب بنانے کے لئے شب و روز سرگرم عمل ہو جاتے۔ حضرت ناظم صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی سرپرستی میں ایک دن پیشتر ہی جلسہ گاہ کو رشک دلہن بنا دیا جاتا۔ تاریخ مقررہ پر دوسرے دن صبح ٹھیک دس بجے عزت مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوتا۔

صدر محترم سر پہ عمامہ اور سیاہ مائل بہ سبز عربی قبا زیب تن کئے ہوئے مسندِ صدارت پہ جلوہ افروز ہوتے۔ اس کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع ہو جاتی۔ قرأت و نعت کے بعد خطبۂ صدارت پھر ججوں کی موجودگی میں طلباء کا تقریری مقابلہ شروع ہوتا۔ جس میں ہر ایک انتہائی دلچسپ اور موثر پیرایہ میں اپنے مافی الضمیر ادا کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر معزز علمائے کرام کی تقریریں ہوتیں۔ اعلان نتائج کے بعد صدر محترم اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی اپنے دست فیض اقدس سے شعبۂ حفظ، مولوی عالم اور مولوی فاضل میں فارغ ہونے والے طلباء کو دستارِ فضیلت عطا فرماتے۔

درسیات کے علاوہ تحریری تقریری مقابلوں اور گیمس واسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو گراں قدر انعامات سے ہمت افزائی کی جاتی۔ آخر میں صدرِ محترم کے حکم سے ہمارے ہر دلعزیز مشفق و مہربان ناظم عالیجناب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سیدشاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی بی سرخ یمنی عبا زیب تن کئے ہوئے مدبرانہ انداز میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے اسٹیج پر تشریف لاتے اور اپنی زبان فیض ترجمان سے گہرباری کرتے ہوئے اہل جلسہ کا شکریہ ادا فرماتے، یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ شکریہ کا حق، آپ ہی ادا کرتے ہیں۔ میں کہونگا کہ شکریہ کو آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

سلام اور صدرِ محترم کی دعاؤں پہ جلسہ اختتام پذیر ہوتا۔ اس کے فوراً بعد معزز مہمانوں اور اساتذہ وطلباء کو پرتکلف ضیافت دی جاتی۔ شام میں حضرت ناظم صاحب قبلہ مدفیوضہٗ کی جانب سے شاندار عصرانہ دیا جاتا۔ اس طرح سال بھر کارروائیاں شام ہوتے ہوتے مکمل ہوجاتیں اور دارالعلوم کو پورے دو مہینوں کی چھٹی دے دی جاتی۔

رخصتی کا منظر بھی عجیب ہوا کرتا ہے۔ طلباء کا ایک دوسرے سے گلے ملنا، پُرنم آنکھوں سے اپنی غلطیوں اور لغزشوں کی معافی چاہنا۔ ایک طرف گھروں کو جانے کی خوشیاں، دوسری طرف مادرِ علمی اور ساتھیوں کی جُدائی کا غم، یہ خوشی والم کا عجیب وغریب سنگم صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی دارالعلوم لطیفیہ میں سن چوسٹھ سنہ ۱۹۶۴ء میں مدرسی کے عہدہ پہ میرا تقرر ہوا۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم کے ہنگاموں میں میرے دلچسپ رول ہوا کرتے تھے۔ لیکن آج طلباء کی ہنگامہ خیز، اور پُرمسرت زندگی کو دیکھ کر ماضی کی حسین یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک اہم فتویٰ

از ادارہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جس شخص کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہو وہ عالم نہیں ہو سکتا۔ یونہی اہل سادات کی جسکے پاس مہر نہ ہو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ عالم دین اور خلیفہ ہونے کے لئے اہل سادات کی مہر ہو یا ان کی اجازت ہو کیا زید کا یہ قول صحیح ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ (حضرت) عالمگیر کو رضی اللہ عنہ کہنا کفر ہے اور جو کہے وہ کافر ہے۔

(۳) حضرت منصور رضی اللہ عنہ کو پھانسی کا فتوےٰ دینے والے حضرات اور عالمگیر سب کے سب قابل گردن زدنی تھے اور سب جہنمی ہیں اور جہنم میں جائینگے اور جو عالمگیر کو جنتی کہے وہ توبہ کرے۔

(۴) زید یہ بھی کہتا ہے کہ عالمگیر عالم دین نہ تھا وہ ایک دنیوی حاکم و حکمران تھا اس کو عالم دین کہنا جائز نہیں۔

(۵) حضرت عالمگیر کو جہنمی کہنے پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ قرآن میں ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۵ یعنی قتل مومن عمداً (قصداً) کفر ہے اور جو شخص مومن کا قتل کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔

اور عالمگیر نے اپنے بھائی کو قصداً قتل کیا۔ اس لئے وہ کافر ہے اور جہنمی ہے اور اپنے باپ کو بھی قید کیا اور ان پہ ظلم کیا اس لئے وہ ظالم اور جابر بھی ہے۔ کیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں، اگر نہیں تو زید کے اس قول کا جو اس نے قرآن سے پیش کیا ہے کیا جواب ہے بینوا و توجروا۔

السائل
محمد عمران قادری رضوی مصطفوی

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

حامداً و مصلیاً و مسلماً در صورت مسئولہ دین میں بڑے بڑے اہل علم و فضل گذرے ہیں۔ بے شمار علماء بھی ہوئے ہیں۔ کیا سب کے پاس اہل سادات ہی کی مہر سند و اجازت تھی۔ حالانکہ دنیائے اسلام نے انہیں پیشوا اور مقتدا مانا ہے۔ زید کے قول کے مطابق تو ان کو عالم کہنا ہی صحیح نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ وہ دینی پیشوا ہوں۔ علم کے لئے صالح لیاقت و اہلیت کی ضرورت ہے علوم شرعیہ میں اچھی بصیرت جسے حاصل ہو وہ عالم ہے خواہ کسی کا سرٹیفکیٹ

تصدیق اور مہر نہ ہو۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل علم سادات کی اجازت و خلافت مزید برکت و سعادت کا باعث ہو سکتی ہے۔

(۲) جو شخص بلا وجہ شرعی کسی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔ زید پر یہ لازم ہے کہ اپنے قول سے توبہ کرے۔

(۳) حضرت منصور رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے والے اس زمانہ کے جلیل القدر علماء و فضلاء تھے اور تعجب نہیں کہ انہیں علماء نے فتاوی عالمگیر جیسی مایۂ ناز کتاب کی ترتیب تدوین کی ہو۔ ایسے مایۂ صد افتخار علماء و فضلاء کو جہنمی کہنا کس قدر خباثت اور بد باطنی کی دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا حکم ظاہر ہے۔ ایک شخص زبان سے کلمۂ کفریہ کہتا ہے اسے کافر کہا جائے گا۔ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ نے زبان سے انا الحق کہا تھا جو کلمۂ کفریہ ہے۔ لہٰذا علمائے شرع کے لئے لازم تھا کہ وہ کفر کا فتویٰ دیں۔ اگر ایسا نہ کرتے تو سب علماء مجرم ہوتے۔ چونکہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ اسلام تھا اس لئے اس پر یہ لازم تھا کہ وہ شرعی حکم کو نافذ کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ مجرم ہوتا۔ زید کی عجیب الٹی عقل ہے کہ جو چیز بادشاہ کے لئے قابل مدح و ستائش ہے اسی کو وہ قابل گردن زدنی قرار دے رہا ہے۔ زید کو چاہیئے کہ اپنی تمام ضلالت آمیز باتوں سے توبہ کرے۔ کسی مسلمان کے لئے قطع و یقین کے ساتھ جنتی ہونے کا حکم لگانا تو صحیح نہیں ہے لیکن جب کوئی شخص مسلمان ہو، ساری زندگی مسلمانوں جیسے عمل کئے۔ خلاف اسلام عقیدہ یا قول و عمل کا ارتکاب نہیں کیا تو اس کے جنتی ہونے کی امید کی جا سکتی ہے کہ یہ سب باتیں جنتی ہونے کی علامت ہیں۔ کیونکہ بلا وجہ کسی سے بدظنی اور بدگمانی رکھنا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے یا ایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم۔ لہٰذا اگر عالمگیر یا علمائے دین یا بزرگان اسلام کو لوگ جنتی سمجھتے ہیں تو غلط نہیں ہے بلکہ اس کے برخلاف سمجھنا خطا کاری اور کجروی ہے۔ اسے چاہیئے کہ اپنی غلطی سے توبہ کرے۔

(۴) اگر عالم دین ہونے میں اور حکمراں ہونے میں تناقض کی نسبت ہوتی تو تسلیم کر لیا جاتا کہ چونکہ وہ حکمراں تھا اس لئے عالم دین نہ تھا۔ اسی طرح کوئی عالم دین ہوگا تو وہ حکمراں نہ ہوگا کیونکہ تناقض میں ایک قضیہ کا صدق سے دوسرے کا کذب ضروری ہے حالانکہ دنیا میں بہت سے لوگ عالم دین بھی تھے اور حکمراں بھی مثلاً خلفائے راشدین اور اس کے بعد خلفائے بنوامیہ و رعباسیہ میں بہت سے سلاطین ایسے گذرے ہیں، اس طرح عالمگیر بھی حکمراں ہوا اور عالم دین بھی تو اس میں کیا قباحت ہے بلکہ درحقیقت وہ عالم دین تھا۔ ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ صاحب نور الانوار اور صاحب تفسیر کشاف ان کے اساتذہ میں گذرے ہیں۔ فتاوائے عالمگیری کی ترتیب و تدوین میں عالمگیر بھی اس کے مسائل پہ نظر ثانی کر کے اطمینان حاصل کرتے تھے تو کیا اتنی بڑی کتاب کی اصلاح و ترتیب کا کام کوئی جاہل کرے گا۔ نہ معلوم زید کو عالمگیر سے کیوں عداوت ہوگئی ہے اور علمائے اسلام پہ لعن طعن کر کے اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے۔

(۵) زید کو تاریخ کے صحیح حالات سے واقفیت نہیں۔ شاہجہاں کی علالت کے زمانہ میں، خود اس کے چہیتے بیٹے دارا شکوہ نے اپنے باپ کو شاہی محل میں نظر بند کر دیا تھا کسی کو ملاقات وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ دارا شکوہ نے حکومت و اقتدار پر قبضہ

کرنے کے لئے ایک بڑی فوج آگرہ سے کچھ فاصلہ پہ مقرر کر دی تھی کہ جب اس کے دوسرے بھائی دارالحکومت آئیں تو اسے قتل کر دے، خصوصاً اورنگ زیب کے خلاف اس کا جذبہ بالکل معاندانہ تھا۔ اب خود سوچئے کہ جارح اور حملہ آور کون ہے اور دفاع و تحفظ کے لئے تلوار کون اٹھا رہا ہے۔ پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جو اپنے تحفظ و دفاع کے لئے تلوار اٹھائے وہی ظالم و جابر کہا جائے۔ عالمگیر کو اس جنگ میں فتح ہوئی۔ لیکن ابھی وہ اطمینان کا سانس بھی نہ لے سکا تھا کہ اس کا دوسرا بھائی شاہ شجاع نے بنگال سے اس پہ فوج کشی کی متعدد بار اس نے عالمگیر سے جنگ کی اور ہر مرتبہ ناکام رہا۔ آخر کار وہ بے سروسامانی کی حالت میں فرار ہو گیا اور پھر کوئی پتہ نہ چلا۔ تیسرا بھائی مراد بخش تو شروع میں اس نے عالمگیر کے ساتھ موافقت کی لیکن بعد میں اسکی روش میں بھی تبدیلی آگئی تھی، بغاوت و خروج کے آثار ظاہر ہو رہے تھے عالمگیر نے حکمت عملی سے اسے بھی قابو میں کر لیا۔ اگر اسی بغاوت کے الزام میں وہ قتل کر دیا جاتا تو اورنگ زیب مورد الزام نہ ہوتا کیونکہ بغاوت و خروج کی سزا ہی قتل ہے مشکوٰۃ کتاب الامارت میں ہے من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم ویفرق جماعتکم فاقتلوہ" یعنی جو شخص تمہارے پاس ایسی حالت میں آئے کہ تم ایک شخص کی اطاعت پہ متفق ہو اور وہ چاہتا ہے کہ تمہاری لاٹھی توڑ دے اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو"۔ لیکن عالمگیر نے اس کو قتل نہ کیا بلکہ قید کر دیا۔ پھر ان دونوں کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ دارا شکوہ کے خیالات و نظریات کافرانہ تھے۔ وید کی تعلیمات سے وہ زیادہ متاثر تھا۔ اس کو آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ ہندوانہ تصوف ہی کو وہ صحیح اور اصلی تصوف کہتا تھا۔

علمائے اسلام نے اس کے اسی ملحدانہ خیالات کی وجہ سے اس کی تکفیر کی تھی اور وہ قتل کیا گیا۔ کیونکہ ارتداد کی سزا اسلام میں قتل ہے۔

دوسرا بھائی مراد کا واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دور حکومت میں ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا تھا۔ مقتول کے ورثاء نے مراد پہ قصاص کا مطالبہ کیا۔ اورنگ زیب نے مقدمہ قاضی عدالت کو پیش کر دیا کہ معاملہ کی تحقیق کر کے صحیح فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ عدالت کے فیصلہ ہونے کے بعد عالمگیر نے قصاص کا حکم دیا۔ یہ زید کی عجیب بیداری ہے کہ شرعی حکم جاری کرنے پہ عالمگیر کو ظالم و جابر کافر کہہ رہا ہے۔ سچ ہے کہ جب خدا دین لیتا ہے تو عقل بھی سلب کر لیتا ہے۔

زید نے جو آیت ومن یقتل مومنا متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیھا استدلال میں پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مومن کو قصداً صرف اس وجہ سے قتل کرے کہ وہ مومن ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا جرم اس کا نہ ہو تو وہ شخص یعنی قاتل دائمی جہنمی ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ مومن کے قتل کو جائز اور حلال سمجھ کر قتل کرے تو ایسا شخص دائمی جہنمی ہے۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں قاتل کافر ہے۔ لہٰذا سزا دائمی جہنمی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے نہ اس نے قتل مومن کو حلال سمجھا نہ مومن ہونے کی وجہ سے قتل کیا بلکہ بلا وجہ کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اسکی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے بلکہ ایک طویل مدت تک اس کے لئے جہنم ہے یعنی خلود سے مراد طویل قیام ہے (کتب تفاسیر) اس آیت کا یہ مطلب ضروری ہے، کیونکہ کافر ہی کی سزا دائمی جہنم ہے مسلمان خواہ کتنا ہی بڑا مجرم ہو اسکی سزا دائمی جہنمی نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ شاہد ہے ان اللہ لا یغفر

بقیہ برصفحہ ۴۲

شیخ ابنِ عربی کا اجمالی تذکرہ

از جناب
مولوی سید محمد انوار اللہ صاحب
لطیفی (تورگی)
مدرس دار العلوم لطیفیہ حضرت
مکان ویلور

اس عالم کی سب سے عظیم الشان متاع خود ذاتِ انسان ہے۔ لیکن ہر زمانے میں انسان کی حقیقت دریافت و معرفت ہی بنی آدم کے لئے مشکل ترین مسئلہ بنی رہی۔ یہ نادر مخلوق جو انسان کے نام سے موسوم ہے درحقیقت انسانیت کے خصائص و لوازم سے محروم ہے۔ انسان جو خلیفۂ الٰہی اور نائبِ حق کے عہدہ سے سرفراز کیا گیا ہے وہ ہے جو صفاتِ الٰہی کا مظہر اور تخلقوا باخلاق اللہ کا پرتو ہو، وہ اپنی صفات و اعمال کے لحاظ سے عالم کے لئے سراپا رحمت و ہدایت ہو جس کی زندگی عالم کی حیات اور جس کی موت عالم کی موت ہو۔ یوں تو موت سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ دنیا سے گذرنا سب ہی کو ہے، یہ دنیا کا دستور رہا ہے کہ آج کسی نے موت کا جام پیا تو کل کسی کی باری ہے۔ غرض جو بھی آیا ہے اسے ایک مقررہ مدت کے بعد جانا ہے۔

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (قرآن حکیم) لیکن خوش نصیب و مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی چند روزہ زندگی میں کچھ ایسے زندۂ جاوید کارنامے چھوڑ کر جائیں جو رہتی دنیا تک بطور یادگار باقی رہیں۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ ان ہی مبارک ہستیوں میں سے ایک برگزیدہ شخصیت ہیں جنکے بیش بہا علمی و دینی کارنامے تا قیامِ قیامت اہلِ عالم کو مستفیض و مستنیر کرتے رہیں گے۔ (سید انوار)

معدن الحقائق عارفِ کامل شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رض کا نام محمد ابن علی ابن محمد ابن احمد الحاتمی ہے۔ کنیت ابو عبداللہ اور لقب محی الدین ہے، اور ابن عربی کے نام سے اہلِ شرق و غرب میں مشہور ہیں۔ یہ عدی ابن حاتم کے بھائی عبداللہ ابن حاتم کی اولاد سے ہیں۔

ان کی ولادت باسعادت مشہور روایت کے مطابق پیر کے دن ۱۷ سترہ رمضان المبارک سنہ ۵۶۰ھ مطابق ۲۸ جولائی سنہ ۱۱۶۵ء کو مرسیہ (اندلس کا ایک شہر) میں ہوئی۔

زندگی گفت کہ درخواب تپیدم ہمہ عمر
تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

مصنف مناقب غوثیہ آپکی ولادت باسعادت کے متعلق مطرز رقم طراز ہیں کہ آپکے والد بزرگوار علی ابن محمد کی عمر شریف پچاس سال کی ہو چکی تھی مگر ہنوز آپ اولاد سے محروم تھے۔ چنانچہ آپ نے شیخ المشائخ سلطان الاولیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ

علیہ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوکر فرزند ارجمند کے لئے بارگاہِ ربّ العزۃ
میں دعا کرنے کی درخواست کی۔ جب آپ بارگاہِ ایزدی میں دست
بدعا ہوئے تو الہام ہوا کہ ان کو اولاد نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی دوسرا
شخص اپنی اولاد کو ہبہ کردے تو ممکن ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ
حضرت علی ابن محمد سے فرمایا کہ میرے صلب میں ایک لڑکا ہے، جو
میں نے تم کو دے دیا انشاء اللہ وہ امتِ محمدیہ کا جلیل القدر ولی
ہوگا اور تم اس کا نام محمدؐ رکھنا۔ اسی شب آپ کی زوجۂ طیبہ و
طاہرہ حاملہ ہوئیں اور سابق بشارت کے مطابق حضرت محی الدین
ابن عربی پیدا ہوئے۔ اور دنیا پہ آشکارہ ہوگیا کہ آپ کیسے
جلیل القدر ولی ہوئے۔ ۵۶۰ھ م ۱۱۶۵ء میں ان کے والد
مرسیہ اشبیلیہ منتقل ہوگئے۔ جو اس زمانے میں اندلس میں اسلامی
علوم و فنون کا بہت بڑا مرکز و مخزن تھا۔ یہیں ان کی نشو و نما
تربیت و پرورش ہوئی۔ جیسے ہی ہوش سنبھالا والد محترم نے
انہیں ابوبکر بن خلف (جو اس زمانے کے بڑے فقیہہ تھے) کی خدمت
اقدس میں بھیجا جہاں انہوں نے قرآن کریم با قرأت سبعہ پڑھا جب
ان کی عمر دس سال کی ہوئی تو ان کے والد نے انہیں محدثین
و فقہا کے سپرد کردیا۔

ان کے ابتدائی اساتذہ میں ابن زرقون الحافظ ابن الجد
ابو الولید الحضرمی الشیخ ابو الحسن ابن نصر خصوصیت کے ساتھ قابل
ذکر ہیں۔ تکمیل علوم و فنون کے بعد قدرت نے آپ کو اس قدر
فضائل و کمالات سے نوازا کہ دنیائے علم و فضل میں یکتائے روزگار
سمجھے جانے لگے۔ آپ کو علمِ حدیث و تفسیر میں بڑا درک حاصل تھا۔
ایک بڑی ضخیم تفسیر آپ نے لکھی ہے جس کی ۹۵ جلدیں ہیں اور
صرف سولہ جز کی آیت وعلمناہ من لدنا علما کی تفسیر
تک یہ جلدیں پوری ہوجاتی ہیں۔ شاید حضرت شیخؒ کو
بقیہ پاروں کی تفسیر لکھنے کا موقع نہ مل سکا ورنہ اور اسی طرح
۹۵ جلدیں تیار ہوجاتیں۔ علاوہ ازیں فن حدیث و تصوف و دیگر مختلف
فنون میں آپ کی تصانیف بکثرت ہیں۔ آپ کی نادر و نایاب کتابوں
میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کو آپ کا علمی شاہکار کہا جاسکتا
ہے، ان میں فلسفہ کی گہرائی، شعریت اعلیٰ، تخئیل بلند فکر ندرت و
اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی شیرینی سبھی کچھ موجود ہے۔

شیخ ابن عربیؒ نے وحدت الوجود سے صوفی تحریک کو آشنا
کرکے ایک حیرت انگیز تاریخی انقلاب پیدا کیا بعد ازاں وحدت الوجود
کا نظریہ ہر زمانہ میں صوفی تحریک کی نظریاتی بنیاد اور اس کے
عقیدے کا جزو لازم بنا رہا۔

شیخ اکبرؒ کے فلسفے کا مرکزی نکتہ وحدت الوجود ہے۔
مختصراً اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کائنات میں کوئی چیز موجود
نہیں یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے خدا ہی ہے۔ وحدت الوجود کی اس
تفسیر سے بعض لوگ خالق و مخلوق میں اتحاد و عینیت یا حلول کے
قائل ہوگئے۔ حالانکہ اتحاد یا حلول کے لئے دو وجود کا ہونا ضروری
ہے تاکہ ایک حال ہو دوسرا محل۔ اسی طرح اتحاد کے لئے بھی دو
چیزوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہوسکے۔
حالانکہ اولیائے عارفین کے نزدیک وجود واحد ہے اس میں بالکل
تعدد نہیں تو پھر حلول یا اتحاد کی صورت کیا ہوسکتی ہے۔ عارفین کے
نزدیک جملہ کائنات کے وجود کی حیثیت وہی ہے جو عرض کی
حیثیت جوہر کے مقابلہ میں ہے جس طرح عرض مثلاً رنگ اور
خوشبو وغیرہ اپنے وجود و بقا میں جوہر کا محتاج ہے کہ جوہر کے بغیر
ان اعراض کا الگ مستقل وجود نہیں، اسی طرح تمام عالم کا وجود
وجودِ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں بے حقیقت اور لاشئے کے درجہ
میں ہے۔ اس بیان سے قائلین وحدت الوجود کے نظریہ کی

وضاحت ہوگئی کہ اگرچہ بادی النظر میں وجود میں تعدد و تکثر ہے لیکن حقیقت شناس نظروں میں اصل وجود ایک ہی ہے، باقی سب اس کے مظاہر عکس و پرتو ہیں ؎

با وحدتِ حق ز کثرتِ خلق چہ باک
صد جائے گر گرہ زنی رشتہ یکیست

شیخ ابن عربیؒ کے کلام میں ابہام و تعقید زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام سمجھنے میں لوگوں نے غلطیاں کی ہیں، اور شیخ کو ہدف ملامت بنایا ہے۔ مثال کے طور پر چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎ یا من یرانی ولا اراہ
کم ذا اراہ ولا یرانی

اے وہ جو مجھکو دیکھتا ہے اور میں تجھکو نہیں دیکھتا کتنی مرتبہ میں اس کو دیکھتا ہوں وہ مجھکو نہیں دیکھتا۔ اس شعر کے ثانی مصرعہ پر جب علماء نے یہ گرفت کیا تو شیخ نے خود اپنے کلام سے اس کی وضاحت یوں فرمایا ؎

یا من یرانی مجرما ولا اراہ اخذا
کم ذا اراہ منعما ولا یرانی لائذا

اے وہ مجھے جو گنہگار دیکھتا ہے اور میں اسے مؤاخذہ کرنے والا نہیں دیکھتا کتنی مرتبہ میں اس کو احسان کرنے والا دیکھتا ہوں اور وہ مجھ کو اپنی طرف پناہ لینے والا نہیں دیکھتا ایک جگہ آپ فرماتے ہیں۔

الرب حق والعبد حق ؎ یالیت شعری من المکلف
ان قلت عبد فذاک رب ؎ او قلت رب انی یکلف

رب بھی حق ہے اور بندہ بھی حق ہے، کاش میں جانتا کہ ان میں سے مکلف کون ہے، اگر تم کہو کہ وہ بندہ ہے تو وہ رب بھی ہے اور اگر کہو کہ وہ رب ہے تو مکلف کیونکر ہوا۔ اس کلام سے عینیت اور اتحاد کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن یہ ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ وجود کے دو درجے ہیں۔ ایک مرتبہ ہے اطلاق کا اور دوسرا مرتبہ ہے تقیید کا۔ یعنی وہ وجود جو تشخصات و تعینات کی طرف منسوب ہے، تو جو وجود مقید ہے وہی مکلف ہے اور جو مطلق ہے وہ منزہ عن التکلیف ہے۔ لہٰذا عبد اور رب میں فرق و امتیاز واضح ہوگیا۔ چنانچہ خود شیخ اسی فرق کی طرف اپنے کلام سے اشارہ کرتے ہیں۔

؎ والعبد عبد وان ترقی
الرب رب وان تنزل

بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ وہ ترقی کرکے مرتبۂ علیا پر پہنچ جائے اور رب رب ہی ہے اگرچہ وہ تنزل کرکے مخلوقات میں ظہور فرمائے۔ اس ضمن میں چند اور اشعار ملاحظہ کیجئے۔

فلولاہ لما کنا ۔ ولولا نحن ما کان
فان قلنا بانا ھو ۔ یکون الحق ایانا
فابدانا واخفاہ ۔ وابداہ واخفانا
فکان الحق اکوانا ۔ وکن نحن اعیانا
فیظھرنا لنظھرہ ۔ سرارا ثم اعلانا

پس اگر وہ نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے اور اگر ہم نہ ہوتے وہ نہ ہوتا اگر ہم کہیں کہ ہم وہ ہیں حق بعینہ ہم ہونگے۔ پس اس نے ہم کو ظاہر کیا اور اپنے آپ کو چھپا لیا۔ اور اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ اور ہمیں چھپا لیا پس حق اکوان ہوگیا اور ہم عیاں ہوگئے۔ پس وہ ہم کو ظاہر کرتا ہے تاکہ ہم اس کو ظاہر کریں۔ پہلے سرًّا بعد میں برملا۔ ایک ہے ذاتِ مطلق، دوسری شئی ہے اس کا ظہور۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ حقتعالیٰ ذات مطلق ہے اور اشیاء اور کائنات اس کے مظاہر ہیں۔ لہٰذا دونوں پر اتحاد و عینیت کا حکم لگانا غلط ہے۔ اس مختصر تشریح سے شیخ کے کلام کا مطلب سمجھا جا سکتا ہے۔

حضرت ابن عربی کو اپنے کلام کے ابہام و مرمزیت کا خود

احساس تھا چنانچہ اس کا اظہار خود شیخ نے اس طرح کیا ہے ؎

یارب جوھر علم لو ابوح بہ
لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا
ولا ستحل رجال مسلمون دمی
یروف اقبح ما یاتونہ حسنا

علم کے بہت سے جواہر پارے ایسے ہیں جن کو اگر صاف ظاہر کروں تو لوگ کہیں گے کو تم بت پرست ہو اور وہ مسلمان لوگ جو اپنے قبیح افعال کو بھی اچھا سمجھتے ہیں میرا خون حلال سمجھیں گے۔

شیخ ابن عربیؒ کے بارے میں علماء کے تین گروہ ہیں :۔

ایک گروہ آپ کو امام اولیاء اور قطب وقت مانتا ہے۔ آپ کے تمام علوم کو صحیح اور آپ کو حق پہ سمجھتا ہے۔

دوسرا گروہ وہ جنھوں نے ابن عربیؒ کی تکفیر کی ہے اور اہل ھویٰ و بدعت میں شمار کیا ہے اُن میں رضی الدین ابن الخیاطی، امام ابن تیمیہ، ابن ایاس التفتازانی، ملا علی قاری، جمال الدین، محمد بن نور الدین وغیرہم شامل ہیں۔ ان سب میں ابن تیمیہ اور رضی الدین ابن الخیاطی پیش پیش ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے ابن عربیؒ کی کتاب فصوص الحکم پہ رد بھی لکھا ہے۔ امام ابن تیمیہ عقلاً و نقلاً ہر دو لحاظ سے ابن عربیؒ اور ان کے ہمخیال صوفیاء کی تردید کی ہے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ ان کی ولایت کا اعتقاد رکھنا چاہئے لیکن ان کی کتابیں دیکھنا حرام ہے۔ ان میں جلال الدین سیوطی اور الحصکفی شامل ہیں۔

سیوطی نے اپنی کتاب (تنبیہ الغبی تبرئۃ ابن عربی) میں اسکی تصریح کی ہے۔

محمد ابن عربی کے علم و فضل اور ان کی ولایت و معرفت پر بڑے بڑے علماء کے اقوال موجود ہیں۔

طاش کبریٰ زادہ مفتاح السعادت میں لکھتے ہیں کہ وہ عالم ربانی اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ شہاب الدین السہروردی سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ بحر حقائق ہیں۔

شیخ احمد المقری۔ زہر الریاض فی اخبار ایاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن حجر اور ابو الحیان نے جو شیخ ابن عربیؒ پر زبان درازی کی ہے وہ شیطان کا فریب ہے۔ ان لوگوں نے حضرت شیخ کو غلط سمجھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عربی بلاشبہ ایک صالح ولی اور ناصح عالم تھے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خواجہ برہان الدین ابو النصر پارسا کا قول ہے کہ والد جامی می فرمود کہ فصوص جان است و فتوحات دل۔ میرے والد فرماتے تھے کہ فصوص بمنزل جان کے ہے اور فتوحات بمنزل دل ہے۔ فصوص الحکم کی مقبولیت کا اندازہ مظہر کے اُن اشعار سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اُس نے عہد فیروز شاہی میں لکھے تھے ؎

کتاب زہر فن بہ نزدیک من
نہادہ چوں گنجینۂ گوہرے
زعرفاں عوارف، وجداں فصوص
زوعظ و نصائح کتاب سری

حضرت شیخ محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ "وے از مستانہ بادۂ وحدت و خم شکنان خمخانۂ حقیقت است سخن حقیقت فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کرد بگویند اشک او بحدے گرم بود کہ اگر بر دست یکے می افتاد سوخت"

وہ شراب خانۂ وحدت و خمخانۂ حقیقت کے مست و سرشار تھے سلسلۂ چشتیہ میں کسی نے اس طرح اسرار حقیقت بیان نہیں کیا۔ ان کی طرح جذب و مستی کا اظہار کیا۔ کہتے ہیں

کہ ان کے آنسو (ابن عربیؒ) اتنے گرم تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر پڑتے تو اس کا ہاتھ جل جاتا تھا۔

فتوحات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مکان مغرب میں تھا اور نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ قرطبہ میں تھا کیونکہ آپ کا زیادہ قیام قرطبہ میں رہا۔

انبیاء علیہم السلام سے آپ کی وہیں ملاقات ہوتی رہی اور حضرت صالح علیہ السلام سے مستفیض ہوتے رہے۔ ان کے دقائق وغوامض کلام کو لوگ نہیں سمجھتے تو اس کی رفعت شان اور علو مکان کے سبب سے ہے شخص ان کے برابر کہاں ہو سکتا ہے۔

شیخ موئد الدین خجزی کہتے ہیں ما سمعنا با حد من اھل الطریق اطلع علی ما اطلع علیہ الشیخ محی الدین ابن عربی شیخ موئد الدین خجزیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل طریق میں کسی کو نہیں سنا کہ وہ ان علوم پر مطلع ہوا ہو جن پر شیخ محی الدین ؒ مطلع ہوئے۔ کمال الدین کاشانی فرماتے ہیں کہ وہ ایک کامل محقق و صاحب کرامات وکمالات تھے۔

فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ محی الدین ابن عربی بہت بڑے جلیل القدر ولی تھے اور سراج الدین مخزومیؒ تاثیر اکثر کہا کرتے تھے کہ دیکھو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے کلام کا انکار نہ کرو۔ کیونکہ اولیاء اللہ کا کلام الہامی ہوا کرتا ہے اور اُن سے بغض رکھنے والے اکثر نصرانی ہو کر مرے ہیں اور جو کوئی ان کی شان اقدس میں زبان درازی کرے گا تو وہ دل کی موت میں مبتلا ہوگا۔ (العیاذ باللہ)

شیخ عزیز الدین عبد السلام فرماتے ہیں کہ بعض بیچارے کم فہم ملاؤں نے شیخ اکبر کا انکار کیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ان ملاؤں کو فن تصوف کے مصطلحات کی خبر نہیں ہے۔ پھر ان ملاؤں کو توفیق نہیں ہوئی کہ محی الدین ابن عربیؒ کے کتابوں کا بغور مطالعہ کرتے ورنہ وہ سمجھتے کہ شیخ عربیؒ کا کوئی خلاف شرع کلام نہیں ہے۔

فی الفتوحات کل حقیقۃ علی خلاف شریعۃ زندقۃ باطلۃ فتوحات میں شیخ ابن عربی کا قول ہے کہ جو حقیقت خلاف شریعت ہو زندقہ باطلہ ہے۔

قال ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کل من رمی میزان الشریعۃ من یدہٖ لحظۃ ھلک شیخ ابن عربی کا ارشاد ہے کہ جو میزان شریعت کو ایک لحظہ کے لئے بھی اپنے ہاتھ سے پھینک دیگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

قال علیک بعلم الشریعۃ فان الشریعۃ ھی سفینتک التی اذا انخرقت ھلکت وھلک جمیع من فیھا وانت مسئول ان اقامۃ حدود اللہ فی رعیتک النار جستہ عنک والداخلۃ فیک ولا تقف اقامۃ الحدود علیھا الا بمعرفۃ شرعی بلک۔ شیخ نے فرمایا علم شریعت کو لازم پکڑو کیونکہ شریعت ہی (فتوحات مکیہ جلد دوم صفحہ ۱۷۶) تمہاری وہ کشتی ہے کہ جب اس میں رخنہ پڑ جائے تو تم بھی ہلاک ہو گے اور جتنے لوگ اس میں سوار ہیں وہ سب ہلاک ہوں گے اور تم میں سے اپنی رعیت میں حدود الٰہیہ کے قائم کرنے کے متعلق باز پرس ہوگی خواہ وہ رعیت تمہاری خواص و متعلقین کی ہو یا غیر متعلقین سے ہو، اس رعیت پر حدود کے قائم کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہو سکتا جب تک شرع کی معرفت حاصل نہ ہو۔

حضرت عماد الدین کثیرؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ محی الدین ابن عربیؒ کی غلطی پکڑنے والوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا میرا خیال ہے کہ ان کی غلطی پکڑنے والے خود غلطی پر ہیں اور جن لوگوں نے ان کا انکار کیا ہے معصیت

میں پڑ گئے ہیں۔ شیخ صلاح الدین صفدی نے اپنی کتاب تاریخ علمائے مصر میں ان کی ثنا کی ہے اور کہا ہے کہ جو شخص علوم دینیہ کا مطالعہ کرنا چاہے وہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کو دیکھا کرے۔

قطب الدین شیرازی کہا کرتے تھے کہ شیخ محی الدین علوم شریعت و حقیقت میں کامل تھے۔ ان کی شان میں وہی شخص جرح قدح کر سکتا ہے جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا۔ آپ کی رفعت شان کا اندازہ عبارت ذیل سے ہوتا ہے۔ فتوحات کے تہتر ویں باب میں فرماتے ہیں، کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ ملاقی ہوا اور جب ان سے شرف لقا حاصل ہوتا تو آپ ہمیشہ میرے لئے دعا کرتے کہ باری تعالیٰ اس کو موت اور حیات دونوں میں ثبات فی الدین عطا فرمادے اور جب تک میرے لئے دعا نہیں کرتے تھے مجھ سے جدا نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ کا مذہب مالکی تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خضرؑ سے ملا۔ میں نے ان سے حضرت شافعی کا حال پوچھا، فرمائے کہ چار اوتاد میں سے یہ بھی ایک اوتاد تھے۔ پھر میں نے کہا کہ امام احمد کیسے تھے فرمایا کہ وہ صدیق تھے، پھر فرمایا کہ اس آیت یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں اولی الامر سے علمائے حق خلفاء اور اولیاء اللہ مراد ہیں اور ان کی اطاعت اس وقت تک واجب ہے جبتک کہ خلاف شرع حکم نہ فرمائیں۔

ان تمام اقتباسات و نیز ابن عربی کے اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شریعت محمدیہ کے سخت پابند تھے۔ آپ پر جو طعن و تشنیع کی گئی وہ درحقیقت از راہ تعصب یا بیخبری ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی کی تاثیر قلب اور فیض صحبت سے بے شمار افراد نے ہدایت و عرفان کی دولت حاصل کی اور آپ کے ارشاد و ابلاغ کی برکت سے ہزاروں گم کردہ راہ منزل مقصود سے ہمکنار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو ذات ستودہ صفات فضائل و کمالات کی جامع ہو، اسکے فضل و کمال کا انکار، شپرہ چشمی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ خدا کا فضل و انعام ہے جس کے لئے وہ خود اپنے مخصوص بندوں کو منتخب کرتا ہے۔ ؎

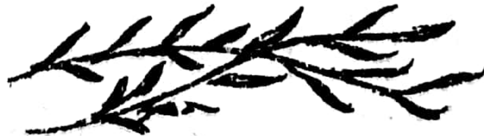
ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

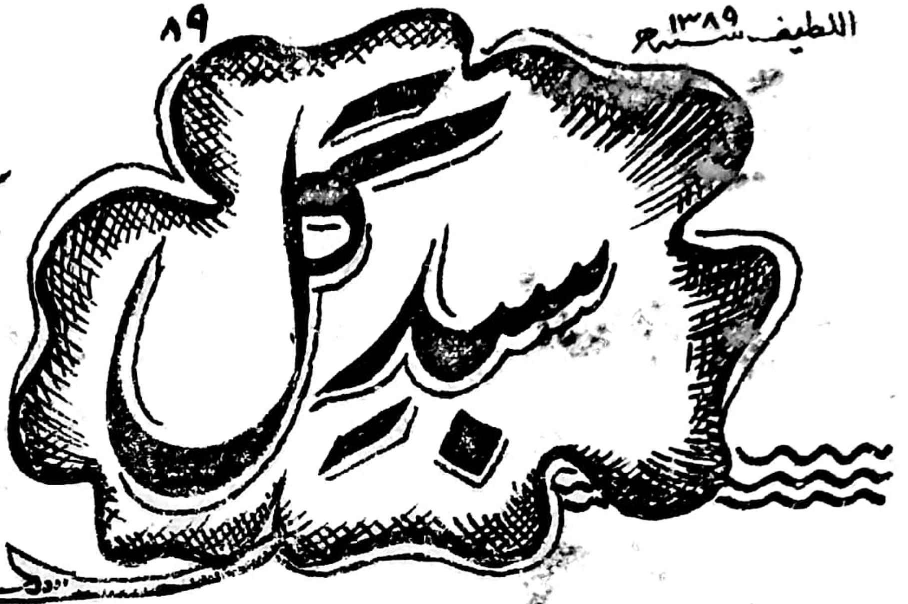
آپکی عمر کا بیشتر حصہ حالت مسافرت و خدمت خلق میں گذرا یہاں تک کہ ماہ ربیع الثانی ۶۳۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۲۴۰ء بمقام دمشق اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کردی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ پروردگار عالم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل میں ہر مومن کو راہ حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور انبیاء و اولیاء سے سچی عقیدت و محبت اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین







۱۔ ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی ناپسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں
غالب

۲۔ حفاظت جس سفینہ کی انہیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک اسے خود لا کے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں
مخمور دہلوی

۳۔ الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامنگیر ہوتی ہے خدا ہوتے
میر

۴۔ سورج نہ بن سکو تو چراغ گذر سہی
جینے کا اس جہاں میں کوئی مدعا تو ہو
مسعودہ حیات

۵۔ نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
اقبال

۶۔ یہ الزام کیوں کر گوارا کروں
مجھے شیخ نے پارسا کہہ دیا
جوش ملیح آبادی

۱۴۔ غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک
غالب

۷۔ آغوش میں ساحل کے کیا لطف و سکوں اسکو
یہ جان ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے
اصغر

۸۔ بھر ہی رہے تھے زخم تمنا ابھی مگر
آکر کسی کی یاد نے خنجر چبھو دئے
گمنام

۹۔ ہم بھی ضرور کعبہ کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بتکدے ہی میں دیدار ہو گئی
ماھسم

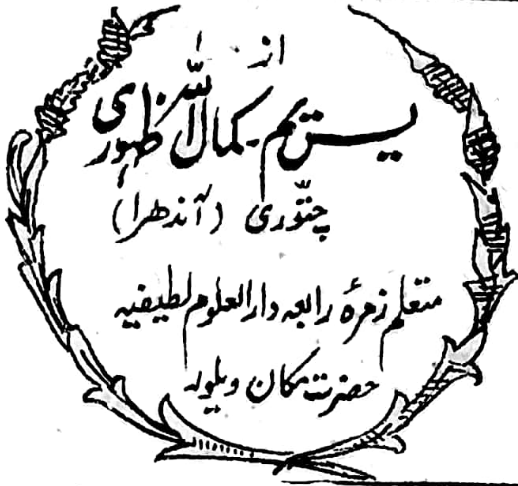
۱۰۔ چمن میں ہر صبح کو گرتی ہے اس لئے شبنم
کہ پتہ پتہ کرے یاد با وضو تیری
عثمان حیدرآبادی

۱۱۔ کمال قرب بھی شاید ہے عین بعد جگر
جہاں جہاں وہ ملے ہیں وہاں وہاں نہ رہا
جگر

۱۲۔ شاخ گل سے تجھے الفت سہی لیکن بلبل
ہوتے ہوتے یہی تلوار بھی ہو سکتی ہے
عسلامہ گنبد

۱۳۔ جو بے وفائی کا الزام دے رہے ہیں تجھے
وہ دیکھتے تیری مجبوریاں تو رو دیتے
گمنام





معاشرت مل جل کر زندگی بسر کرنے کا نام ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ زندگی میں کچھ نہ کچھ لچک، اور رنگینی ہو اس کے لئے خوش طبعی اور مزاح وظرافت ضروری ہے لیکن ظرافت و بذلہ سنجی کے لئے ضروری ہے کہ اخلاقی حدود سے متجاوز نہ ہوں کیونکہ اس سے باہمی کدورت رنجش، حسد و رقابت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے معاشرہ میں طرح طرح کی خرابیاں و برائیاں رونما ہوتی ہیں۔

اسلام نے ایسے مذاق سے ممانعت کی ہے جو کسی کی دلشکنی و تحقیر کا باعث ہو البتہ ایسی ظرافت و فکاہت کی اجازت دی ہے جس میں نصیحت و نیکی اور دلبستگی کے پہلو زیادہ سے زیادہ ہوں اس طرح کا مذاق جائز ہی نہیں بلکہ حسن معاشرت کے لئے اہم و ناگزیر ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود یہ طریقہ رہا کہ صحابہ کرام و امہات المؤمنین اور ہر بڑے چھوٹے کے ساتھ خندہ روئی اور خوش طبعی کیساتھ پیش آتے آپ کا مذاق اتنا بلند و پاکیزہ ہوا کرتا کہ جس میں اخلاق کی ساری خوبیاں مضمر ہوتیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی زندگی کے چند ایسے واقعات ہدیۂ ناظرین ہیں جو خوش طبعی وظرافت کے ساتھ عبرت و بصیرت کا گنجینہ بھی ہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت سے بازار تشریف لے گئے ایک صحابی حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ وہ بازار میں دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جذبۂ شفقت ومحبت سے پیچھے سے آکر حضرت زاہر رض کی آنکھوں کو دست مبارک سے ڈھانپ لیا حضرت زاہر رض بولے کون ہو، چھوڑو مجھے آنحضور صلعم بدستور اپنا دست مبارک رکھے ہوئے تھے ہٹایا نہیں اس لطف وپیار کی ادا سے حضرت زاہر رض سمجھ گئے کہ یہ حضور ہی کا دست مبارک ہے بس کیا تھا اس تصور ہی سے حضرت زاہر رض کے دل کی کلی کھل گئی فرط مسرت ونشاط سے اپنا جسم حضور ﷺ کے جسد اطہر سے ملنے و رگڑنے لگے کہ ہمارے نصیب کہاں کہ حضور ﷺ کے جسم انور سے اسقدر قرب واتصال ہو اور اکتساب فیض وبرکات کا یہ موقعہ پھر کبھی حاصل ہو۔

دیکھئے کیا لطیف مزاح تھا کہ ایک طرف دریائے عنا کرم موجزن تھا اور دوسری طرف جذبۂ ارادت وعقیدت

میں بھی کوئی کمی نہ تھی بلکہ یہ سعادت حضرت زاہرہؓ کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ تناول فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کھجور کے بیج حضرت علیؓ کے سامنے ڈال رہے تھے جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کے سامنے کھجوروں کے بیج زیادہ ہو گئے۔

جب دونوں حضرات کھا کر فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تم نے بہت سا کھجور کھالیا یہ سن کر حضرت علیؓ نے کہا حضورؐ نے تو اتنا کھایا ہے کہ بیج تک نہ چھوڑا یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا دیا۔ دیکھئے کہ باہمی میل جول طبیعت کی رنگینی و خوش طبعی کی کیسی جانفزا مثال ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک بڑھیا آئی اور سوال کیا کیا میں جنت میں جاؤنگی؟۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ بڑھیا جنت میں داخل نہ ہو سکے گی یہ سن کر بڑھیا نے رونا شروع کر دیا آپؐ نے اس سے فرمایا کہ جنت میں کوئی بھی بوڑھوں کی شکل میں نہ ہوگا بلکہ سب جوان ہونگے اس لئے میں نے بوڑھوں کے لئے جنت میں داخلہ کی نفی کی اس کلام فیض النیام سے بڑھیا کے دل کو سکون و اطمینان حاصل ہو گیا۔ دیکھئے یہ ایک پر لطف مزاح بھی ہے اور اصلیت و حقیقت بھی۔ وانفیت سے بقدر مسر مو بھی انحراف نہیں ہے۔ حضورؐ کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات

پیش آئے ہیں جو حقائق و معارف کا گنج گرانمایہ ہیں۔

ایک مرتبہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ کے ہمراہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دولت خانہ پر تشریف فرما ہوئے حضرت علیؓ نے اس وقت بطور خاطر تواضع ایک روشن طشت میں نہایت عمدہ شہد شیریں پیش کیا اتفاقاً اس شہد میں ایک بال موجود تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد میں بال دیکھ کر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا یہ طشت" شہد" اور اس میں نظر آنے والا بال بعض اسرار و معارف کا راز سربستہ ہے میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک ان اسرار و معارف کی نقاب کشائی کرے۔ یہ سنکر خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیندار انسان اس طشت سے زیادہ روشن ہے اس کا ایمان شہد سے زیادہ شیریں و لذیذ ہے لیکن اپنے ایمان کو صحیح و سلامت دنیا سے لیجانا اس بال سے زیادہ باریک ہے۔ بعد ازاں حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ یا رسول خداؐ باد شاہت اس طشت سے زیادہ درخشاں ہے اور حکمرانی شہد سے زیادہ میٹھی ہے مگر حکومت میں عدل و انصاف کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔۔۔ اس کے بعد، حضرت عثمان غنیؓ نے کہا یا رسول اللہؐ علم دین اس طشت سے زیادہ منور ہے۔ اور علم دین کا حاصل کرنا شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ علم پر عمل کرنا بال سے باریک ہے۔ پھر حضرت علی مرتضیٰؓ نے کہا یا رسول اللہؐ مہمان اس

طشت سے زیادہ روشن ہے اور مہمان کی خاطر و مدارات کرنا شہد سے زیادہ لذت رکھتی ہے مگر مہمان کی دلنوازی اور خوشنودی حاصل کرنا اس بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ صحابہ اکرام کے بعد آنحضورؐ نے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کچھ کہنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ یہ سن کر سیدہ خاتون جنتؓ نے عرض کیا اے رسول خدا صلعم عورتوں کے لئے شرم و حیا اس طشت سے زیادہ منور ہے اور عورتوں کے چہرے پر پردہ و نقاب شہد سے بڑھ کر شیریں ہے لیکن اپنے کو نگاہ نامحرم سے بچانا اس بال سے زیادہ باریک ہے۔

بعد ازاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

معرفتِ خدا اس طشت سے زیادہ روشن ہے اور معرفتِ الٰہی سے سرفرازی شہد سے زیادہ شیریں ہے مگر اس کے اسرار و معرفت کا دل میں محفوظ رکھنا بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔

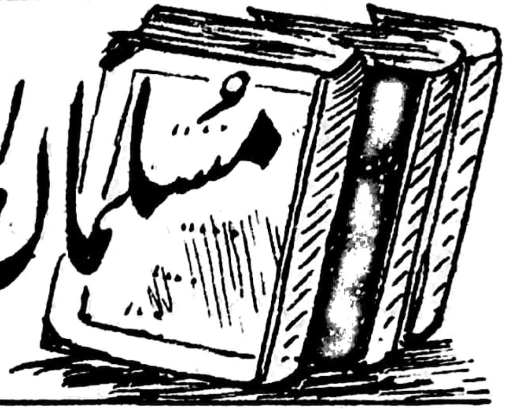
ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ دروازہ پر ایک اعرابی نے مجلس میں شرکت کی اجازت چاہی حضرت سیدہؓ پردے میں ہوگئیں اور وہ نووارد شخص اجازت پاکر حاضر خدمت ہوئے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے فرمایا یا رسول خداؐ راہ خدا اس طشت سے زیادہ روشن ہے اور اس راہ پہ چلنا اس شہد سے زیادہ لذت بخش ہے لیکن آخر وقت تک اس راہ پر ثابت قدم رہنا بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا بارگاہ ایزدی سے خطاب آیا۔

اے محمدؐ! بہشت اس طشت سے زیادہ روشن و درخشاں ہے اور بہشت کی نعمتیں شہد سے زیادہ شیریں ہیں مگر پل صراط سے گزرنا اس بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔

حضرت علامہ قسطلانیؒ نے اپنی کتاب کنز المعارف میں مذکورہ واقعہ کو نقل کرکے تبصرہ فرمایا ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ یہ واقعہ جس طرح حکمت و موعظت کا ایک باغ سدا بہار ہے جو اپنی روح پرور خوشبو اور حیات آفریں مہک سے دل و دماغ کو حیاتِ تازہ بخشتا ہے اسی طرح یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت طبعی لطافت باہم الفت موانست رفق و ملاطفت کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔

اظہار خیال کی کیسی کامل آزادی ہے۔ کہ ہر شخص بلا روک ٹوک اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق تھا کہ آپ ہر شخص کی بات سنتے اگر مرضی اور مزاج کے موافق ہوتی تو لپسند فرماتے ورنہ اصلاح فرما دیتے دراصل پاکیزہ معاشرہ کی یہی صحیح علامت ہے۔

وما علینا الا البلاغ



مسلمان اور حفاظتِ علوم

از

سید محبوب باشاہ عیدروس

منگولی (بیجاپور)

زمرۂ رابعہ

دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

مسلمانوں کے متعلق دنیا صرف اتنا جانتی ہے کہ ایک فاتح قوم تھی انہوں نے اپنے زمانے اقتدار میں اپنے عظیم الشان فتوحات کے ذریعہ دنیا میں ایک تہلکہ برپا کر دیا۔ لیکن اسلامی فتوحات سے بڑھ کر مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے جہالت و بربریت کے خلاف جنگ کر کے ساری دنیا کو علم کی روشنی سے جگمگا دیا۔

اسلام جس زمانہ میں رونما ہوا تھا وہ عام تاریکی اور جہالت کا زمانہ تھا اور اس دور میں انسان جس مذہب کو مانتا تھا اس مذہب کے علماء اور رہنما اپنے پیرؤں کو حصول علم کی اجازت نہیں دیتے تھے اس وجہ سے ایک طرف تو قدیم یونانی علوم وفنون دفن ہوتے چلے جا رہے تھے اور دوسری طرف مشرق کا قدیم فلسفہ ہندوستان جیسے بعض ملکوں میں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

دنیا کے ان عام حالات کے پس منظر میں عربوں جیسی پسماندہ اور تاریک خیال قوم ایک طرف تو خود علم کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھی اور دوسری طرف علمی اور فنی سرمایہ کو دوسروں میں تقسیم کیا تھا۔ تو اس کا واحد سبب یہ تھا کہ اسلام نے مسلمانوں کو یہ کہہ کر علم حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی کہ علم حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اور اگر انہیں علم حاصل کرنے کی غرض سے دور دراز مقامات کا سفر کرنا پڑے تو تلاشِ علم کے لئے سفر کرنا چاہئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مذہبی تعصب اور رنگ و نسل کے امتیازات کو دور کرنے میں بھی بہت زیادہ مدد ملی تھی بہر حال جہاں تک دنیا میں علم و دانش کی روشنی پھیلانے کا تعلق ہے عہدِ وسطیٰ میں یہ کام مسلمانوں ہی نے انجام دیا تھا۔ اور یورپ کے وہ مورخ اور اہل قلم بھی جو اسلام کے شدید ترین مخالف سمجھے جاتے تھے توسیع علم و تہذیب کے معاملہ میں مسلمانوں کی بے غرضانہ سالمی کا اعتراف کرتے ہیں۔

اسلام سے پہلے گو عرب قومیں رسم علوم وفنون سے بے بہرہ تھیں تاہم ان خانہ بدوش صحرائیوں میں کچھ علمی مذاق پایا جاتا تھا۔ اور نظم و نثر میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ طوطی، بلبل کے طرح محض بحر ل فصیح اللسان نہ تھے، بلکہ فصاحت بلاغت کے دقیق نکتوں تک ان کی نگاہ پہنچ تی تھی اور کبھی کبھی بازار عکاظ گرم ہوا کرتا تھا۔ جس سے ان کی فصاحت و بلاغت کا جوہر آشکارا ہوتا تھا اسلام نے آکر مذہب و معاشرت کے ساتھ ساتھ ان کی علمی زندگی بھی بدل کر رکھ دی۔ قرآن مجید کی پر تاثیر آیتوں نے شعراء اور خطیبوں کی زبان بند کر کے رکھ دی۔ اور علم الانساب اور ایام العرب کا زور بھی گھٹ گیا شعراء اور خطیبوں کے لئے قرآن خود رہنما بنا۔ جس نے فصاحت و بلاغت

کے بہت سے نئے اصول انہیں سکھا دیئے

اسلام کے تمام مذہبی علوم اسلام کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے بنیادی اصول تمام تر قرآن پاک ہی سے ماخوذ ہیں اس کے اوامر و نواہی نے فقہ کی طرف رہبری کی اور آیت توریث نے فرائض کا مستقل فن قائم کیا انبیاء کے سابقین کے حالات سے قصص کی ترتیب و تدوین ہوئی اعتقادات اور معاد کے متعلق آیتوں سے علم کلام استنباط کیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بہت کم لوگ ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں۔ آپ نے ان میں علم و تعلیم کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے لکھنے کی تعلیم کی جانب توجہ دلائی۔ چنانچہ غزوات میں جب کفار عرب کی ایسی جماعت قید ہو جاتی جس میں کچھ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو ان کا فدیہ یہ ہوتا تھا کہ وہ دس مسلمان کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اس طریقے سے قریش اور دوسرے قبیلوں میں فن کتابت رائج ہوگیا اور بہت سے صحابہ ایسے بھی تھے جو حضور اکرم صلعم کے حین حیات میں دیگر زبانوں پر بھی مہارت رکھتے تھے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابت رضی کو یہودیوں کی زبان۔ عبرانی سیکھنے کا حکم دیا تھا اس کے علاوہ فارسی زبان کسریٰ کے قاصد اور رومی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاجب سے اور حبشی اور قبطی اپنے خادم سے سیکھی تھی۔ اس طرح عربوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کا رواج آپ کے عہد ہی میں ہوگیا تھا۔

گو ایک مدت تک کسی قسم کی تدوین و ترتیب نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ان علوم کے تدوین کی بنیاد قائم ہوئی۔ اور دوسری صدی کے آغاز تک ہزاروں مسائل کا ذخیرہ کتابوں میں محفوظ ہوگیا۔

ترجمے عام مورخین کا بیان ہے کہ اول جس نے ترجمہ کی بنیاد ڈالی وہ دولت عباسیہ کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور تھا۔ لیکن تاریخ کا غور سے مطالعہ کریں تو خلفائے بنو امیہ ہی سے اس سلسلہ کا آغاز ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ زمانہ علوم اسلامیہ کی ترقی و اشاعت کا تھا لیکن اب تک اہل عرب نے غیر قوموں سے علوم و فنون حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔

امیر معاویہ رضی یہ خود عالم تھے اور ساتھ ساتھ علم دوست بھی تھے انہوں نے علم میں اور زیادہ وسعت پیدا کی آپ سے قبل کسی خلیفہ نے غیر قوم کو ملکی خدمت نہیں دی تھی انہوں نے ایک یہودی کو اپنا میر منشی مقرر کیا اور ابن اثال طبیب تھا اس نے امیر معاویہ کے لئے طب کی بعض کتابیں یونانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کی۔ گویا ترجمہ کے رواج کا دیباچہ تھا اور آپ کو زمانہ گزشتہ کی تاریخ سننے کا بے حد شوق تھا۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا شخص ملتا جو مجھے گزشتہ زمانے کی حالات بیان کرتا۔ تاکہ میں اس کا اپنے زمانے کے حالات سے موازنہ کرتا آپ کو حضرموت کے ایک معمر شخص آمد بن ابد حضری کا پتہ بتایا گیا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی نے اس کو بلوا بھیجا۔ آپ اس سے تاریخی داستانیں سنا کرتے تھے۔ اسی اثناء میں عبید بن شریہ جو یمن اور سلاطین عرب و عجم کی تاریخ کے بڑے عالم تھے۔ یمن سے آپ کی خدمت میں آئے

وہ آپ کو تاریخی داستانیں اور دلکش قصائد سناتے تھے ۔

امیر معاویہ ؓ نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا تھا کہ وہ عبید کی داستانوں کو قلمبند کرلیا کریں اس طرح اسلام میں "تاریخ" کا آغاز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوا۔

آپ کے بعد آپ کا پوتا خالد جو اسلامی علوم و فنون میں یکتا تھا اس نے فن طب اور کیمیا میں کمال پیدا کرنا چاہا چونکہ اس وقت علمی طور سے اس فن کے ماہر عیسائی یا یہودی تھے خالد کو عیسائی طبیبوں کی شاگردی اختیار کرنی پڑی، اور ایک یونانی طبیب جس کا نام میریانس تھا علم کیمیا سیکھا تکمیل کے بعد خالد نے خود اس فن میں سہ مختصر کتابیں لکھی۔ خالد کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بڑے حوصلوں کے ساتھ زبانوں کے ترجمہ کی۔ مختلف زبانوں کے علماء کو اس خدمت پر مامور کیا۔ علامہ ابن ندیم اپنی کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا گیا۔ (مقالات شبلی جلد ششم)

خلفائے بنوامیہ کی علمی خدمات

خالد کا دوسری قوموں کے ساتھ تعلق پیدا کرنا پھر ان کی زبان سے اپنی زبان میں ترجمہ کرنا اس کا دوسرے لوگوں پر بھی اچھا اثر ہوا خالد سے پہلے مروان ابن الحکم جو سلطنت بنی امیہ کا پہلا تاجدار ہے۔ اس نے بھی تراجم کی طرف توجہ کی تھی۔ اس کے دربار میں ایک مشہور یہودی طبیب تھا جس کا نام ماسرجیس تھا۔ اس نے مروان بن حکم کے حکم سے سریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور بعض ملکی فرمودوں نے بھی ترجمہ کے رواجوں میں مدد دی۔ اس وقت جسقدر دفتر تھے سب غیر زبانوں میں تھے۔ چنانچہ عراق کا دفتر فارسی میں۔ اور شام کا دفتر لاطینی میں۔ مصر کا دفتر قبطی میں تھا۔ اس لئے دفتر خراج کے جس قدر بڑے عہدے دار تھے سب مجوسی یا عیسائی تھے۔ حجاج بن یوسف کے زمانے میں دربار کا میر منشی ایک مجوسی تھا جس کا نام فرخ تھا۔ اس نے ایک مرتبہ یہ دعویٰ کیا کہ میرے بغیر دفتر کے کام انجام نہیں پا سکتے۔ اس مغرورانہ دعویٰ کی خبر حجاج کو پہنچی۔ اتفاق سے حجاج کے دربار میں صالح بن عبدالرحمان ایک ایسا شخص موجود تھا جو عربی فارسی دونوں زبانوں میں کمال رکھتا تھا۔ حجاج نے صالح کو حکم دیا کہ خراج کا جس قدر دفتر ہے اسے فارسی زبان سے عربی میں ترجمہ کر دیا جائے۔ اس پر دربار میں جو پارسی موجود تھے ان کو نہایت اضطراب لاحق ہوا کہ اتنا بڑا محکمہ ہمارے ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے صالح کے پاس ایک لاکھ درہم رشوت میں پیش کئے کہ تم حجاج سے کہہ دو کہ عربی زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکتا لیکن صالح اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اور ۸۷ھ میں عراق کا تمام دفتر عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ولید بن عبدالملک کا زمانہ آیا۔ ولید کی کوشش سے شام کا دفتر جو لاطینی میں تھا۔ عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ ھشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد میں ملکی انتظامات کے نظم و نسق کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر قوموں کے معلومات و خیالات سے واقفیت کے لئے نئے سامان پیدا ہو گئے۔ اور اس کے عہد کا میر منشی جس کا نام سالم تھا مشہور صاحب قلم اور فصیح و بلیغ تھا۔ غیر زبانوں میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے ھشام بن عبدالملک کے حکم سے ارسطو کے رسالوں کا جو سکندر کے نام تھے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر تک مسلمانوں میں بہت سے آدمی ایسے پیدا ہو گئے تھے جو فارسی لاطینی، قبطی وغیرہ سے واقفیت رکھتے تھے۔ آخر ۱۳۲ھ میں زمانے نے

بنو امیہ کی تاریخ کا ورق الٹ دیا۔

دولت عباسیہ اور علمی کارنامے خلفائے عباسیہ کے علمی کارنامے روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ان کے عہد میں اونٹوں پر لدکر کتابیں دارالخلافہ آیا کرتی تھی شعر

حریم خلافت میں اونٹوں پر لدکر۔۔ چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

چنانچہ ۱۳۶ھ میں جب ابوجعفر منصور مسند آراء خلافت ہوا اسی وقت سے دولت عباسیہ کا آغاز کیا جاتا ہے۔ عہد منصور میں لاتعداد تصنیفات و تراجم ظہور میں آئے۔ منصور نے قیصر روم کو ایک خط لکھا کہ فلسفہ کی جس قدر کتابیں میسر ہو سکیں روانہ کیجائے ساتھ ساتھ یہ بھی تحریر کیا تھا کہ جو کتابیں روانہ کریں، مع ترجمہ کے ہوں چنانچہ اقلیدس اور طبیات کی بہت سی کتابیں مع ترجمہ کے بغداد پہنچیں۔ منصور کا شوق علم دیکھ کر دور دور سے ترجمین و حکماء کھچے چلے آنے لگے۔

مہدی مہدی جس وقت خلیفہ ہوا اس دور میں الحاد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مہدی نے اس آگ کو آب تیغ سے بجھانا چاہا۔ لیکن خیالات کی آزادی جبر و تعدی سے نہیں رک سکتی تھی لہٰذا اس نے علمائے اسلام کو حکم دیا کہ ملحدوں کے رد میں کتابیں لکھیں۔ اس طرح علم کلام کو مہدی کے عہد میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

ھارون ہارون رشید کے خلیفہ بننے تک یونانی فارسی سریانی ھندی تصنیفات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ اس کو منظوم صورت میں رکھنے کے لئے اس نے ایک محکمہ عظیم الشان قائم کیا جس کا نام بیت الحکمت رکھا۔ اس میں ہر زبان اور ہر مذہب کے ماہرین فن ترجمہ کے لئے مقرر تھے۔ اس کے عہد میں یونانی علوم و فنون ایران سے منتقل ہو کر بغداد آگئے۔

مامون خلفائے عباسیہ میں مامون کے علمی کارنامے سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس کی بدولت عربی زبان دنیا کے علوم و فنون سے مالامال ہو گئی۔

مامون کے فیاضانہ حوصلوں کے سامنے پچھلی تمام کوششیں گم نامی کے پردے میں چھپ کر رہ گئی۔ مورخین نے اس کے بارے میں ایک عجیب حکایت بیان کی ہے جسکو علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "رائل ھیروز آف اسلام" میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔ مامون نے ایک رات خواب دیکھا کہ ایک محترم و بزرگ شخص تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ مامون نے نزدیک جاکر پوچھا آپ کا اسم مبارک تخت نشین نے کہا۔ ارسطو۔ مامون پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر عرض کیا کہ حضرت دنیا میں کیا اچھی چیز ہے ارسطو نے جواب دیا جس کو عقل اچھا کہے۔ مامون نے درخواست کی کہ میرے لئے کچھ نصیحت ارشاد ہو جواب ملا کہ توحید اور صحبت نیک ہاتھ سے جانے نہ دینا۔

مامون یونانی فلسفہ کا دلدادہ تھا۔ ارسطو کی زیارت نے اور بھی آگ پر روغن کا کام دیا اس نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جس قدر تصانیف مل سکیں دارالخلافہ روانہ کیجائے یہ وہ زمانہ تھا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط قیصر پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ مامون کا خط پہنچا ہی تھا کہ قیصر روم تکمیل ارشاد کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ بہت جد و جہد کے بعد ایک راہب نے اسے ایک مقفل کتب خانہ کا پتہ دیا۔ جو یونان میں قسطنطین کے زمانے سے مقفل چلا آرہا تھا۔ قیصر روم کے حکم سے یہ کتب خانہ

کھولا گیا جس میں بے شمار کتابیں تھیں۔ جنہیں دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اس گنجینہ بے بہا کو مسلمانوں میں بھیجنے سے ہچکچانے لگا۔ لیکن درباریوں اور راہبوں نے اس کی تسکین کر دی۔ کہ یہ بلا (فلسفہ) جہاں جائے گی آفت برپا کرے گی۔ غرض پانچ اونٹ پر لد کر یہ کتابیں دار الخلافہ روانہ کی گئیں ان تمام کتابوں کو مامون نے اپنے دور کے مشہور مترجموں کے ذریعہ ترجمہ کرا کے خزانۃ الحکمۃ میں رکھوا دیا۔ اس طرح اس دور میں فلسفہ کا ایک بہت ذخیرہ فراہم ہو گیا۔

خلفائے اندلس کے علمی کارنامے

اسپین کا عہد حکومت پورے براعظم یورپ کی تاریخ کا زرین باب مانا جاتا ہے تقریباً آٹھ سو سال تک اسپین پورے یورپ کے نئے تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا رہا۔ اسپین کے فاتحین نے سرزمین اسپین کو علم کی روشنی سے جگمگا دیا تھا چنانچہ قرطبہ وغیرہ میں بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم تھیں جہاں آرٹ ادب اور سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی فرانس جرمن اور انگلینڈ سے تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے اسپین آیا کرتے تھے۔

المستنصر، حاکم بن عبد الرحمان جو اندلس کا دوسرا حاکم گذرا ہے یہ علم و ادب کا بڑا قدردان و سرپرست تھا۔ اسکے دربار میں علماء فضلاء اور شعراء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اس نے اندلس میں علم کی اتنی اشاعت کی کہ یہاں بہت کم لوگ ان پڑھ رہے اور اپنے پایہ تخت میں ایک عظیم الشان کتبخانہ قائم کیا تھا جس میں مختلف علوم و فنون کی چار لاکھ کتابیں تھیں۔ اس کے زمانے میں جامعہ قرطبہ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی جس میں طبیات ریاضی فلکیات اور کیمیا۔ کے جملہ علوم پڑھائے جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ عربوں نے اپنے زمانہ عروج میں مشرق سے مغرب تک تمام ممالک کو علمی روشنی سے جگمگا دیا ایک طرف تو انہوں نے جنوبی یورپ کو جنگ آزما فوجوں سے فتح کیا تو دوسری طرف انہوں نے اپنے علم و فن صنعت و حرفت کی فوجیں بھی وہاں اتار دی۔ اس طرح ایک مہذب و متمدن زندگی کی تشکیل کی اہل دنیا کو فلاح و سعادت کی لذتوں سے آشنا کیا۔

خلفائے بنو امیہ خلفائے عباسیہ، اور خلفائے اندلس کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے ان مقتدر حکمرانوں نے جہالت کی ظلمت کو مٹا کر دنیا کے کونے کونے میں علم کی روشنی پھیلا دی تھی۔ شعر؎

ہر ایک شہر و قریہ کو یونان بنا یا
مزہ علم و حکمت کا سب کو چکھا یا



قرآن مجید غیروں کی نظر میں





اکثر و بیشتر اقوام اپنے عقیدے کے مطابق ایک کتاب رکھتی ہیں اس کو اپنا اصل ایمان قرار دیتی ہیں۔ لیکن جب قرآن مجید کا موازنہ دوسری کتابوں سے کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دنیا میں اس وقت اپنی اصلی حالت میں پائی جانے والی کتاب وہ قرآن مجید ہے جس کی فصاحت و بلاغت آپ اپنی مثال ہے اور جس کے معنی و مطالب ایک انمول خزانہ ہے اور قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اپنوں کے علاوہ غیروں سے بھی خراج تحسین حاصل کیا۔ اب میں ذیل میں چند غیر مسلم اکابر و ادباء کے اقوال پیش کر رہا ہوں۔ جنھوں نے قرآن کی عظمت و صداقت کا اعتراف کیا ہے۔ نامور مؤرخ "ڈاکٹر گبن" لکھتے ہیں کہ قرآن وحدانیت کا عظیم شاہد ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ غرض سارے جہاں میں قرآن مجید کی نظیر ناپید ہے۔ ڈاکٹر گبن نے قرآن کریم کے متعلق اپنا قول جو پیش کیا ہے یہ قول اپنی جگہ مستحکم ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا کی وحدانیت کی دلیل جگہ جگہ موجود ہے۔ خصوصاً سورۂ اخلاص میں خدا کی وحدانیت کی دلیل موجود ہے جو بھی اس سورۃ کو تلاوت کرے گا تو اس کو اس بات کا مکمل یقین ہوجاتا ہے کہ اس دنیا کا پالنہار ایک ہی ہے۔

مشہور متعصب پادری ابو دلڈچی صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم نے بت پرستی مٹائی اور جنات، اور مادیات کا شر ختم کیا اللہ کی عبادت قائم کی اور بچیوں کے قتل کی رسم کو نیست و نابود کر دیا ہے۔

قل اُوحی الیّ انه استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنا به ولن نشرك بربنا احدا

(ترجمہ): آپ فرمادیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں میں سے چند افراد نے آیات کریمہ کی سماعت کر کے کہا کہ ہم نے عجیب و غریب قرآن سنا ہے۔ جو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ سورہ قصص کی تیسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے۔ ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طائفة منهم یذبح ابناءهم و یستحی نساءهم انه کان من المفسدین۔

(ترجمہ) بیشک فرعون نے زمین پر تکبر اور سرکشی کیا۔ اور زمین کے رہنے والوں کو چند فرقوں میں تقسیم کر کے ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرتا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا۔ اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا بلا شبہ وہ فساد کرنے والوں میں سے ہے۔

قرآن کی سچائی کا اعتراف کرتے ہوئے "ڈاکٹر کارلائل"

کہتے ہیں۔ کہ میرے نزدیک قرآن میں جو خلوص و سچائی کا وصف ہر جگہ موجود ہے اور سچ یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ صفات موجود ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا قرآن جہاں بھی کسی کام کرنے کا حکم دیتا ہے اس سے صرف معاشرہ کا فائدہ ہے نہ کسی اور کا۔ قرآن مجید میں جتنے بھی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل سچے ہیں اس نے نیک اعمال کے فائدے اور بداعمال کی جو برائیاں بیان کی ہیں وہ حرف بہ حرف ثابت ہو چکے ہیں۔

چمبرس "انسائیکلوپیڈیا" میں محمڈن ازم کے زیر عنوان قرآن کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھے ہیں کہ قرآن نے ظلم، جھوٹ، غرور، غیبت، طمع، فضول خرچی، حرام کاری، خیانت اور بدگمانی کی بے حد برائی کی ہے۔ اور اس کی یہی بڑی خوبی ہے۔ چمبرس نے انکلوپیڈیا میں قرآن کی جو خوبیاں بیان کی ہیں وہ مہمل نہیں ہیں اور اس میں مبالغہ آرائی بھی نہیں ہے۔ جیساکہ سبحان الذی کے پانچویں رکوع میں ارشاد ہے۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ: بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ قرآن میں ایک اور دوسری جگہ سورۂ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یا ایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه ان الله تواب الرحیم ۔ اے ایمان والو بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کے درجے میں ہے نہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کریگا نہیں اسی طرح غیبت کرنا مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے اور مہربان ہے۔

ایک اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذكم بهما رافة في دين الله ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاخر وليشهد عذابهما طائفة من المؤمنين۔

(ترجمہ) بدکاری کرنے والی عورت اور مرد دونوں کو سو سو درے مارو، اللہ کا حکم جاری کرنے میں تمہیں ان کے اوپر ترس نہ آنی چاہئے۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور چاہئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ان کی سزا کو دیکھیں۔

نبی آخر الزماں پر نازل کی ہوئی کتاب قرآن کریم گمراہی اور تاریکیوں میں بھٹکنے والے انسانوں کو شرف با اسلام ہونے پر مجبور کر دیا اور میں اسی کے تحت ایک حیرت انگیز واقعہ پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مشہور بحری تاجر جو غیر مسلم تھا اور اس کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ بحری سفر میں بسر ہوا تھا۔ ایک دن اس کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں آدھی رات کی تاریکی بھی سرنگوں ہوتی اور دریا کی موجیں اس طرح تھپیڑیں مار رہی تھی کہ اس کی آواز کو سننے والے کا ذہن بادل کی ٹکراؤ کی جانب منتقل ہو جاتا تھا اس میں اتنا اندھیرا کہ ہاتھ سے ہاتھ سجھائی نہیں دیتا جب اس غیر مسلم کو اس کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اس منظر کو دیکھ کر حیران ششدر رہ گیا۔ اور اس کی عقل اس کا جواب نہیں دے سکی آخرالامر جب اس کا ٹھکانہ ایک ساحل پر ہوا تو اس کی نظر قرآن کی اس آیت پر پڑی۔ او كظلمات في بحر لجي يغشاه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمات بعضها فوق بعض اذا اخرج يده لم يكد يراها ومن لم يجعل الله له نورًا فما له من نور

(ترجمہ) جو شخص کفر کی تاریکیوں میں ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح

ہے جو ایک گہرے دریا میں ہو اس دریا پر موج ایک پر ایک چڑھی آتی ہے اور اس کے اوپر بادل گھرا ہو اس طرح تاریکی پر تاریکی چھائی ہو ایسی حالت میں جب وہ شخص دریا میں اپنا ہاتھ نکالیگا تو اسے سجھائی نہیں دیگا۔ اور جس کو اللہ نے روشنی نہ دے اس کے لئے کہیں روشنی نہیں — تو اس کا ذہن خدا کی وحدانیت کی جانب منتقل ہوا اس لئے کہ اس کا علم اسی کا ہوتا ہے جو کہ اس منظر کو اپنے آنکھوں سے دیکھے ہو تو اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ اور خدا کو اس کا علم ہے اسی لئے اللہ تعالٰے اس کا ذکر قرآن میں بھی فرما دیا بعد ازاں وہ تاجر مشرف با اسلام ہو گیا۔ تو اس واقعہ میں کچھ شک نہیں واقع ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے کہ وہ تاجر غیر مسلم تھا وہ قرآن کو کیسے سمجھ پایا تو اس کا جواب کوئی دقیق نہیں ہے کہ اس لئے کہ اس دور میں انگریز عربی قرآن کو انگریزی میں ترجمہ کر چکا ہے اور انہوں نے قرآن کی تعلیم ہی سے ہوا میں پرواز کرنا سیکھا لیکن مسلمان اس چیز سے بے بہرہ ہیں — قرآن کریم ایک معزز اور بابرکت کتاب ہے جو شخص بھی اس کے خلاف اپنی زبان کو دراز کریگا یا اس کے ساتھ بے ادبانہ امر روا رکھیگا تو وہ اس دنیا سے فانی میں نیست و نابود ہو جائیگا اور مخلوق کے اندر اس کا نام ذلیل و خوار کے طوق پہنے گا۔

قرآن کریم کی بے عیب زبان کا اعتراف کرتے ہوئے نہایت متعصب اور مترجم قرآن "جارج سیل" لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم بیشک عربی زبان کی سب سے بہتر مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب لکھ نہیں سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔

احمد بن بوصیری رحمتہ اللہ نے کتنا سچ کہا ہے۔ ما حوربت

قط الاعادی من حرب ؛ اعدی الاعادی ملتقی السلم

یکم پلف صاحب۔ نامور جرمن فاضل تھے اور وہ لکھتے ہیں کہ قرآن تندرست رہنا سکھاتا ہے۔ قرآن نے صفائی طہارت اور پاکبازی کی ایسی تعلیم دی کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو بیماریوں کے کیڑے سب کے سب ہلاک ہو جائینگے۔

چنانچہ نظافت و پاکیزگی کے بارے میں اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔ یسئلونک عن المحیض قل ھو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی اذا یطھرن فاذا تطھرن فاتوھن من حیث امرکم اللہ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین

(ترجمہ) آپ سے حیض کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ ایک پلیدی ہے لہٰذا تم حیض کے وقت اپنی عورتوں سے اس وقت تک احتراز کرو جبتک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔ تو اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان کے پاس جا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

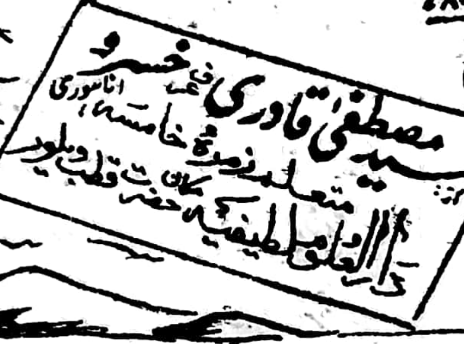
تو یہ آیت صاف ظاہر کر رہی ہے کہ قرآن کریم پاکبازی کی تعلیم دیتا ہے اور جو اس پر عمل کرے گا تندرست رہیگا اور جو اس کے برخلاف کرے تو بیماری میں مبتلا ہو جائیگا۔

ایک یوروپین پروفیسر مسٹر ہٹی بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب وہ قرآن مجید ہے پروفیسر ہٹی کا یہ قول بالکل سچ ہے کیونکہ اس دنیا کے کروڑہا مسلمان روزانہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور ہر روز پنجگانہ نماز میں اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں — میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہم تمام کو قرآن کی عظمت کو سمجھنے اور اس کے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

اسلام اور رہبانیت





مصلحت در دینِ ماجنگ و شکوہ
مصلحت در دینِ عیسیٰ غار و کوہ

دنیا کے تمام مذاہب میں اسلام ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے دین و دنیا دونوں کی صلاح و فلاح کے لئے اعلیٰ دستور العمل اور عمدہ اصول و ضوابط مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ دین و دنیا میں چولی دامن کا رشتہ قائم کیا ہے یعنی ایک کو دوسرے کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ ایک کا دوسرے سے گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔ اسلام نے جو اصول مقرر کئے ہیں اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان ایک اچھا شہری ہی نہیں بلکہ خدا کا مقرب ہوسکتا ہے۔ اسلام نے تقرب خداوندی کا طریقہ ترک دنیا نفس کشی اور عدم نکاح کو قرار نہیں دیا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ دنیوی حقوق و فرائض بھی بحسن و خوبی سر انجام دے۔

چنانچہ اکابر صحابہ رضی اور بزرگانِ دین سب کا یہی حال رہا ہے کہ وہ زندگی کو سعی و پیہم سمجھتے تھے وہ زندگی کے طوفانوں سے مقابلہ کرنے اور اندھیروں میں اپنی راہِ عمل تلاش کرنے اور اس پر ثابت قدمی و مستقل مزاجی کیساتھ گامزن رہنے کے قائل تھے۔ بزرگان دین کے طرزِ عمل سے یہ بات صاف طور سے واضح ہوتی ہے کہ اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے دیگر مذاہب صرف عبادت و ریاضت تک ہی محدود ہیں۔ مگر اسلام انسانی زندگی کے ہر ہر پہلو پر حاوی ہے کیونکہ جہاں وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان کی گردن اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے جھکائے وہاں زندگی کے فرائض کے ادائیگی کے لئے مکمل ہدایات پیش کرتا ہے۔

بعض متعصب حضرات اسلام پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ اسلام انسان کی مادی ترقیوں میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ ایک غلط الزام ہے جو اسلام پر دھرا جاتا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کی روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی مادی ترقی کو بھی فروغ دے۔ اس لئے اس کی تفہیمات و تلقینات سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ اسلام نے مادیت اور روحانیت دونوں توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسلام نے ان مادی چیزوں کی مخالفت کی ہے جو روحانی کمالات کے حصول میں رکاوٹ پیدا کریں۔ والہٰذا اکابر اسلام نے کبھی صنعت و حرفت، زراعت و تجارت وغیرہ کی مخالفت نہیں کی اور نہ یہ کہا کہ سیاست و حکومت، امارت و وزارت دینی و اسلامی زندگی کے لئے حارج و مانع ہے۔ البتہ ان چیزوں میں اشتغال و انہماک جب اس درجہ ہو جائے کہ انسان خدا کی یاد سے غافل اور اسلامی زندگی سے کنارہ کش ہو جائے تب وہ مادیت مذموم اور خلاف اسلام ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو چکی ہے کہ اسلام نہ ترک دنیا کو پسند کرتا ہے اور نہ دنیاوی ترقی کے راہ میں حائل ہے۔ اسلام طلب دنیا کے لئے بھی سعی و کوشش جد و جہد کی

تعلیم دیتا ہے مگر نہ اس طرح کہ دنیا کی وجہ سے دین کو خیرباد کہا جائے
اور نہ دین کی وجہ سے دنیا کو نظر انداز کیا جائے۔ بلکہ دونوں میں اعتدال
و توازن ملحوظ ہے۔ جب انسان طلب دنیا میں پوری طرح مشغول و
منہمک ہوجاتا ہے۔ تو اس کے اندر حلال و حرام کی تمیز باقی نہیں رہتی
جس طرح بھی ہوسکے وہ دنیا کی تحصیل میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا
ہے۔ اور یہی چیز اس کی بربادی کا سبب ہوتی ہے۔ اسلام نے اس
سلسلہ میں ہم کو تعلیمات و ہدایات دی ہے کہ ہم حرام سے بچیں اور حلال
کو اختیار کریں۔ مثلاً سود، شراب خوری، ناپ تول میں کمی، خیانت
و بددیانتی غرض اس قسم کی جتنی بھی چیزیں ہیں جو ناجائز اور حرام کا ذریعہ
ہیں ان کا اسلام نے بالکلیہ سد باب کردیا ہے اور اس دنیا
کو پسندیدہ قرار دیا جو حلال و جائز طریقہ سے کمائی گئی ہو جس میں
جھوٹ، خیانت، دھوکہ یا کسی برائی کا ارتکاب نہ ہوا ہو اب رہا ترک دنیا

اگر اسلام اس چیز کو روا رکھتا تو انسان کی پیدائش کا
مقصد ہی فوت ہوجاتا کیونکہ دنیا کام کی جگہ۔ حدیث میں آتا ہے۔
اَلدُّنیا مزرعۃ الآخرۃ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ دنیا سے
تعلق اس قدر رکھے کہ احکام شرع سے غفلت نہ ہو طاعت و
عبادات میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اگر اسلام رہبانیت کو روا رکھتا تو وہ
اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں جہاں انسانی زندگی کے ہر ہر پہلو
پر ہدایات موجود ہیں کہ ایک دوسرے کی مدد و عیانت و بیوی بچوں کے
حقوق و فرائض اعزا و اقربا کے ساتھ صلاح رحمی، اور ہمسایہ کے ساتھ
اور غربا و یتامی کے ساتھ حسن و سلوک کی تعلیم و ہدایات نہ کرتا
تو اگر دنیا کی طرف بالکلیہ توجہ نہ ہو تو مذکورہ حقوق کس طرح ادا
ہو سکتے ہیں۔ شاید کسی کو شبہ ہو کہ قرآن کریم میں ہے۔ ماخلقت
الجن والانس الا لیعبدون: ترجمہ: یعنی ہم نے جن و انس
کو صرف عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ لیکن اس شبہ کا جواب
یہ ہے کہ وہ دنیا جو جائز طریقہ سے حاصل کی جائے۔ اور جائز طریقے سے
اہل حقوق و مستحقین میں خرچ کی جائے وہ بھی عبادت میں داخل ہے
کیونکہ اس طرح اس کا ہر عمل خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور حکم
خداوندی کی تعمیل ہی کا نام عبادت ہے۔ حدیث میں ہے کہ مومن
کا ہر کام عبادت ہے۔ اس کا کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا
یہ سب عبادت ہے جبکہ مقصود خدا کی رضا جوئی ہو۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی برکت سے
صحابہ کرام کی زندگیاں بھی ان ہی اصولوں کا نمونہ تھیں صحابہ کرام
طلب دنیا کے لئے زیادہ جدوجہد فرماتے۔ زراعت، تجارت،
صنعت و حرفت۔ وغیرہ پیشوں کو اختیار کرکے اپنا اور اپنے اہل و عیال
کا معاش حاصل کرتے اور ایک دوسرے کی مدد ایثار، احسان اور
حسن و سلوک فرماتے جو لوگ اسلام کو ترک دنیا کا حامی بتلاتے ہیں
وہ سخت غلطی پر ہیں اگر اسلام اس چیز کو روا رکھتا تو حضور سرور
عالم کبھی ایسی ہدایات نہ فرماتے۔ ایک روایت میں ہے حضرت
انس رض کہتے ہیں حضور نے فرمایا تم اپنی جانوں پر سختی مت کرو۔
ورنہ اللہ بھی تم پر سختی کریگا۔ تحقیق ایک قوم بنی اسرائیل نے اپنی
جانوں پر سختی کی تھی۔ پس خدا نے بھی ان پر سختی کی۔ آج جو لوگ
گرجاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ انہیں کی یادگار ہیں۔ اور رہبانیت
کو انہوں نے ہی ترقی دی تھی۔ چنانچہ خداوند کریم اس بات کو صاف
ذکر کردیا ہے۔ والرھبانیۃ ن ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم
الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا
ترجمہ: یعنی اور انہوں نے رہبانیت کو بطور خود ایجاد کرلیا ہم نے
ان پر واجب نہیں کیا تھا اس کو انہوں نے خدا کی رضامندی کی
غرض اس کو اختیار کیا تھا۔ پھر اس کے حقوق کی پوری رعایت
نہ کرسکے۔ اس آیت سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ

خداوندِ عالم بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے بندے خود سختیاں اور مصیبتیں اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ اس لئے قوم بنی اسرائیل نے خود اپنی جانب سے خدا کی رضاجوئی کیلئے اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ دیا اور مخلوق خداوندی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ اور نفس کشی کے لئے مختلف مصیبتیں و مشقتیں برداشت کرتے تھے تو خدا نے بھی ان پر سختی کی یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں آپ ہلاکت کے غار میں جا گرے۔

اسلام چونکہ عالمگیر دائمی اور فطری مذہب ہے وہ ایسی تعلیم جو فطرتِ انسانی کے خلاف اور اعتدال و میانہ روی سے خارج ہو کس طرح دے سکتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے انسان دین و دنیا دونوں کا میر و اور علمبردار ہو اگر انسان کی پیدائش کا مقصد صرف تسبیح و تہلیل ہوتا تو اس کے لئے فرشتے ہی کافی تھے چنانچہ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کر وبیاں

وما علینا الا البلاغ

بقیہ ۱۰۵: انسان اور اخلاق

عظیم سعادت و نعمت سمجھتے تھے ان کی خاک پا کو اپنے لئے اکسیر سمجھتے تھے لیکن آج عموماً مسلمانوں کا حال لائق افسوس بلکہ صد افسوس ہے کہ اپنے اسلاف کے اخلاق و عادات کوئی عکس تک بھی ہم میں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں مسلمان ذلیل و خوار ہیں۔

بقول علامہ اقبال ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

دنیا کے ہر ایک مسئلہ و نظریہ میں اختلاف رائے ہے حتی کہ خالق کائنات کے متعلق بھی لوگوں کے نظریات مختلف ہیں لیکن اخلاق ہی ایک ایسی خوبی اور ایسا حسن ہے جس کے پسندیدہ ہونے میں آج تک کسی کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ جھوٹ چوری، خیانت، بدعہدی ایسے افعال ہیں کہ جو شخص اس کا مرتکب ہو وہ بھی دل سے اس کو اچھا نہیں سمجھتا ہے بلکہ ان افعال پر مجرم کا ضمیر خود اس کو ملامت کرتا ہے۔

غرض اخلاق ایک ایسا زیور انسانیت ہے جس کے حسن و جمال میں مقناطیسی کشش ہوتی ہے جس کی طرف انسانی قلوب خود بخود کھنچتے ہیں وہ ایک ایسا دریائے فیض ہے جو بلا امتیاز دوست و دشمن سب کو نوازتا ہے۔ جو شخص اخلاق حسنہ سے محروم ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے درخت ہو لیکن اس میں پھل پھول نہ ہو۔ یا جیسے حوض ہو اور اس میں پانی نہ ہو یا وہ اس کاغذی پھول کی طرح ہے جس میں خوشبو نہ ہو ظاہر ہے انسان مردم شماری کا انسان ہو سکتا ہے حقیقتاً انسان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ انسانیت کے روح اور اس کے جوہر سے خالی ہے اسلام نے اخلاقیات کو اس قدر اہمیت دی ہے۔ کہ اخلاق اور ایمان میں چولی دامن کا رشتہ یا روح و جسم کا تعلق ہے کہ جسم بغیر روح کے جیسے مٹی کا ڈھیر ہے اسی طرح ایمان بغیر اخلاق کے ناقابل اعتبار اور بے وزن ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس کے اخلاق کو بہتر دیکھو اس کے کامل الایمان ہونے کی گواہی دو۔ اسلام کے بلند پایہ معیار اخلاق کو سمجھنے کے لئے یہی ایک جملہ کافی ہے حضورؐ کا فرمان ہے صل من قطعک واعف عن ظلمک اس کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ نیکی اور احسان کرنے والے کے ساتھ بھلائی کرنا یہ تو عام بات ہے۔ اس سے زیادہ بہتری و خوبی کی بات یہ ہے کہ برائی اور بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے۔ اسی ایک تعلیم پر بھی اگر دنیا آج بھی عمل پیرا ہو جائے تو دنیا کے تمام نزاعات و خصومات کا ازالہ ہو سکتا ہے اور دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ شعر

بدی را بدی سہل باشد جزا - اگر مردی احسن الی من اساء

انسان اور اخلاق

سید محمد حنیف خطیب
کلچرلوی
متعلم زمرۂ ثالثہ
دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت
قطب ویلور

زمانۂ قدیم میں جبکہ لوگ تہذیب کے لفظ سے ناآشنا تھے تہذیب وانسانیت کی کوئی نشانی ان کی زندگیوں میں نہ تھی۔ یہاں تک کہ غذا اور لباس کا صحیح طریقہ استعمال بھی ان کو معلوم نہ تھا۔ حالت یہ تھی کہ جانوروں کا کچا گوشت اپنی غذا کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور ہر طرح کی برائیوں اور بدکاریوں کا شکار تھے۔ ان کی حیوانیت و بہیمیت دیکھتے ہوئے ان کو دو ٹانگ کا جانور کہنا بالکل درست تھا عام طور سے دنیا کی حالت یہی تھی۔ عریانی و فحاشی میں کوئی ملک کسی سے کم نہ تھا۔ ملک عرب بھی جہالت وظلمت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل اہل عرب تہذیب وتمدن سے بالکل بیگانہ تھے ہر وقت آپس میں خانہ جنگی ہوا کرتی تھی زبردست زیر دست کو ستاتا اور اس کے مال واسباب پر قبضہ کرکے اسے اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ ظلم وستم، جھوٹ، بدعہدی شراب نوشی، شطرنج کی بازی جس میں جان کے لالے پڑ جاتے تھے غرض دنیا بھر کے عیوب ان میں کوٹ کوٹ کر بھر گئے تھے۔ وہ کعبۃ اللہ جس کی عظمت وبزرگی کا تمام عالم قائل ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین ابراہیمی کا ایک مقدس نشان ہے اس میں ۳۶۰ بتوں کی پوجا کیجا رہی تھی۔ کعبۃ اللہ اس وقت کعبۃ اللہ نہیں بلکہ بیت الشیاطین تھا ان کی درندگی وبہیمیت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جب ان کے یہاں لڑکیاں پیدا ہو جاتیں تو وہ انہیں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ بہرحال جس کے بیان سے ان کے اخلاقی گراوٹ اور انسانیت سوز حرکات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایسے پُر آشوب دور میں عرب کے ظلمت کدہ میں جب ہادیٔ اعظم حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے تو آپ کے زبردست اخلاقی پیغام اور روحانی تعلیمات نے انہیں وحشی و ناخواندہ عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی وہی لوگ جو پہلے جلاد وسفاک تھے اب امن ورحمت کے علمبردار بن گئے۔ خزاں رسیدہ باغ انسانیت میں نسیم بہار چلنے لگی۔ بقول مولانا حالیؔ۔ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

اس اصلاح وارشاد کی کوششوں میں آپ کی زبردست مخالفت ومزاحمت بھی کی گئی ظلم وستم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا لیکن ساری دنیا کی طاقت مل کر بھی آپ کو اور آپ کے جانثاروں کو منزل مقصود سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا سکی اور بالآخر آپؐ نے مسلسل جدوجہد سے تمام اہل عرب کی پیشانیاں ذوالجلال کے حضور میں جھکا دیں۔ اور کفر وشرک کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا آپؐ کے اصحاب آپ کی پاکیزہ تعلیمات کی برکت سے اخلاق وروحانیت کا وہ بے مثل نمونہ بنے جن کا نظیر چشم فلک نہ کبھی دیکھا تھا اور نہ دیکھے گا۔ اپنی اسی اخلاقی بلندی وبرتری کی وجہ سے دنیا میں عزیز تھے کامیاب وکامران بھی ان کے عزائم میں ایسا استقلال تھا کہ ان کا ایک ایک فرد باطل کے مقابلہ میں چٹان و کوہ گراں ثابت ہوتا تھا۔ قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتیں انکے نام سے لرزتی تھیں۔ یہ ساری باتیں ان کو

اسی لئے قائل تھیں کہ وہ شریعت کی تعلیمات سے اپنے اخلاق و
کردار کو سنوارتا جس کی وجہ سے انہیں ہر طرح عزت و سربلندی
حاصل تھی۔

موجودہ زمانہ میں انسان ہر طرح مادی ترقی کر گیا ہے
سیر و سفر کے لئے عمدہ کار، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، بحری جہاز ایجاد
ہو گئے ہیں۔ جس سے بغیر کسی تکلیف و پریشانی کے مہینوں کا
سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اسی
طرح جو کام سیکڑوں اور ہزاروں انسان انجام دے سکتے تھے
اب بجلی کی مدد سے وہی کام بآسانی انجام پاتا ہے۔ بڑی بڑی
فیکٹریاں اور کارخانے سب اس کی طاقت سے چل رہے ہیں۔
اور اسی طرح ریڈیو، ٹیلی ویژن، فون کے ذریعہ دنیا کے گوشے
گوشے کی خبریں منٹوں میں معلوم کر لیتے ہیں اور بے تکلف دور
دراز لوگوں سے باتیں کر لیتے ہیں۔ بہر حال انسان نے اپنی
ایجادات سے اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے جس سے
ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر چاہے تو اپنی خداداد صلاحیت سے
کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبال۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

وہ چاند و مریخ پر بھی کمند ڈال سکتا ہے لیکن ان تمام
ترقیوں کے باوجود آج کا انسان اصلی انسانیت اور اخلاقی شرافت
سے عاری ہے۔ انسان کی ان مادی ترقیوں کو دیکھ کر کسی عقلمند
نے کیا خوب لکھا ہے کہ تم نے پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا سیکھ لیا۔
مچھلی کی طرح پانی میں تیرنا پہچان لیا۔ بھیڑیے اور گینڈے کی طرح
دوسروں کو مارنے اور ہلاک کرنے میں کمال حاصل کر لیا۔ لیکن ابتک
انسان بن کر دنیا میں رہنا نہ آیا۔ انسان کے سدھرنے اور سنوارنے
کے لئے جس وصف اور جوہر کی ضرورت ہے۔ وہ اخلاق و روحانیت
ہے بغیر اس کے انسان کی صلاح و فلاح ناممکن ہے۔ آج دنیا کے
ممالک ایک دوسرے سے خائف ہیں کروڑوں اور اربوں کی دولت
جنگی تیاریوں میں تباہ و برباد ہو رہی ہے اگر دنیا میں اخلاق و روحانیت
کا دور دورہ ہوتا۔ عدل و انصاف سچائی اور اخلاق ترسی کا جذبہ
غالب ہوتا اور انسان یہ عقیدہ رکھتا کہ دنیا کی زندگی کے بعد آخرت
کی زندگی ہے۔ جہاں انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملے
گا۔ تو آج دنیا ملک گیری کی ہوس میں مبتلا نہ ہوتی اور ظلم و ستم کا خود بخود
خاتمہ ہو جاتا ہے

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کل من علیہا فان

دنیا میں اب تک بیشمار ہستیاں پیدا ہوئیں اور زمین میں
دفن ہو گئیں۔ لیکن دنیا میں آج ان کا کوئی نام بھی نہیں جانتا البتہ
وہ لوگ جو کسی اخلاقی خوبی سے متصف تھے اگرچہ وہ اس دنیا سے
گذر گئے۔ لیکن ان کا نام آج بھی یادگار زمانہ ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

قارون اگرچہ بیشمار دولت رکھتا تھا لیکن جوہر انسانیت
سے عاری تھا۔ اس لئے آج اس کا عزت سے نام لینے والا کوئی
نہیں۔ نوشیرواں عدل و انصاف کا جوہر رکھتا تھا۔ اس لئے آج بھی
اس کا نام زندہ ہے۔ اسی طرح تاریخ کے صفحات پر بہت سی
مثالیں مل سکتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آج بھی گذشتہ شخصیتوں
میں وہ ہستیاں زندہ ہیں جن کے اندر اخلاق حسنہ کی زبردست
طاقت کارفرما تھی اور وہ اپنے اخلاق کی بلندی و برتری سے قلوب
انسان پر حکمراں تھے۔ دنیا ور سے ان کی غلامی اور تابعداری کو لیتے

بقیہ برصفحہ ۱۰۳

صوفیائے کرام اور اشاعت اسلام



حضرت مکان ویلور

اسلام میں جو اہمیت علم دین کی تحصیل اور اسکی تعلیم کو ہے اشاعت دین اور تبلیغ کو بھی وہی اہمیت حاصل ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ علم دین حاصل کرنے کا اہم مقصد دین کی تبلیغ اور اسکی اشاعت ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون

سے ظاہر ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں دین کی تبلیغ اور اسکی اشاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی بلکہ آپ نے اپنے صحابہ کو بھی اسکی جانب توجہ دلائی، ان کے بعد اس مقدس فریضہ کو یعنی تعلیم کتاب و سنت کو ان کے نائبین یعنی علمائے حق اور صوفیائے کرام نے انجام دیا جیسا کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير و يامرون بالمعروف و ينهون عن المنكر حق تعالےٰ نے اس امت کی صلاح و فلاح کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ حق جل شانہٗ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی جو قیامت تک آنے والی ہر تبدیلی کا آسانی سے مقابلہ کرسکتی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس نے اس بات کا ذمہ لیا ہے کہ اس دین کو ایسے کامل اشخاص عطا فرمائے گا جو ان تعلیمات کو لوگوں میں منتقل کرتے رہیں گے۔ قیامت تک سلسلہ جاری رہیگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور صلعم کے بعد ہر زمانہ میں ایسی مخلص اور بے لوث ہستیاں وجود میں آتی رہی ہیں جنہوں نے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی تبلیغ میں پوری طرح کوشاں رہے۔ یہ علمائے کرام اور صوفیاء مشائخ ہی کی جدو جہد کا نتیجہ تھا کہ اسلام دنیا کے چپہ چپہ میں پھیل گیا۔ پہلے صوفی کی تعریف و توضیح کے سلسلہ میں علماء کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

عارف باللہ ایت من آیات اللہ سراج السالکین حضرت محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری قطب ویلور قدس سرہ اپنی گراں مایہ تصنیف جواہر الحقائق کے شروع میں تصوف کی تعریف سید وجیہ الدین علوی گجراتی صاحب حقیقت محمدیہ سے بحوالۂ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی نقل کرتے ہیں، کہ

التصوف هو ان يميتك الحق عنك و يحييك به جس کا حاصل یہ ہے۔

صوفی وہ ہے جو فانی فی اللہ باقی باللہ ہو۔ تصوف کے لغوی معنی ہے صوفی بننا۔ صوفیوں جیسی عادت بنانا۔ صوفی کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ صوفی کا لفظ ماخوذ ہے و صفاء سے، جس کے معنی صاف اور خالص کے ہیں، کیونکہ حضرات صوفیاء کے اسرار، احوال و معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک اور خالص ہیں۔ اس لئے ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک لفظ صوفی ماخوذ ہے صفہ سے، کیونکہ حضرات صوفیاء اپنے اوصاف و خصائل میں اصحاب صفہ کے مشابہ ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ صوف یعنی اون کا ہوتا تھا

اس لئے ان کو صوفی کہتے ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ستّر بدری (اصحاب بدر) کو دیکھا کہ ان کا لباس صرف اُون ہی کا تھا۔

شیخ عبداللہ ابن المبارک رح نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رح سے سوال کیا کہ صوفی کون ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا صُوفی وہ شخص ہے جس کے چہرے پر حیا ہو جس کی آنکھیں پُر نم ہوں، اس کے قلب میں صفائی ہو۔ اس کی زبان پر حمد و ثنا ہو۔ اس کے ہاتھ میں جود و عطا ہو۔ اس کے وعدہ میں وفا ہو اور اسکے کلام میں شفا ہو۔

محمد القصاب فرماتے ہیں۔ تصوف ان اخلاق کریمہ کا نام ہے جو بہترین زمانہ میں التصوف اخلاق کریمۃ ظہرت فی زمان کریم مع قوم کریمۃ اچھی قوم کے ساتھ ظاہر ہووے۔ بہر کیف اسلامی تصوف کا دار و مدار کتاب و سنت پر ہے۔ وہ اس سے باہر کی کوئی چیز نہیں۔ حضرت جنیدؒ بغدادی فرماتے ہیں علمنا ھذا مشید بالکتاب والسنۃ ہمارا یہ علم کتاب و سنت سے مستند ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل تصوف حضور کے زمانہ میں تھا مگر اس نام سے بعد میں موسوم ہوا۔ ابو الفرج علامہ ابن جوزی (جو شیخ سعدیؒ کے استاد تھے) دور رسالت میں اس نام کے موجود نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں، جو لوگ حضورؐ کے فیض صحبت سے مشرف ہوئے ان کے لئے صحابی کا نام بہتر تھا۔ ان کی اتباع کرنے والوں کا نام تابعی اور جنہوں نے تابعین کی اتباع کی اور اپنی زندگی کے لئے ان کے اعمال و افعال کو مشعل راہ بنایا وہ تبع تابعین سے موسوم ہو گئے اور یہ بہترین زمانہ شمار کئے جاتے ہیں۔ حضورؐ نے بھی ان زمانوں کے بہتر ہونے پر بزبان نبوت و رسالت ارشاد فرمایا تھا۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم اس کے بعد جن حضرات نے تبع تابعین سے شرف صحبت حاصل کیا ان کے لئے صوفی کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اسی طرح صوفی کا لفظ تبع تابعین کے بعد رائج ہوا۔ (بحوالہ دس ولی)

پہلے بزرگ جو صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے وہ ابو ہاشم ہیں جن کا وصال ۱۵۰ھ میں ہوا ان کے متعلق حضرت سفیان ثوری رح فرماتے ہیں لولا ابو ھاشم الصوفی ما عرفت دقیق الریا۔ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کی باریکیوں کو نہ جانتا۔ ان سے پہلے بہت سے صاحب تقویٰ لوگ گذرے ہیں لیکن کوئی اس نام سے موسوم نہ ہوا۔

عرب صوفیوں کی اس تحریک کی رہنمائی حضرت خواجہ حسن بصری رح نے کی۔ آپ ۲۱ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ بصرے میں پرورش پائی۔ اسی مناسبت کی وجہ سے بصری کہلاتے ہیں۔ یہ بہت بڑے عابد و زاہد تھے۔ آنکھیں ہمیشہ حزن سے پُر نم رہتی تھیں۔ خشیت الٰہی کا حد درجہ غلبہ تھا۔ آپ کے بارے میں امام شعرانی رح فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری پر خوف خدا اور خشیت الٰہی اس درجہ طاری تھا کہ گویا جہنم کی آگ صرف انہیں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ان کا یہ زہد و اتقا صوفی تحریک کے لئے قوت بخش ثابت ہوا۔ کیونکہ ان کا ہر کام کتاب و سنت کی روشنی میں تھا۔ دنیا کے سامنے انہوں نے اپنا یہ نظریہ پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادے، حرکت و سکون ظاہری و باطنی اعمال غرضیکہ ہر چیز سے باخبر ہے اور قیامت کے دن ہر ایک عمل کا مواخذہ ہوگا جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور، اسی طرح انہوں نے شریعت کی پابندی کو نفس اور روح کی ترقی کا ذریعہ قرار دیا۔ کیونکہ یہی نظریہ تصوف کی جان تھا۔ آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ بصرے سے دو تین کوس پر مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے۔

صوفی تحریک کا ابتدائی زمانہ بہت سادہ، اور

معاشرتی زندگی کے لئے نفع بخش تھا یہ لوگ روحانی مرشدوں سے تربیت حاصل کر کے آبادیوں اور بستیوں میں تبلیغ کرتے اور صوفی تحریک سے عوام کو روشناس کرائے تھے یہ لوگ ان کے سادہ کپڑے پہنتے تھے رفتہ رفتہ مسجدوں اور الگ مکانوں میں ان کے مرکز قائم ہوئے جہاں عبادت کے علاوہ نفسیاتی تربیت کی ترکیبیں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ ذکر و سماع کو سلسلہ چشتیہ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس سے ایک خاص وجدانی کیفیت طاری ہوتی تھی، اور اصلاح قلب و نفس کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ تیسری صدی ہجری تصوف کا علمی دور کہلاتا ہے اس دور کی مقدس ہستی شیخ المشائخ صاحب طریقت امام شریعت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادیؒ کی ہے، سید الطائفہ آپ کا لقب ہے خواجہ فریدالدین عطار لکھتے ہیں آپ نے اپنے دور میں تصوف کی اشاعت کی، علم کی تقسیم آپ ہی کے زمانے میں ہوئی یعنی شریعت کو علم ظاہر اور حقیقت کو علم باطن کا نام دیا گیا اور یہ بھی رائے قائم کی گئی کہ باطنی علوم سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ پھر آپ سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ پھر آپ سے تمام بزرگان دین یکے بعد دیگرے سینہ بسینہ حاصل کرتے چلے آئے۔ اسی مناسبت سے اس علم کو علم سینہ کہا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ شریعت سے انسان حقیقت کو پاتا ہے اور طریقت سے اسکو معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس نظریہ کی وجہ سے شریعت اور طریقت دو الگ چیزیں سمجھی گئیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس تنازع کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ شریعت و طریقت جداگانہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ ایک ہی منزل کے دو راستے ہیں۔ آپ کی وفات ۲۹۷ھ میں ہوئی۔

صوفی تحریک کی کامل اصلاح اور رہنمائی حجۃ الاسلام ابو حامد ابن محمد الغزالی نے کی آپ ۴۵۰ھ میں بمقام طوس پیدا ہوئے۔ اٹھائیس سال تک تمام علوم متداولہ میں کامل مہارت حاصل کی آپکے علم و فضل کی شہرت خوب ہوئی اور آپ مدرسہ نظامیہ بغداد میں منصب تدریس پر فائز ہوئے تمام مکاتب فکر کا گہرے طور پر مطالعہ کیا علمی حیثیت سے امام صاحب کو تصوف سے گہرا تعلق تھا آپ کا بڑا کارنامہ صرف یہ نہیں کہ آپ نے اپنی تحریر سے صوفیاء علماء کے درمیان مستقل رابطہ قائم کیا۔ بلکہ آپ نے تصوف کے لئے ایسے پختہ دلائل قائم کئے جو فلسفہ منطق اور دینیات کا سرمایہ تھے امام صاحب سے پہلے جو کتابیں تصوف پر لکھی گئیں تھیں، مثلاً قوت القلوب رسالہ قشیریہ وغیرہ اس میں اخلاق کا ذکر اس طرح ہے کہ صرف نام لکھ دئیے گئے ہیں۔ ان کی حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے۔ امام غزالی نے اس میں عنوانات قائم کر کے علمی طور پر اس فن کو مدون کیا آپ نے تصوف کو اسلامی تہذیب سے قریب کرنیکے کام اس شان سے کیا کہ تصوف اسلامی تہذیب کا ایک جزو بن گیا۔ آپ کے اس عمل سے اسلامی تہذیب کو بہت فائدے پہنچے سب سے پہلا فائدہ یہ ہوا کہ صوفی تحریک میں انفرادی طور پر سیرت کیلئے زور دیا جانے لگا۔ انہوں نے شریعت ظاہری پر عمل کر کے روحانی مسرت حاصل کرنا ضروری سمجھا امام صاحب نے ۱۴ ربیع الثانی ۵۰۵ھ میں بمقام طابران انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔

پانچویں صدی کے اواخر میں ایک انقلابی شخصیت نے صوفی تحریک کے پیکر میں نئی روح پھونک دی وہ بزرگ ہستی محی الدین ابن عربی کی ہے آپ اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اشبیلہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان علوم و فنون میں مہارت تام حاصل کیا آپ نے بہت سے ممالک کی سیاحت کی اور علمی کیفیات کا مشاہدہ کیا آخری عمر میں ملک شام میں مستقل طور پر قیام کیا اور ۶۳۸ھ میں بمقام دمشق میں وفات پائی آپ کی تصانیف کثیر ہیں جن میں فتوحات مکیہ فصوص الحکم اور تفسیر کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، حضرت ابن عربیؒ نے صوفی تحریک کو وحدت الوجود سے آشنا کیا جس سے تصوف میں ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوئی آپ کی اس تحریک سے تصوف پر کافی ترقی ہوئی۔ آپ کے اس مقصد کی تکمیل اور وضاحت شیخ عبدالکریم جیلیؒ نے اپنے شعر و نثر سے کی ان کی مشہور کتاب الانسان الکامل ہے آگے چل کر تصوف کو ایسی ترقی ہوئی کہ اس نے ایک ترتیبی نظام

کی تشکیل و صورت اختیار کر لی کسی صاحب دل مرشد کی بیعت کرنے کے بعد درویشوں کی جماعت ایک مدت تک ان کے پاس رہ کر روحانی مدارج طے کرتی اس مدت میں مرشد کی سیرت و کردار کو اپنانے کا موقع ملتا اور ان کے پند و نصائح مریدین کے قلوب کو جلاء بخشتے ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں خانقاہیں ایسا روحانی مراکز بن گئیں جہاں عوام و سلاطین دونوں اپنی عقیدت پیش کرتے تھے رفتہ رفتہ یہ خانقاہیں مسلم ممالک کے چپہ چپہ میں پھیل گئیں ان کا مقصد اپنے اپنے طریقے کے مطابق صوفی طرز تعلیم کو پھیلانا تھا۔ ان سلسلوں کا مقصد تصوف کے ذریعے اطاعت کا وہ جذبہ حاصل کرنا ہے جو شریعت کے نظام کا آخری مقصد ہے۔ ان سلاسل میں سب سے پہلا سلسلہ حضرت قطب الاقطاب حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات بابرکات سے نسبت رکھنے والا سلسلہ قادریہ ہے۔ آپ کے حالات مشہور اور زبان زد عوام و خواص ہیں۔ آپ کی پیدائش بغداد کے ایک قصبہ گیلان میں ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ آپ عربی لسانیت اور ادب میں کامل دستگاہ رکھنے والے عالم اور فقیہہ تھے آپ وعظ و نصیحت اور تعلیم و تربیت سے لوگوں کو صحیح راستے پر لاتے تھے۔ بغداد والوں نے آپ کی بڑی تعظیم کی۔ آپ نے بغداد قدیم کے باہر ایک بڑی خانقاہ قائم کر دی آپ وہاں عرصہ دراز تک لوگوں کی اصلاح اور تزکیۂ نفس میں لگے رہے آپکی وفات ۵۶۱ھ میں ۹۰ نود سال کی عمر میں ہوئی آپ کا مزار بغداد میں ہے۔ زیارت گاہ خاص و عام ہے آپکے بعد آپکی اولاد و مریدین سلسلہ قادریہ کے طریقہ اور تعلیمات کو لیکر دنیا میں پھیل گئے۔ آپ کی علمی فضیلت اور شخصی کمال کی بڑی دلیل یہ ہے کہ طریقت کے تمام سلسلوں میں آپ کا فیض جاری ہے۔ اور تمام بزرگوں نے اولیاء کبار کی فہرست میں آپ کو برتر تسلیم کیا ہے سلسلہ قادریہ کی بہت سی شاخیں ہیں شیخ احمد الرفاعی نے عراق میں سلسلہ قادریہ میں مجاہدات کے اضافے کے ساتھ سلسلہ رفاعیہ قائم کیا صدیوں سے سلسلہ قادریہ کی خانقاہ۔ اور چھوٹے بڑے مراکز ایشیاء اور یورپ کے کئی مقامات میں موجود ہیں۔

ہندوستان میں تصوف اور تبلیغ کا ایک ساتھ آغاز ہوا سب سے پہلے صوفی شیخ اسماعیل بخاری نے ہندوستان میں بڑے پیمانہ پر تبلیغ کی۔ آپ کے بعد شیخ علی ابن عثمان ہجویری نے جو داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں لاہور میں سلسلہ تبلیغ قائم کیا۔ آپ کی ولادت ۴۰۰ھ میں غزنی میں ہوئی آپ کے والد کا نام عثمان اور آپ کا نام علیؒ ہے آپکے گھر کے لوگ غزنی کے ایک قصبہ ہجویر میں رہتے تھے اس مناسبت سے آپ کو ہجویری کہتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنیکے بعد علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے لئے آپ نے شام عراق اور بغداد وغیرہ کا سفر کیا۔ آپ کو فقہ تفسیر و حدیث میں کامل تبحر حاصل تھا فقہی مسلک کے اعتبار سے آپ حنفی تھے۔ آپ کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے بہت محبت تھی۔ مسلک طریقت کے لحاظ سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے پیرو تھے۔ آپ کے مرشد حضرت خواجہ ابوالفضل ختلی غزنوی سلسلہ جنیدیہ کے بزرگ۔

علم تصوف پر آپ نے بہت کتابیں لکھیں ان میں کشف المحجوب کو زیادہ فوقیت حاصل ہے آپ نے صدہا صوفی کارکنوں کی تربیت کرکے ان کو ہر سمت پھیلایا آپ کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی آپ کا مزار پرانوار لاہور میں مرجع خلائق ہے۔

آپ کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ۵۳۷ھ میں مقام سیستان میں پیدا ہوئے۔ ملتان اور لاہور ہوتے ہوئے اجمیر آئے اور وہاں سکونت اختیار کی دین اسلام کی تبلیغ شروع کی آپ نے ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کو پھیلایا برصغیر ہندو پاک میں اکثر جگہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

ملتان میں شیخ بہاؤالدین ذکریہ ملتانی کی وجہ سے اسلام پھیلا آپکے جانشین رکن الدین عارف باللہ کے شاگرد خاص، سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت نے گجرات میں تبلیغ جاری کی دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے تعلیم و تربیت کا

مرکز قائم کیا۔ پھر خواجہ فریدالدین گنج شکر نے پاک پٹن کو تبلیغی مرکز بنایا۔ آپ کے ہمشیرہ زادہ مخدوم علاؤالدین صابر کلیری نے گنگا کے میدانوں میں تبلیغی کارکن تیار کیئے۔ خواجہ فریدالدین گنج شکر کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ہیں جو ہندوستان کے جلیل القدر صوفی تسلیم کیئے گئے۔ آپ کے اثر سے دھلی کی سلطنت کے نظم ونسق میں تبدیلیاں کی گئی۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ آپ سے جاری ہوا آپکے جانشین نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے سنہ ۱۳۵۶ھ میں اس سلسلہ کو مزید ترقی دی اور احمد آباد دکالپی میں اپنے مریدوں کے ذریعہ اسلام کی روشنی پہنچائی۔ آپ نے حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد محمد الحسینی گیسو دراز چشتی نے بیشمار کتابیں لکھیں۔ جن میں "معراج العاشقین" کا اردو کی قدیم کتابوں میں شمار ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلۂ قادریہ کو ہندوستان میں شاہ محمد غوث گوالیاریؒ نے اپنے زمانے میں کافی فروغ دیا۔

آپ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ حضرت شاہ الحمید قادری ناگپوری نے ناگور میں آکر کفر وضلالت کو دور کیا۔ سلسلۂ قادریہ پہنچے اس بزرگ کی وفات سنہ ۹۷۸ھ میں بروز جمعہ جمادی الآخر میں ہوئی ناگور شریف میں آپ کا مزار مرجع خاص وعام ہے، مدورا اور ترچناپلی سنہ ۴۱۲ھ میں حضرت طبل عالم پاشاہ المشہور نطھر الاولیاؒ کی وجہ سے اسلام پھیلا آپ ترکستان سے حجاز ایران اور شمالی ھند کی سیاحت کرتے ہوئے ترچناپلی پہنچے۔ وہاں کے لوگ آپ سے بہت متاثر ہوئے۔ حلقہ بگوش اسلام ہوتے ان کے مریدین خلفاؔ نے سنہ ۵۷۷ھ میں پلوکنڈہ میں تبلیغ اسلام کی اور وہاں کے راجہ کو مسلماں کیا۔ دھاروار میں حضرت ھاشم پیر گجراتی کے ذریعہ اسلام پھیلا۔

اسی طرح جنوبی ہند کے ایک مقام بیجاپور سے ایک بزرگ یعنی حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری۔ سنہ ۱۳۱۸ھ میں ویلور تشریف لائے اور آپ نے حضور صلعم کی بشارت اور آپ کے حکم سے مدرسہ مسجد اور خانقاہ تعمیر کی آپ کے خاندان میں مسند سجادگی پر فائز ہونیوالوں کو اللہ کی جانب سے مقام قطبیت عطا ہوتا رہا ہے۔ اس خاندان کے بزرگوں نے بدعت وگمراہی کا قلع قمع کیا۔ اور کئی کتابیں مختلف موضوع پر تصنیف کیں۔ اور دور دور کے مقامات مثلاً لندن کو ملکہ وکٹوریہ کے نام اسلامی دعوت کا پیغام بھیجا گیا۔ کئی راجہ مہاراجوں کو بھی اسلام کی دعوت دی گئی آپ نے دارالعلوم لطیفیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جو تشنگان علوم کو سیراب کر رہا ہے۔ انشاء اللہ تاقیامت قائم رہیگا۔ اس خاندان سے سلسلۂ قادریہ پھیلا اس طرح صوفیائے کرام نے دنیا کو علوم ظاہر وباطن سے منور کیا۔



شاہکار

منددرجہ ذیل شاہکار تقریر عالیجناب مولانا مولوی محمد طیب الدین صاحب اشرفی مونگیری بہار مصنف "انوارِ اقطاب ویلور قدس اسرارھم" نے دار التصنیف والاشاعت کے افتتاح موقعہ پر اپنے خاص محققانہ انداز میں کی تھی جو موصوف کے جذبات صادقہ کی آئینہ دار ہے جسے اب ھدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

ادارہ

نحمدہ ونصلے علےٰ رسولہ الکریم

اما بعد - دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے اندر میری حقیر و ناچیز خدمتوں کے تیسرا سال گذر رہا ہے - ان میں سال اول تو یقیناً میرا کورچشمی کی حالت میں گذرا اور پورے سال تک میرے دل و دماغ پر اجنبیت و غیریت چھائی رہی اور میں یہاں کے دن رات متحرک قدسی صفات و آرام فرما نورانی شخصیتوں کے مطالعہ سے قاصر اور قریب ہونے سے بہت ہی دور رہا - باوجود اس کے یہ مقدس پیکر اخلاق و اخلاص ہمیشہ اپنی نوازشات سے قریب ہونے کے اسباب سے دوچار فرماتے رہے خصوصاً مخلصی و مکرمی حضرت ناظم صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی ان خاص نوازشوں کا تہ دل سے ممنون و مشکور ہوں جس کے ذریعہ مجھے ان قدسیوں کو سمجھنا اور دیکھنے کا موقعہ ملتا رہا - سالانہ تعطیل میں جب آپ نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں

کہ آپ حضرات اقطاب ویلور قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی اور ان کے کارنامہائے علمی و دینی کا اجمالی خاکہ تیار کریں - اس اہم ذمہ داری کو انجام دینا میرے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا لیکن آپ کی عنایتوں نے ہر دشوار گذار موڑ پر میری رہنمائی و دستگیری فرمائی اور میں اپنے مقصد کی جانب بڑھتا رہا - مواد فراہم کرنے کے لئے ان آرام فرما بزرگوں کی تصنیفات کے دیکھنے کا موقع ملا اور وہیں سے مجھے اپنی لاپتہ منزل کا پتہ بھی ملا جس کو میں تازیست فراموش نہ کرسکوں گا -

ان بزرگوں کے علمی و دینی کارناموں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اتنی قلیل مدت میں اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا فرماتے ہوئے اہل بصیرت کے لئے گوہر نایاب کا بے شمار ذخیرہ چھوڑ جانے کے ساتھ ساتھ اس تاریک دور میں جبکہ حقیقت لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھی لاکھوں کو اوہام و ضلال کے

مہلک تباہ کن بھنور سے نکال کر ساحل نجات پہ پہنچایا۔

جن کے علمی و دینی خدمات کا ویلور نہیں، جنوب ہی کی نہیں، بلکہ عرب و عجم گواہ و معترف ہے، جنہوں نے اپنی مادی زندگی کی خوشیوں و رعنائیوں کو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی کی خاطر قربان فرمایا۔ ان صاحب حقیقت شخصیتوں کا کچھ اندازہ وہی نگاہ بصیرت کر سکتی ہے جس نے ان کی تصنیفات کے آئینہ میں ان کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جن کے نوک قلم نے اگر ایک طرف حقائق و عرفان شریعت و طریقت کے دقیق نکتوں کو سمجھایا تو دوسری طرف فلسفہ و منطق، ہیئت و ریاضی کے مشکل سے مشکل مسائل کو نہایت سنجیدہ طریقے سے حل کر کے رکھ ڈالا ہے۔ فنون علمیہ کے اکثر فنون پر ان بزرگوں کی تصنیفات کا ذخیرہ آج بھی موجود ہے جو بصیرت کے لئے نور، جویا کے لئے مقصود، بھٹکے ہوئے کیلئے رہنما، سائل کے لئے جواب، متعلم کے لئے معلم، بصیر کے لئے دیدہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کے لئے کسی برہان ودلیل کی ضرورت نہیں۔ یہی وہ بوریا نشین گدائے عیدروس صبور ہیں جن کے خلق و ایثار نے مردہ دلوں کو روح زندگی دی جنہوں نے حیات و ممات کا سلیقہ سکھایا۔ آج بھی جنوب کا ذرہ ذرہ سماعت والوں کے لئے ان حقیقتوں کا گویا ہے۔ میں اس حقیقت کے اظہار سے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ جنوب میں علم و عرفان کی صحیح روشنی انہیں صاحب ید بیضا کی ایثار و جانفشانیوں کے نتائج و ثمرات ہیں اور آج ساقی کی چشم مست دلوں کو وہی جلوے عطا کر رہی ہے جس کو سینکڑوں برس پہلے طالبان حقیقت نے دیکھا تھا بشرطیکہ کوئی حقیقت و عقیدت کی دیکھنے والی نگاہ ہو۔ وقت اتنی مساعدت نہیں کرتا کہ ان مقدس شخصیتوں کے پورے علمی و دینی کارناموں کا ایک حصہ بھی بیان کروں۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ جس وقت حضرت مولانا شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس وحشی مسکن میں قدم رکھا تو اس بے سر و سامانی کے ساتھ جیسے ایک مسافر چلتے ہوئے کسی درخت کے سائے میں لیکن اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے اس حق الیقینی کے ساتھ جو کسی دارا و سکندر کو میسر نہیں، خدا کی مرضی پر متاع زندگی قربان کرنے والا مسافر جب اس مقام پہ شب باش ہوتا ہے تو اس بے سر و سامانی کو دیکھ کر عفریت کائنات اس مسافر کی غریب الوطنی پہ مسکراتا ہے لیکن خالق کائنات کی فتح و نصرت اس کا قدم چومتی ہے اور رحمت مبارکباد پیش کرتی ہے۔ چنانچہ اسی شب تاجدار کائنات نے بشارت دی کہ میرے فرزند تمہیں یہیں رہنا ہے اس لئے کہ یہاں سے رحمت الٰہی کے چشمے پھوٹنے والے ہیں۔ اس کی رحمانیت و رحیمیت کا باڑا بٹنے والا ہے۔ دنیائے جنوب کو زندگی ملنے والی ہے۔ مئے توحید کا جام چھلکنے والا ہے، جس کے ساقی تم اور تمہاری اولاد ہوگی۔ خالق کائنات کی رحمت نے اس کام کے لئے تم اور تمہاری اولاد امجاد کو منتخب فرمایا ہے۔

لوگو سچ کہیں کہ ہر ستارے اور کائنات ارضی کا ہر ذرہ گواہ ہے کہ اس ارضی ماہ کامل کی ضیا بار کرنیں کس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلیں اور کیسے کیسے تاریک گوشوں کو روشن و منور فرمایا اور فرما رہی ہیں۔

آج کی مجلس میں انہیں مقدس افراد کے علمی و دینی کارنامے اور پاکیزہ زندگیوں کا اجمالی خاکہ انوار اقطاب ویلور کی

شکل میں ترتیب دیکر عالم میں روشناس کرانے اور اپنے لئے انہیں سے نور حقیقت کی بھیک مانگنے ان کی بارگاہ میں کھڑا ہوں جس کی افتتاح و تشکیل اسی آفتاب عالم کے ایک مقدس و برتر چشم و چراغ اعلحضرت عظیم البرکت حضرت مولانا ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالیہ کے ہاتھوں کی جارہی ہے، اور اس یقین کے ساتھ کہ مولیٰ تعالیٰ اس ادارے کا وجود اہل عالم کے لئے افاضے کا سبب بنائے اور ہر سال آرام فرما بزرگوں کی تصنیفات منصۂ شہود پہ لاکر اہل بصیرت و بصارت کو مقصود عطا کرتا رہے (آمین)

زبدۃ العارفین حضرت مولانا محی الدین ابن سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نازتالیف

جواہر السلوک کا ایک مختصر تعارف

از جناب سید صفی اللہ (ایم۔ اے) صاحب صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ آرٹس کالج ویلور ضلع شمالی آرکاٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب لاجواب موسوم بہ جواہر السلوک کے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حالات زندگی کے اس پہلو کو نمایاں کیا جائے جو آپ کے تبحر علمی کی نشان دہی کرے۔

حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور تعلیم و تربیت

آپکی ولادت باسعادت ۱۲۰۷ھ جمادی الآخر روز دوشنبہ بمقام ویلور ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا اور آٹھ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد کتب فقہ، عقائد، ادب و اخلاق، انشاء، منطق و کلام ہندسہ و ہیئت، ریاضیات، علم قرآن و حقائق و سلوک کی تکمیل کی۔ ان کے علاوہ نظریات، عملیات و طبابت اور فن حرب میں بھی دستگاہ حاصل کی۔ انیس [19] سال کی عمر تک ان تمام علوم سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ بیسویں اور اکیسویں سال میں کلام مجید کا حفظ فرمایا۔ پھر ایک مدت تک کتب تفاسیر و احادیث و تواریخ و سیر بزرگان وغیرہ کا بہ نظر تعمق مطالعہ کیا۔

۱۲۳۴ھ میں یعنی جبکہ آپ کی عمر ستائیس سال کی تھی، آپ مدراس تشریف لے گئے۔ یہاں آپ مولانا علاؤ الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو بحر العلوم مولانا عبد العلی کے داماد اور استاد شہر تھے اور علوم نقلی اور عقلی کی تکمیل کی۔ علم حکمت و ہیئت میں حضرت قطب ویلورؒ ید طولیٰ رکھتے تھے۔

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت قطب ویلور نے مولانا عبد العلی صاحب بحر العلوم اور مولانا باقر آگاہ رحمۃ اللہ علیہما سے بھی اکتساب علم کیا ہے لیکن اس کا امکان نہیں۔ اس لئے کہ مولانا باقر آگاہ ۱۲۲۰ھ میں اور بحر العلوم ۱۲۲۵ھ میں وفات پا چکے تھے اور حضرت قطب ویلور کا ۱۲۳۴ھ سے پہلے مدراس جانا ثابت نہیں ہے۔ بعد تکمیل علوم شرعیہ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے دست اقدس پر بیعت کی اور منازل سلوک طے فرمائے اور آپ کے والد کے انتقال کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔

تدریس و افتاء

حصول علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ بعد نماز فجر وظائف سے

اوراد اور صلوٰۃ اشراق سے فارغ ہو کر درس علوم دینی و حقائق و سلوک میں مصروف رہتے۔ اور بعد تدریس جوابات خطوط و استفتاء دست خاص سے تحریر فرماتے۔ آپ کے فتاویٰ کا ایک ضخیم دفتر موجود ہے۔ اس طرح آپ کے مکتوبات کی بھی ایک ضخیم جلد ہے۔

دعوت و تبلیغ

آپ کو اصلاح خلق کی بہت زیادہ لگن تھی ہفتہ میں دو روز آپ نے وعظ و تقریر کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ایک روز مردوں میں اور ایک روز عورتوں میں۔ آپ نے تقریر کے علاوہ تحریر سے بھی تبلیغ کا کام لیا ہے۔ ایک دعوت نامہ کوئین وکٹوریہ ملکۂ ہندوستان کو بھی بھیجا تھا۔

صاحب مقالات طریقت نے لکھا ہے کہ آپ نے اواخر عمر میں عربی، فارسی، ہندی انگریزی وغیرہ زبانوں میں کفار جزائر میداڈ در نصران و ہنود وغیرہ کے واسطے دعوت نامۂ اسلام چھپوائے اور مختلف مقامات کے راجاؤں کو روانہ کئے۔

سلسلۂ بیعت و خلافت

سلسلۂ تبلیغ کے علاوہ سلسلۂ بیعت بھی جاری فرمایا۔ عرب و عجم کے اندر لاکھوں حضرات نے آپ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ صاحب مقالات طریقت کے بیان کے مطابق آپ کے مریدین کی تعداد سات لاکھ تھی اور آپ کے خلفاء کی تعداد تقریباً پچاس تک بتائی جاتی ہے۔

آپ کا وصال مدینۂ طیبہ میں ہوا۔ غاب قطب القوم (۱۲۸۹ھ) مادۂ تاریخ وفات ہے۔

تصنیفات

مکتوبات اور فتاویٰ کے علاوہ تقریباً گیارہ تصنیفات آپ کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں سے بعض عوام الناس کی اصلاح کی غرض سے تحریر فرمایا ہے۔ ان میں اسلام کے بنیادی عقائد سے متعلقہ مسائل نہایت شستہ فارسی میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان رسالوں کے نام یہ ہیں:- (۱) تنبیہ الجاہلین ۲۔ صراط المومنین ۳۔ احیاء السنۃ، ۴۔ اصل العلوم۔ ۵) رسالۂ فطرہ

آپ کی دوسری کتابیں توحید و رسالت اور تصوف کے ادق مسائل پر مشتمل ہیں جن کے نام یہ ہیں:-

۶۔ احیاء التوحید

۷۔ غایۃ التحقیق — مسئلۂ وحدت الوجود کو دلائل عقلی و نقلی سے ثابت کیا ہے۔

۸۔ جواہر الحقائق — اس کتاب میں عالم کی ہر شئی کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے۔

انسان کی حیثیت اس عالم کے اندر اور مظہر اسمائے باری تعالیٰ پر بہت خوش اسلوبی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس کے چند نسخے کتب خانۂ لطیفیہ میں موجود ہیں۔

۹۔ فصل الخطاب — توحید و رسالت۔ ملائکہ اور اولیائے عظام کے مراتب پر بحث ہے۔

۱۰۔ رسالۂ الف مقام — سلوک کے ہزار مقامات کی تشریح

۱۱۔ جواہر السلوک۔ یہی وہ کتاب ہے جس کا مختصر تعارف اس مضمون کا موضوع ہے۔

جواہر السلوک

یہ آپ کی آخری تصنیف ہے۔ یہ کتاب چالیس فوائد اور چند ضمیموں پر مشتمل ہے۔ تصوف اور سلوک کے تقریباً تمام اہم مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ ضمیمہ میں سلوک کے ہزار مقاموں کو مختصر کرکے سو مقاموں کی تشریح جدولوں کے ذریعے کی گئی ہے اور پیری و مریدی سلسلوں کا ذکر الگ ہے۔ ضمناً چند بزرگان سلسلہ کے علمی اور دینی کارناموں کا بھی ذکر ہے۔

مصنف عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین کتب کی نوعیت کو اس طرح ظاہر کیا ہے:-

"یہ سلوک معنوی کے چند جواہر ہیں جو حروف و کلمات کی لڑی میں پروئے گئے ہیں اور سیر و سفر انسانی کے وہ بلند فوائد ہیں جو پردۂ غیب کے جلوہ گاہ شہادت میں لائے گئے ہیں — یہ رسالہ دریوزہ گروں کے کشکول کی طرح

گوناگوں نوالوں سے لبریز ہے اور درویشوں کی
گدڑی کی طرح الگ الگ ٹکڑوں کی ایک ہیئتِ
مجموعی ہے۔"

سببِ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے، کہ
اس رسالے کی تالیف کے محرک نواب والامناقب رفیع القدر
والمناصب امیر ابن الامیر امیر الدولہ بہادر ہیں۔ اس نیک
نہاد امیر کے اشتیاقِ حصولِ علم کا ذکر کرتے ہوئے ایک منظوم
قطعہ سپردِ قلم کیا ہے جس میں اس امیر کے لئے دعا کی گئی ہے اور
ضمناً سالِ تالیف بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔

سہ سال رقم رسالہ ظاہر   گردیدہ باسم پاکِ غافر

غافر کے لفظ سے تاریخِ تالیف سنہ ۱۲۸۱ھ نکلتی ہے۔ اس وقت
آپ کی عمر چوہتر (۷۴) سال تھی۔

رسالے کی اہمیت کے متعلق اتنا جان لینا کافی ہے کہ یہ
ان کی آخری تصنیف ہے اور زندگی کے آخری مرحلے میں لکھی
گئی ہے۔ مضامین کے فوائد اور ان کا تنوع معلوم کرنے کے
لئے نفسِ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے لیکن ناظرین کی دلچسپی
کے لئے ان کا ایک مختصر خاکہ پیش کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

راہِ سلوک کا مبداء معرفتِ نفس ہے اور اس سفر کے کچھ
مدارج اور مقامات ہیں۔ کچھ لوازمات ہیں جن کی پابندی سالک کے
لئے ضروری ہے اور کچھ احوال و کیفیات ہیں جو دورانِ سفر
میں سالک پر طاری ہوتے ہیں۔ ان سے متعلق چند بنیادی مسائل
ہیں جو اس قدر نازک اور اتنے دقیق ہیں کہ افہام و تفہیم کی گرفت
میں مشکل ہی سے آتے ہیں۔ ان تمام مسائل کو حضرت قطبِ ویلور
رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محققانہ انداز میں ایک خاص ترتیب
کے ساتھ بیان کیا ہے بعض مقامات میں بزرگانِ سلف کے
تلخیصات پیش کئے ہیں جو متعلقہ مسائل کی اہمیت پر دلالت
کرتے ہیں۔ ان مسائل کی مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں:۔

معرفتِ نفس۔ انواعِ سفر۔ سفر الحق و سفر العبد
اسفارِ اربعہ   وجودِ عالم۔ دائرۃ الوجود
حبِ عشقی و ایمان اور ان کے احوال۔ و مقامات
و نتائج و ثمرات۔ اصلیت انسان در عالم
انواعِ تجلیات۔ اقسامِ توحید۔ اقسامِ اربابِ
سلوک۔ اقسامِ ولایت۔ مسئلہ تجدد و امثال
و وحدت الوجود۔ و اندراج الکل فی الکل۔
تصحیح عقائدِ اہلِ سنت و جماعت۔ آدابِ ذکر وغیرہ

کسی مصنف کی شان اس کی تصنیف سے ظاہر
ہوتی ہے اور کسی رسالے کی شان کا اندازہ اس کے آغازِ
بیان سے لگایا جاتا ہے۔ حضرت قطب ویلور نے جس شاندار
انداز میں رسالۂ جواہر السلوک کا آغاز کیا ہے اس کی داد
نہیں دی جا سکتی۔ کسی فن پر کوئی کتاب پڑھی جائے یا
پڑھنے کی ترغیب دی جائے تو پڑھنے والے کے دل میں یہ
بات پیدا ہوگی کہ اس فن کی غرض و غایت کیا ہے اور کن فوائد
کا حامل ہے، جب تک یہ بات معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک
حصولِ فن کا شوق پیدا نہ ہوگا۔ اس لئے ہر کتاب کے آغاز
میں متعلقہ فن کے حصول کی غرض و غایت پر بحث کی جاتی ہے
لیکن فنِ تصوف کی کائنات ہی جدا ہے۔ جس طرح اس کی
منطقی تعریف مشکل ہے اسی طرح اس کی غرض و غایت پر
تبصرہ کرنا دشوار نہیں تو آسان بھی نہیں ہے۔ حضرت قطب
ویلور نے اس مقصد کے لئے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نہایت
عجیب ہے۔

آپ نے کتاب کا آغاز "انسانی طبقات کے مراتب" سے شروع
کیا ہے۔ بحیثیت اختلاف درجات انسانی طبقات کے تین مرتبے
ہیں۔ پہلا مرتبہ واصلوں اور کاملوں کا ہے جو سب سے اونچا طبقہ
ہے، دوسرا مرتبہ طریقِ کمال کے سالکوں کا ہے۔ یہ درمیانی طبقہ ہے۔
تیسرا مرتبہ ان لوگوں کا ہے جو دیدۂ نقصان میں مقیم ہیں۔ یہ نچلا
طبقہ ہے۔ پھر ان کی وضاحت یوں کی ہے۔ اربابِ وصل مقربین اور

سالقین ہیں - ارباب سلوک ابرار اور اصحاب یمین ہیں - اور تیسرے مرتبہ میں اشرار اور اصحاب شمال ہیں - اس کے بعد ہر مرتبہ کے مختلف طبقات بیان کئے ہیں اور بتایا ہے کہ ہر طبقہ میں کیسے انسان شامل ہیں - اپنے ہر بیان کو آیات قرآن و احادیث سے استدلال کیا ہے -

جواہر السلوک میں جن معرکۃ الآرا مسائل پر بحث کی گئی ہے ان کے پیش نظر آغاز کتاب میں مراتب طبقات انسانی کا بیان بادی النظر میں زیادہ دلچسپ نظر نہیں آئے گا لیکن مصنف رسالہ نے اپنے قارئین کے ذہن میں یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ طبقات انسانی کے مراتب کا وجود اس بات پر شاہد ہے، کہ حیات انسانی ایک نقطۂ جامد نہیں ہے - ارتقا اس کی جبلت ہے اور حصول کمال کی طرف اقدام اس کا فطری شوق ہے - اس کی ساری زندگی ایک سفر ہے جو مرتبۂ ادنیٰ سے مراتب اعلیٰ کی طرف جاری ہے - جو بالارادہ حصول مراتب کمال کی طرف اقدام کرے وہ سالک ہے - علم تصوف اسی سالک کی رہبری کرتا ہے - اور یہی اس کی غرض و غایت ہے سو

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائیہا شکایت می کند

اور پوری مثنوی اسی ایک شعر کی تشریح ہے - اسی طرح قطب ویلور نے اپنی تصنیف کا آغاز مراتب طبقات انسانی سے کیا ہے اور آپ کی ساری کتاب اسی اجمال کی تفصیل ہے -

صفی اللہ
ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ آف
اردو - گورنمنٹ آرٹس کالج
ویلور

سلسلۂ صفحہ ۱۳۳

من الناس ختار فی اطوارہ اللتی کانت مختلفة من حیث الخلق للمساواة، لا یحبونه ودفعة واحدة خرج مغیرة ابن شعبة فقال رجل فی طریقه السلام علیکم ایہا الامیر ورحمة اللہ وبرکاتہ ثم قال هو السلام علیکم مخاطبا لبقیة الناس فقال مغیرة لقد کان کذالک السلام علیکم عنی وعنه - وهکذا کان اتفاقهم ومواحدتهم بینهم ولا یمیلون رووسهم عند سلطان جابر ابدا - وکانوا فی اقوالهم واعمالهم ومشیهم وعدوهم مصداق اخلاق القرآن وتخلقوا فی انفسهم باخلاق اللہ بقوله تخلقوا باخلاق اللہ -

وهداهم اللہ بهدایة المخصوصة الی اعلی علیین بلغنا اللہ الی علو مرتبة سلف الصالحین بجاہ سید المرسلین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین -

سالقین ہیں۔ ارباب سلوک ابرار اور اصحاب یمین ہیں۔ اور تیسرے مرتبہ میں اشرار اور اصحاب شمال ہیں۔ اس کے بعد ہر مرتبہ کے مختلف طبقات بیان کئے ہیں اور بتایا ہے کہ ہر طبقہ میں کیسے انسان شامل ہیں۔ اپنے ہر بیان کو آیات قرآن و احادیث سے استدلال کیا ہے۔

جواہر السلوک میں جن معرکۃ الارا مسائل پر بحث کی گئی ہے ان کے پیش نظر آغاز کتاب میں مراتب طبقات انسانی کا بیان بادی النظر میں زیادہ دلچسپ نظر نہیں آئے گا لیکن مصنف رسالہ نے اپنے قارئین کے ذہن میں یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ طبقات انسانی کے مراتب کا وجود اس بات پر شاہد ہے، کہ حیات انسانی ایک نقطۂ جامد نہیں ہے۔ ارتقا اس کی جبلت ہے اور حصول کمال کی طرف اقدام اس کا فطری شوق ہے۔ اس کی ساری زندگی ایک سفر ہے جو مرتبۂ ادنیٰ سے مراتب اعلیٰ کی طرف جاری ہے۔ جو بالارادہ حصول مراتب کمال کی طرف اقدام کرے وہ سالک ہے۔ علم تصوف اسی سالک کی رہبری کرتا ہے۔ اور یہی اس کی غرض و غایت ہے ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

اور پوری مثنوی اسی ایک شعر کی تشریح ہے۔ اسی طرح قطب ویلور نے اپنی تصنیف کا آغاز مراتب طبقات انسانی سے کیا ہے اور آپ کی ساری کتاب اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

صفی اللہ
ہڈ آف دی ڈپارٹمنٹ آف
اردو۔ گورنمنٹ آرٹس کالج
ویلور

سلسلۂ صفحہ ۱۳۳

من الناس اختار فی اطوارہ اللتی کانت مختلفۃ من حیث الخلق للمساواۃ لا یحبونہ ودفعۃ واحدۃ خرج مغیرۃ ابن شعبۃ فقال رجل فی طریقہ السلام علیکم ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم قال ھو السلام علیکم مخاطبًا لبقیۃ الناس فقال مغیرۃ لقد کان کفاک السلام علیکم عنی وعنہ۔ وھکذا کان اتفاقھم ومواحدتھم بینھم ولا یمیلون رووسھم عند سلطان جابر ابدًا۔ وکانوا فی اقوالھم واعمالھم وشیمھم وعدوھم مصداق اخلاق القرآن وتخلقوا فی انفسھم باخلاق اللہ بقولہ تخلقوا باخلاق اللہ۔

وھداھم اللہ بھدایۃ المخصوصۃ الی اعلیٰ علیین بلغنا اللہ الی علو مرتبۃ سلف الصالحین بجاہ سید المرسلین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



ترجمۂ مکتوب

حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف المعروف بہ شاہ محی الدین صاحب قادری نقوی المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہ العزیز

مرشد الانام منبع الکشف والالہام حافظ القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوٰۃ اور سلام ودعا کے ملحوظ خاطر ہو کہ جناب کے مکرر عنایت نامے ۲۱ اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ کے تحریر کئے ہوئے موصول ہوئے۔ خیر وعافیت دریافت کر کے فرحت ومسرت ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک شافی حقیقی ہمیشہ آپ کو صحت مند وتندرست رکھے، موسم سرما کی صحت کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں ہے اگر گرمی کے موسم میں بھی صحت اسی طرح برقرار رہے تو غنیمت سمجھنا چاہیئے مختصر یہ کہ صحت کی طرف سے بے فکر نہ رہنا چاہیئے بلکہ اپنی پوری توجہ انہیں تدابیر کی طرف مبذول رکھنا چاہیئے جو پہلے تحریر کی گئی ہیں۔

وصیت کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا تھا سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حق جل مجدہٗ نے وصیت کو بندوں پر فرض قرار دیا ہے اور بلا کم وکاست وصیت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور آیت کریمہ میں لفظ غیر مضار وصی یعنے منیجر کے حق میں تاکید ہے تاکہ منیجر وصیت اور قرض کے معاملہ میں کسی کو نقصان نہ پہنچائے۔ اگر غیر مضار کی نسبت موصی کی طرف یعنی اصل ولی اور مالک کی طرف کی جائیگی، تو حکم قرآنی کے خلاف ہوگا۔ نیز دوسری وجہ یہ ہے کہ موصی یعنی مالک اپنے مال میں تصرف کرتا ہے اور جو شخص اپنے مال میں تصرف کرتا ہے وہ دوسرے کے لئے ضرر رساں کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اسے حق ہے وہ اپنے مال میں جسطرح چاہے تصرف کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مضار کا تعلق وصی سے ہے نہ کہ موصی سے۔ لہٰذا وصیت کو ثلث مال سے نافذ کرنا حکم قرآنی اور عقل انسانی دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن سے تو اس کا ثبوت کہیں نہیں ہے اور اگر مجتہدین کے اجتہاد، مفسرین کی تفسیر اور جمہور کی رائے سے ہو تو قرآن کے خلاف اجتہاد مجتہدین وتفسیر مفسرین کا کیا اعتبار۔

محب مکرم! جواب تحریر کرنے سے پہلے چند باتیں، بطور مبادیات جان لینا ضروری ہیں:-

ادلّہ شرعیہ چار ہیں۔ کتاب[۱]، سنت[۲]، اجماع[۳]، قیاس[۴] مجتہد۔ اگرچہ قرآن کریم تمام احکام شرعیہ کو جامع ہے۔ لیکن بعض احکام ایسے ہیں کہ طاقت بشری ان کے فہم سے عاجز ہے، اور اس کا ادراک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

ایسے احکام کو مخصوص کہتے ہیں۔ آیت قرآنی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول میں سنت کے اتباع کا حکم ہے اور بعض وہ احکام ہیں کہ غیر مجتہدین کا فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے وہ صرف مجتہدین کی کوشش واجتہاد سے ظاہر ہوتے ہیں ان کو مجتہدات کہتے ہیں آیت کریمہ فاعتبروا یا اولی الابصار، مجتہدین کے اجتہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ احکام کی اس قسم میں صحت اور خطا دونوں کا احتمال رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ یہ احکام مبہم رہیں تاکہ ائمۂ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق سخت اور آسان احکام کا استنباط و استخراج کریں اور متورع وغیر متورع اپنی اپنی طاقت کے مطابق تشدید وتخفیف پر عمل کریں اور بموجب اختلاف العلماء رحمۃ عوام و خواص سب اللہ کی رحمت کے سزاوار ہوں۔

حدیث شریف ہے الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیۃ ایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ یعنی جماعت کے ساتھ رہو جماعت کی دوری سے بچو تاکہ شیطان کے قبضہ میں گرفتار نہ ہو کیونکہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیا کی طرح ہے۔

دوسری حدیث ہے علیکم بالسواد الاعظم یعنی جمہور کی معیت کو اختیار کرو۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثیں، اجماع اور جمہور کے اتباع پر دلالت کرتی ہیں ایسی صورت میں مذکورہ تصریحات کی روشنی میں صرف کلام باری تعالیٰ پر اکتفا واقتصار، اور جمہور، اجتہاد مجتہدین اور تفسیر مفسرین سے استغنا کیسے ہو سکتا ہے۔ فقیر کو آپ کی اس تحریر سے سخت حیرت ہے دل سے سکون وقرار رخصت ہو گیا اور رگ حمیدی بھڑک اٹھی جس سے ناچار مجھے بھی سخت و سست کلمات لکھنے پڑے۔

سعادت اثر ونیک فرجام! حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد دوم ۵۵ مکتوب میں فرماتے ہیں۔ قرآن مجید عام احکام شرعیہ کو بلکہ تمام شرائع سابقہ کو بھی جامع ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض احکام شریعت ایسے ہیں جو عبارت النص، دلالت النص، اور اقتضاء النص سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اس کے فہم وادراک میں تمام اہل زبان ولغت برابر ہیں۔ احکام شرعیہ کی دوسری قسم وہ ہے جو اجتہاد واستنباط کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔ اس قسم کا فہم وادراک ائمہ مجتہدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان احکام اجتہادیہ کی دو قسمیں ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ چونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا لہٰذا اس زمانے کے احکام اجتہادیہ خطا اور صواب کے درمیان دائر نہیں تھے لیکن جو احکام مجتہدین کے اجتہاد سے حاصل ہوئے ہیں، وہ صواب وخطا کے درمیان متردد ہیں۔ لہٰذا زمانہ رسالت کے احکام اجتہادیہ قطعی و یقینی ہیں جو عمل اور اعتقاد کو مفید ہیں۔ اور زمانۂ وحی کے بعد کے احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل ہیں، موجب اعتقاد نہیں۔

احکام شرعیہ کی تیسری قسم وہ ہے کہ طاقت بشری جس کے فہم سے عاجز ہے۔ جب تک اللہ رب العزۃ کی طرف سے ان احکام پر اطلاع نہ کی جائے اس کا فہم ممکن نہیں۔ اس قسم پر اطلاع واعلام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے پیغمبر کے علاوہ اور کسی کو ان احکام پر مطلع نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ یہ احکام بھی کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں لیکن ان احکام کے مظہر پیغمبر

علیہ السلام ہیں، لہٰذا ان کو سنت کی طرف منسوب کیا گیا۔
جس طرح ائمہ مجتہدین کے احکام اجتہادیہ کو قیاس کیطرف منسوب کیا گیا کیونکہ قیاس ہی ان احکام کا مُظہر ہے۔ پس سنت اور قیاس دونوں مُظہر احکام ہیں۔ اگرچہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک رائے کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کا احتمال ہے۔ دوسرا اعلام حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے جس میں خطا کی گنجائش نہیں۔

جو لوگ احکام اجتہادیہ کے فہم سے عاجز ہیں، کلام کی دقت، پیچیدگی اور خفاء کی وجہ سے مجتہدین کے اجتہاد کو کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کو اصحاب رائے گمان کرتے ہیں تو یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ان حضرات کے علم و درایت اور فہم و فراست سے یہ لوگ بیخبر ہیں۔ ان کوتاہ نظروں کی جرأت پر افسوس ہے کہ اپنے قصور کو دوسرے کیطرف منسوب کرتے ہیں۔

؎ قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور
حاش للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ جو دین کے ستون اور اسلام کے سردار ہیں ان کے خلاف شان، زبان پر کوئی حرف لائیں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا و آزار پہنچائیں۔ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم۔ جو لوگ، اکابر دین کو اصحاب رائے سمجھتے ہیں۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ حضرات مجتہدین کتاب و سنت کی پیروی کے بغیر فقط اپنی رائے سے حکم لگاتے ہیں تو اس بنا پر اہل اسلام کا سواد اعظم ان کے زعم فاسد میں ضال و مبتدع ہوگا بلکہ زمرہ اہل اسلام سے خارج ہوگا۔ ایسا عقیدہ وہی شخص کریگا جو جاہل ہو اور اپنے جہل سے بھی بے خبر ہو، یا یہ خیال زندیق کریگا کہ جس کا مقصد احکام دینیہ کا ابطال ہے۔ ان ناقص اور کم مایہ لوگوں نے چند حدیثیں یاد کرلی ہیں اور احکام شرعیہ کو انہی میں منحصر سمجھکر اپنے معلومات کے علاوہ کی نفی کردیتے ہیں ؎

چوں آں کرمے کہ در سنگی نہاں است
زمین و آسمان او ہماں است

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مجمل و متشابہ احکام کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مراد واضح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ جب قرآن مجید کے معانی میں، نزاع، تاویل اور بحث و تمحیص کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے معانی کو سنن نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حل کرو، اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا طریقہ اور سنت نبوی، معانی قرآن کے فہم اور تعین میں سند اور دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

علمائے مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام میں تین ہزار حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ سنت سے ثابت ہیں۔ روافض و خوارج اور دوسرے فرقے جو سنت

نبویؐ کو پس پشت ڈالتے ہیں اور صحابہؓ کرام سے جو راوی
سنت ہیں بدظن ہیں، وہ ان احکام سے محروم ہیں۔ مثنوی

ہست سنت رہ جماعت چوں رفیق
بے رہ و بے یار افتی در مضیق

جو لوگ کتاب میزان شعرانی، کتب اصول، تفاسیر،
شروح احادیث اور دیگر اہل سنت والجماعت کی کتب حقہ
کا مطالعہ کریگا اُسے معلوم ہوگا کہ اجتہاد کے شرائط کیا ہیں،
مجتہد کون لوگ ہیں اور انہوں نے احکام ربانی اور احادیث
نبوی کی مراد دریافت کرنے کیلئے جس قدر محنت و مشقت
برداشت کی ہے جزاھم اللہ عنا خیر الجزاء۔

ماحصل کلام یہ ہے کہ جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی
سنت سے اور اجماع و اجتہاد سے جو کتاب و سنت کے لئے
مبین و مظہر ہیں اعراض کرتا ہے اور ہر ہر حکم جزئی کا ثبوت قرآن
سے چاہتا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ
کے مخصوص ایلچی یا قاصد کے حکم کو ٹھکرا کر بادشاہ کے فرمان کی
سند طلب کریں۔ مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ جب
کوئی حکم قرآن مجید سے معلوم نہ ہو تو پیغمبر کی حدیث اور سنت
خیر البشر سے معلوم کرینگے اور جب وہ سنت سے بھی معلوم نہ ہو تو
اجماع، جمہور اور اجتہاد مجتہدین سے دریافت کرینگے اور ان
احکام کی تلاش کیلئے کتب تفاسیر، شروح احادیث، کتب اصول
اور دیگر کتب اہلسنت والجماعت کا مطالعہ کرینگے اور اس فرقہ
ناجیہ کو جو سنت اور جماعت صحابہ کا پیرو ہے اہلسنت والجماعۃ
کہتے ہیں، اور فرقہ ضالہ کو جو سنت سنیہ، روایات صحابہ کو پس
پشت ڈالتے ہیں اور اجماع و مجتہدین کے خلاف قرآن مجید
ہیں اپنی ہوا و ہوس و خود رائی سے تاویلات کرتے ہیں بہتر
فرقے ہیں متفرق ہو کر راہ ضلالت کے رہرو ہو گئے ہیں
ان کو بدعتی اور اہل ہوا کہتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام
ہے کہ نصاریٰ باوجود اپنی گمراہی کے جمہور یعنی مجارٹی کی
متفقہ رائے اور فیصلہ پر عمل کرتے ہیں، اپنے علماء و مفسرین کے
اقوال کو جو زمانہ قدیم و جدید میں مرتب کئے گئے ہیں اپنی دستاویز
اور سند سمجھتے ہیں اور یہ بے بصر باوجود دعوی دینداری کے
اجماع، جمہور اور اقوال مجتہدین و علمائے راسخین کو جو کتاب
و سنت سے مستند ہیں طشت از بام کر دیتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

اس تمام طعن و طنز، ردو قدح کے بعد ہم اصل مسئلہ
وصیت کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے
کہ وصیت تہائی مال سے جائز ہے۔ ورثہ خواہ راضی ہوں یا نہ
ہوں تفسیر معالم التنزیل میں آیت وصیت "من بعد وصیۃ
یوصی بہا او دین" میں یوصی کے متعلق کہا ہے کہ اس میں قراء
سبعہ کی قرأت مختلف ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور ابوبکر نے
اس کو صیغہ مجہول کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح آیت میں
یوصی ثانیہ کو بھی مجہول پڑھا ہے۔ حفص نے صرف
دوسرے کو مجہول پڑھا ہے۔ باقی دوسرے قراء نے دونوں
جگہ صٓ کے کسرہ کے ساتھ یعنی صیغہ معروف پڑھا ہے۔ کیونکہ
سابقہ آیات میں میت کا ذکر ہو چکا ہے۔ "من بعد وصیۃ
یوصین" اور "من بعد وصیۃ توصون" یہ سب صیغے معروف کے
ساتھ ہیں۔ یہ قرینہ ہے کہ یوصی کا لفظ بھی معروف کے ساتھ
ہو۔ نیز معالم التنزیل میں غیر مضار کی تفسیر میں ہے کہ میت
تہائی مال سے زائد کی وصیت کرکے ورثہ کو نقصان نہ

نہ پہونچائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہائی مال کے وصیت کرنے
کی اجازت ہے۔ امام حسن نے غیر مضار کی تفسیر میں کہا کہ ضرر کی
صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض ادا کرنے کی وصیت کرے حالانکہ
وہ قرض اس کے ذمہ نہ ہو، اس طرح وہ دوسرے ورثہ کی حق
تلفی نہیں کرسکتا۔ قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ضرار کو حیات اور
نزع دونوں حالتوں میں ناپسند کرتا ہے اور اس سے ممانعت کی ہے۔

تفسیر مدارک میں یوصی بہا اولی اور ثانیہ دونوں،
صاد یں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مکی، شامی، حماد اور یحییٰ
سب کی قرأت اسی طرح ہے حفص نے یوصی ثانیہ کو فتحہ کے
ساتھ پڑھا ہے۔ یورث جو مجہول کا صیغہ ہے اسکی مجاورت
کیوجہ سے اور پہلے یوصی کو مکسور پڑھا ہے۔ یوصیکم اللہ
کی مجاورت کی وجہ سے باقی دوسرے قراء نے دونوں جگہ
کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مدارک میں یہ بھی ہے کہ غیر مضار
ترکیب میں حال ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی یوصی بہا
وھو غیر مضار لورثتہ وذلک ان یوصی
زیادۃ علی الثلث او لوارث۔

مدارک میں ہے کہ اگر یہ اشکال وارد کیا جائے کہ مجہول
پڑھنے کی صورت میں اگر غیر مضار حال مانا جائے تو ذوالحال
کہاں ہوگا، جواب یہ ہے کہ ایک اور یوصی معروف کے ساتھ
مقدر ہوگا اور اسکی ضمیر سے غیر مضار کا حال ہوگا۔ لانہ لما
قیل یسبح لہ علم ان ثم مسبحا فاضمر
یسبح۔ اسی طرح تفسیر جواہر اور تفسیر حسینی میں غیر مضار
کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ دراں حالیکہ میت ورثہ کو وصیت اور
دین میں نقصان نہ پہونچائے۔ وصیت کے اندر ضرر کی
صورت یہ ہے کہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے اور
دین کے اندر ضرر کی صورت یہ ہے کہ کسی کے قرض کا اپنے
ذمہ اقرار کرے جو درحقیقت اس کے ذمہ نہیں تھا۔ الغرض لفظ
یوصی میں قرأ کا اختلاف ہے، اکثر معروف پڑھتے ہیں اور بعض مجہول
لیکن اس اختلاف کے باوجود سب اس پر متفق ہیں کہ غیر مضار یہ
یوصی سے حال ہے نہ کہ وصی سے۔ چنانچہ آیات سابقہ میں یوصیکم
اللہ الخ ولکم نصف ماترک ازواجکم الخ ولہن الربع الخ لفظ یوصیکم اللہ،
یوصین، توصون اور یوصی اکثر قرأ کے نزدیک صیغہائے معروف
کے ساتھ ہے۔ ان تمام جگہوں میں موصی اور میت کے سوا اور
کوئی دوسرا فاعل نہیں ہے۔ لہٰذا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے، کہ
آیت زیر بحث میں بھی یوصی کا فاعل میت ہے۔ لفظ غیر مضار کو
وصی سے حال بنانا جیسا کہ آپ نے تحریر کیا اسکی کوئی وجہ نہیں ہے۔
بلکہ سیاق وسباق آیات کے بھی خلاف ہے۔

نیز حدیث شریف میں حضرت سعد وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی
مال سے زائد کی وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ پس یہ حدیث لفظ
غیر مضار کیلئے مفسر ومبین ہے۔

نیز ہبہ اور وصیت میں فرق ہے۔ اس لئے کہ ہبہ کے اندر
تملیک حالت حیات میں ہوتی ہے اور وصیت میں تملیک موت
کے بعد ہوتی ہے اور ائمہ کرام اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ ہبہ، عتق،
وقف، اور مرض موت کے وقت کے تمام عطیات ایک تہائی
کے ساتھ معتبر ہیں، تو جب مرض موت کے وقت کا ہبہ ایک تہائی
کے ساتھ معتبر ہے تو وصیت کیونکر ایک تہائی سے معتبر نہ ہوگی۔

اگرچہ آپ کا یہ کہنا درست ہے کہ موصی اپنے مملوک میں

وصیت کرنا ہے لیکن یہ واضح ہونا چاہئے کہ محض مملوکیت، نفاذ حکم کا موجب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابالغ بچے کا اور مجنون کا حکم اپنے مملوک میں نافذ نہیں ہوتا۔ دانشمند حکام، بے وقوفوں اور فاتر العقل ضعیفوں کے احکام کو ان کے مال میں نافذ نہیں ہونے دیتے، مالک کو تصرف کرنے سے باز رکھتے ہیں اور مال کو مالک کی حیات کے باوجود اولیاء و ورثہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر مالک حقیقی، موصی کے حکم کو تہائی سے زائد میں نافذ ہونے سے روک دے اور بمقتضائے حکمت، ورثہ کو اس کے ضرر سے باز رکھے تو اس میں کیا تعجب ہے۔ انہ ھو الحاکم العلیم والمالک الحکیم۔

یہ بھی واضح ہو کہ وصیت مستحب ہے، واجب نہیں آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت واجب تھی۔ جب آیت میراث نازل ہوئی تو وجوب وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا اسی وجہ سے اب ورثاء کے لئے وصیت صحیح نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث یعنی حق تعالےٰ نے ہر صاحب حق، کا حق میراث میں متعین کر دیا لہٰذا اب وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے۔ نیز حدیث شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے لا وصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ یعنی وصیت وارث کے لئے صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر باقی دوسرے ورثاء بھی اس پر راضی ہو جائیں تو جائز ہے۔

اس صورت میں وصیت کی فرضیت کا حکم جس کی طرف آپ نے سوال میں اشارہ کیا ہے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ اگر کسی پر دَین ہو یا کسی کی امانت ہو تو اس وقت وصیت کرنا واجب ہے۔

اوقات کی قلت اور اشغال کی کثرت جواب کی تطویل و تفصیل سے مانع ہے، زیادہ اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو، جہاں بھی رہو ؎

عمر بگذشت و حدیث درد من آخر شد
شب آخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

———

نعت شریف

از مولوی مسعود علی مرحوم محوی فتحپوری
بی اے علیگ

فطرت بجلوہ آمد و کارِ بہار کرد — از شرق تا بہ غرب زمیں لالہ زار کرد

بیدار کرد سبزۂ خوابیدہ راہزار — بانگِ نمازِ صبح چو از شاخسار کرد

تجدید کرد فاختہ لرزید شاخسار — تکبیرہ گفت کبک فغاں کوہسار کرد

آمد بروں ز پردۂ تقدیس شاہدے — کز بہرِ او زمانہ بسے انتظار کرد

مسکیں بعالم آمد و مسکیں بخلق زیست — مسکیں صفت ز عالمِ فانی گذار کرد

آں کاملے کہ از نظرِ کیمیا اثر — خاکِ سیاہ را زرِ کامل عیار کرد

آں سرورے کہ بے مددِ لشکر و سپاہ — آوارگانِ بادیہ را شہر یار کرد

بنمود چہرہ ظلمتِ شب گشت یکطرف — افشاند زلف بزمِ جہاں مشکبار کرد

با دوستاں نمود وفا جاں نثار ساخت — بر دشمناں فزود کرم شرمسار کرد

با ہر کہ بست عقد ولا استوار بست — با ہر کہ کرد عہد وفا پائیدار کرد

گویم چرا نہ صاف کہ در قیدِ آب و گل — بر خلق جلوہ رحمتِ پروردگار کرد

می خواست شوقِ سلسلۂ مدح را دراز — آمد ادب اشارہ بسے اختصار کرد

محوی دریں دیارِ غریب است و دلفگار
باید نظر بحالِ چنیں دلفگار کرد

پیشکش از جناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

فضیلت ذکرِ الٰہی و صحبتِ اہل اللہ



نحمدہٗ حمداً وافیاً بالنعم والصلوٰۃ علی شرف الخلق والسلام علی محمد نبیہ وعلی آلہ وصحبہ المنتخبین البررۃ الکرام وتبع التابعین العظام۔

قال اللہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ؕ

اے انسان! تو اپنے وجود پہ غور کر کہ دنیا میں تیرا وجود ہی نہ تھا تیری کوئی حقیقت نہ تھی۔ خالق لیل و نہار نے تجھے عدم سے وجود میں لایا اور تیرے لئے دنیا کی تمام چیزوں کو مہیا فرمایا۔ تو تو اس حالت پر اپنے پروردگار کو کس طرح بھول سکتا ہے۔ ہاں اگر تو انسان ہے تجھ میں سمجھنے کا ملکہ ہے، تو تو کبھی اس کو نہ بھولیگا اور اگر بھول لیگا تو تیرا وجود دنیا میں باعث ننگ و عبرت ہے۔

دیکھ! تیرے عبادت کرنے سے اللہ رب العزۃ کو کوئی فائدہ ہے اور نہ تیرے گناہ کرنے سے خالق کائنات کو کچھ نقصان پہنچتا ہے۔ پس جو کچھ تو کریگا وہ تیرے لئے ہے اس نے تجھے سمجھنے کے لئے عقل سلیم عطا فرمائی، پھر کیوں تو نہیں سمجھتا؟ یہ بات تو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ جب بھی تیرا وجود ختم ہوگا اور بارگاہِ خداوندی میں اعمال کی جوابدہی کے لئے تجھے پیش کرینگے تو بجز حسرت و یاس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا جس طرح کفار اس وقت حسرت کے ساتھ کہینگے یٰلیتنی کنت ترابا کاش کہ میں مٹی ہو جاتا تا کہ حساب کتاب کی نوبت نہ آتی۔ اس دن کا خیال کرو اور اپنے لئے دنیا میں کچھ توشہ تیار کرلے۔

اگر تجھکو دنیوی زندگی میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو خدا کو یاد کر کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو خدا کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ تیری اس مصیبت کو دور فرمائے گا۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمان مصائب میں مبتلا ہے لیکن خدا کی ذکر و عبادت سے غافل ہے اور قرآن مجید میں بھی موجود ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

اللہ رب العزۃ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کو دیکھو وہ ہمیشہ اس کو یاد کرتے رہتے ہیں اور ان کو اس طرح کرنا ہی ان کے لئے آرام و سکون کا سبب ہے۔ پس ذکر الٰہی ان کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا۔

بخاری اور مسلم کی حدیث جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ خدا کے مقرب فرشتے گھومتے پھرتے ہیں اور جس جگہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کو پاتے ہیں اپنے پروں سے ان پر سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔ جب انسان ذکر الٰہی سے فراغت پاتا ہے تو فرشتے آسمانوں

پر چڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرتا
ہے۔ (باوجود اسے معلوم ہے) کہ تم کہاں سے آئے ہو۔
عرض کرتے ہیں کہ ہم تیرے بندوں کے پاس سے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
دوبارہ پوچھتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ جواب ہوتا ہے کہ بندے
مجھے یاد کرتے ہیں۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ جواب
دیتے ہیں "سبحان اللہ" یعنی ہر عیب سے تجھ کو پاک بتاتے
ہیں، اور "اللہ اکبر" کہتے ہیں یعنی تجھکو سب سے بڑا مانتے ہیں۔
غرض اس مکالمہ کے بعد احکم الحاکمین ارشاد فرماتے ہیں کہ میں
تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا ہے۔

مذکورہ بالا احدیث سے ذکر آلہی کی بڑی اہمیت ثابت ہوتی
ہے۔ حقیقت ہے کہ ذکر آلہی سے دل روشن ہوتا ہے۔ روح میں تازگی
آتی ہے۔ جو لوگ ہمیشہ اسکی یاد میں لگے رہتے ہیں، وہ ہر رنج وغم سے مامون
و مطمئن ہوتے ہیں۔ نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں کی
ٹھنڈک فرمایا ہے اور جو چیز آنکھوں کی ٹھنڈک ہو وہ باعث راحت
وسکون ہوتی ہے۔ لیکن آج کا مسلمان نماز کو بارِ خاطر سمجھتا ہے
طبیعت پر جبر اور شاق محسوس کرتا ہے۔ یہ چودھویں صدی کے مسلمانوں
کا حال ہے اور اس پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے،
تف ہے ایسے مسلمان اور ایسی مسلمانی پر۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

شعر
کار شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں موجود ہیں جیسا
کہ ارشاد ہے فاذکرونی اذکرکم، اذکروا اللہ ذکراً کثیراً
غرض ہر انسان کو رات اور دن ہر حالت میں، حالت سفر
میں ہو یا حالت حضر میں، حالت غنا میں ہو یا فقر میں، حالت
مرض میں ہو یا صحت میں، سری طور پر ہو یا جہری طور پر، ہر حال میں خدا
کا ذکر کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر ایک سانس اور اس کی ہر ایک
نقل وحرکت کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ اگر انسان زندگی بھر اس
کی عبادت کرتا رہے تو بھی وہ اس کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔

قدیم زمانے کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ عمر عطا فرمائی
تھی۔ کسی کو پانچ سو سال کسی کو ہزار سال وغیرہ وغیرہ۔ وہ اپنی
تمام عمر کو خدا کی یاد میں گذارتے تھے۔ اسی سلسلے میں ایک بزرگ
کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی چار سو سالہ زندگی صرف عبادت
و ریاضت میں گذاری۔ جب موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا،
یعنی انتقال ہو گئے تو منکر نکیر کے سوال وجواب کے بعد حکم ہوتا ہے
کہ اس عابد کو دوزخ کے حوالے کردو۔ عابد صاحب سن کر حیران و پریشان
ہوتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ یا آلہ العالمین میں نے تو اپنی ساری
زندگی تیری عبادت میں گذاری اور پھر یہاں میرا یہ مقام؟، تو
حضرت احکم الحاکمین ارشاد فرماتے ہیں، بیشک تو نے اپنی ساری
زندگی عبادت وریاضت میں گذاری لیکن اس بنا پر اپنے کو جنت
اور دیگر انعام واکرام کا مستحق سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ ہم نے دنیا
میں تمھیں بہت سی نعمتیں عطا کیں، تم ہماری ایک نعمت کا بھی شکریہ
ادا نہ کرسکے۔ تو پھر یہاں کسی مزید انعام واکرام کی خواہش و امید
بالکل بے جا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ذکر وعبادت تو بہر حال ضروری
ہے لیکن عبادت کی وجہ سے اپنے تقدیس وپارسائی کا گھمنڈ
بہت خطرناک اور مہلک ہے۔ جب ان بزرگ کو تنبیہ ہوئی، تو
عاجزی وانکساری کے ساتھ اس کے فضل و رحمت کے طلبگار
ہوئے۔ اس وقت دریائے رحمت جوش میں آیا اور ان بزرگ

کی مغفرت ہو گئی۔

سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

طالب بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

یعنی اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اپنی خطا و تقصیر کی معذرت کرتا رہے کبھی تکبر و گھمنڈ کو دخل نہ دے۔ اسی میں فلاح و بہبود ہے۔

غرض اسی طرح ایسے بہت سے واقعات کتب سیر اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسی وجہ سے اسکی ذمہ داری اور فرائض بھی بہت اہم ہیں وہ جانور کی طرح بے لگام یا شتر بے مہار کی طرح بھی نہیں ہے۔ یعنی اپنے قول و عمل میں بالکل آزاد نہیں ہے بلکہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین و خوبصورت زنجیر اس کے ہاتھوں اور پیروں میں لگی ہوئی ہے اور آپ کی اطاعت و اتباع کا پھندا زیب حلقوم ہے۔ لہذا ہمارا کوئی بھی قول و فعل حدود شریعت سے متجاوز نہ ہونا چاہئے تاکہ ہم بیش از بیش رحمت خداوندی کے مستحق ہوں۔ ہر وقت اللہ کی یاد سے دل و دماغ کو زندہ اور روشن رکھو۔

اللہ کو یاد کرنے والے اہل اللہ ہوتے ہیں اور ان کی محبت و نگاہ کرم سے انسان مقام انسانیت پر فائز ہوتا ہے گویا یوں کہئے کہ اہل اللہ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی ہو بہو تصویر و تفسیر ہوتے ہیں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی کسی طاقت کا خوف و ہراس ان کے دل پر نہیں ہوتا اور وہ کلمہ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ چند اہل اللہ کی ظاہری حالت لباس و پوشاک تو ایک فقیر بے نوا کی طرح ہوتی ہے لیکن ان کا اندرونی حال کس کو معلوم بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ع

"ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں" کا مصداق ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کوئی شخص اللہ رب العزت سے ملنا چاہے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ اہل اللہ کی خدمت کرے۔ پھر پوچھا گیا کہ اللہ کے بھی اہل ہیں، فرمایا! ہاں۔ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا قرآن مجید پڑھنے والے اور اسکی تعظیم کرنے والے، جس نے اسکی تعظیم کیا تو اللہ تعالیٰ ان کا اکرام کرے گا۔ حقیقت میں اہل اللہ کی ظاہری حالت میں کوئی شان و دبدبہ نظر نہیں آتا۔ لیکن باطنی طور پر ان کا دل ایسا روشن ہوا کرتا ہے کہ دوسروں کی دل کی حالت اپنے قلب روشن سے ان پر منکشف ہو جاتی ہے اور وہ تمام احوال و واقعات آئندہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ عرض ہے۔ ایکمرتبہ والئ میسور ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ابو الحسن قادری محوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں نذرانہ روانہ فرمایا اور آپ کو شہر میسور آنے کی دعوت دی۔ نذرانہ کی رقم کو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس فرماتے ہوئے قاصد سے کہا کہ سلطان سے کہہ دینا کہ سلطنت خداداد کو چھ ماہ بعد زوال آنے والا ہے لہذا فقیر آنے سے قاصر ہے کیونکہ خلق خدا کہیگی کہ حضرت ابو الحسن محوی کے آنے کی وجہ سے اس سلطنت کو زوال آگیا۔ قاصد واپس چلا گیا۔ اس کے چھ ماہ بعد ہی حضرت ٹیپو سلطان شہید ہوئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا وہاں قبضہ ہوا۔

دیکھئیے چھ ماہ بعد ہونے والے واقعات کا آپ نے کس طرح ذکر فرمایا۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ان کے دل و دماغ روشن ہوتے ہیں۔

اسی طرح سید السالکین حضرت مولانا محی الدین شاہ سید عبد اللطیف قادری ذوقی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات بھی ایک دو عرض کرتا ہوں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اولیاء اللہ کی کیا شان ہوتی ہے اور انہیں آئندہ حالات سے اللہ تعالیٰ کیسے مطلع فرماتا ہے۔

ایکمرتبہ حضرت ذوقی رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے چند سال پہلے حاضرین مجلس سے فرمایا، اے لوگو! ایک بات کہہ رہا ہوں اس کو یاد رکھنا کہ آج سے تیرھویں دن یہاں کا ایک قطب دنیا سے اُٹھ جائے گا اور اس کے تین دن بعد قلعۂ ویلور پہ گولی چلے گی۔

چنانچہ رجب کے مہینے میں تیرھویں تاریخ کو جب آپ کا وصال ہوا اور اس کے تین دن بعد قلعہ پہ گولی چلی تو لوگوں نے یقین کرلیا کہ آپ ہی کی وہ مقدس شخصیت تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کا قطب بنایا تھا جن کے وصال کے بعد حاکم قلعہ پہ زوال آیا۔

اسی طرح ایکمرتبہ نواب والاجاہ نے آپ کے پاس عریضہ روانہ کیا اور اس میں یہ درخواست کی کہ یا شیخ اگر آپ کی اجازت ہو تو قلعۂ تنجاور پہ فوج کشی کروں۔ حضرت نے ان کو اجازت عطا فرمائی۔ حاضرین اس بات پر متعجب ہوئے اور عرض کئے کہ یا حضرت تنجاور کا راجہ نہایت ہی بہادر، لڑنے والی فوج اس کے پاس ہے اتنے بڑے زبردست راجہ سے مقابلہ ممکن نہیں۔ حضرت ذوقیؒ نے جواب میں فرمایا کہ تنجاور میں ایک بہت بڑے ولی قطب وقت کا مزار ہے۔ موصوف رات کو تشریف لائے، فرمایا کہ بحکم رب العالمین ولایت تنجاور اور اس کے قلعہ کی کنجی آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ کنجی میرے حوالہ کر کے وہ واپس تشریف لے گئے۔ میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے۔ جس کو چاہوں وہ قلعہ عطا کروں۔ لہٰذا میں نے نواب موصوف کو وہ قلعہ عطا کیا اور اس پہ چڑھائی کی اجازت بخشی۔ حسب اجازت نواب والاجاہ نے چڑھائی کی اور قلعہ فتح کیا۔

غرض حضرات اولیاء اللہ نے ذکر و فکر، طاعت و عبادت کے لئے اپنی ذات کو وقف کر دیتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی وہ خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتے، تمام معاملات میں پوری طرح وہ اللہ و رسول کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی انہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازتا ہے، اور جو ان حضرات کو ضرر یا گزند پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا شکار ہوتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ و بزرگانِ دین کے صدقہ و طفیل میں ہمیں بھی اپنے ذکر و عبادت کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے محبوب بندوں کے کفش برداروں میں ہمیں بھی شامل کرلے۔ آمین

شعر عرض ہے ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

الاتفاق فی عہد النبوۃ

فی ضوء النبی الرحیم

بقلم وحی فضل بن حسن متعلم فی الصف الخامس
دار العلوم اللطیفیہ ویلور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم وبہ الاعانۃ

الحمد للّٰہ بجمیل ثنایا والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وعلی آلہ المستکملین کل الثنایا واصحابہ المستجمعین لجمیع الصفات العلیا

اما بعد واللطافۃ الطبعیۃ ورقۃ القلب جوہر اصلی للسعید، وبا ولٰئک الاشیاء یقبل الانسان النصیحۃ والتعلیم والتربیۃ والارشاد والہدایۃ تشقائق الازہار بحرکت ریح الصبا الساکنۃ تتحرک ولکن لا یتحرک اصل شجرۃ بریح صرصر و شعاع البصر یمضی عن المرأۃ، ولکن لا تنفذ الرماح الفولادیۃ فی الجبال، وبعینہ کانت حالۃ الانسان ومن کانت طبعیتہ لطیفیۃ ورقیقۃ وقابلۃ للنصائح یقبل دعوۃ الحق بسہل ویسر ولکن من کانت طبعیتہ مفہوم قولہ تعالیٰ قاسیۃ قلوبہم غلیظ القلب، لا تؤثر علیہم المعجزات الکبائر مثل جبال الشم نفیس ہذا المفہوم شعر العلامۃ اقبال

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر

الاسلام قرابۃ اتحادیۃ یسوق الناس من بعید جدا الیہ، ویسلکہم فی سلسلۃ المحبۃ الدائمۃ وکان حسب المہاجرین والانصار مختلفا ولکن ہذا کان من اثر الاسلام الذی جعل بینہم المودۃ اللتی صاروا بہا اخوۃ وکانوا مشترکین فی مالہم وورثتہم ہذا ہو الحب من اللّٰہ وکانوا مشروبین لمشارب المحبۃ والمودۃ، کانت نتیجۃ الحب فی اللّٰہ انہ اذا عملوا عملا صالحا، یحبونہم اشد حبا للّٰہ وبخلافہ انہم یبغضون للّٰہ اشد بغضا وما من شیٔ یکرہونہ او یحبونہ الا للّٰہ، و نسوا لاجل عشق اللّٰہ مودۃ غیرہم وان احسنوا فللّٰہ، وان ابغضوا فللّٰہ، لما لم یکن عبد الرحمان ابن ابی بکرؓ مسلما۔ اقسم ابوبکرؓ ان لا یعطیہ من الوراثۃ شیئا۔

الزوجۃ محبوبۃ اکل ولکن مودۃ اللّٰہ و

الرسول أنشت هذه المودة الشديدة. كان
الصحابة رضي محبين للمسكين اشد وكان عبد الله
بن عمر رض لا يأكل الطعام بدون مسكين او فقير
او محتاج وايّما يمضي مسكين عند مائدتهم
فليبد عونه لشركة الطعام بلا تأمل ولا تجسس
وكانوا من الموافقة والمواحدة لا ينتقمون
من الأعادي. وحالنا انه اذا ابتلى عدوّنا
فنحسّ أن لا موقع لنا احسن منه فننتقم
منه ولكن محبة الله والرسول في قلوب الصحابة رض
قد ابعدت ورفضت منها البغض والانتقام كانت
المصاماة بين عائشة الصديقة رض وزينب رض بنت جحش
ولما اتهمت عائشة رض بحديث الافك نعوذ
بالله استعرف رسول الله ص زينب بنت جحش عن حالة
عائشة فقالت اتّقي واصون سمعي وبصري لا ادري
بها الا الخير فقد كانت عائشة صديقة تعترف
هي بها وهي اللتي قالت بزينب بانها اللتي
تصاميني فعصمها الله بالورع. والانتقام في
الحرف حتى ان الصحابة الكرام كانوا من الاتحاد
والاتفاق بينهم لا يبغضون بين اعاديهم
واذا تتبّعنا الواقعة انه قد قتل معاوية
ابن خديج أخا عائشة محمد ابن ابي بكر وذات
مرتبة كان قائد العسكر فسألت عائشة رجلا
باحواله في المعركة. وكيف كانت سلوكه في الغزو
فقال ليس فيه عيب مّا كان الناس كلهم مادحيه

وقد كان سلوكه بالعسكر نهاية رقة ولطف
انّه اذا قتل حسان من عساكرنا فيعطي
بدله حسانا آخر وان أبق او هرب غلام
استجره بغلام آخر فقالت استغفر الله
العظيم. أأستبغضه بقتل اخي محمد رضي
الله عنه كلا. فإني قد سمعت من رسول الله
صلى الله عليه وسلم يقول في الدعاء اللهم
من كان يرحم على امتي فارحم عليه ومن كان
يشتدّ على أمتي فاشتد عليه او كما قال النبي ص
وكانوا في المعافاة مفهوم هذه الآيت :-
"الكاظمين الغيظ والعافين عن الناس".

لما استفاز عروة ابن مسعود بفيض صحبة
سيد الكونين بالاسلام دعا قوم وطنه
الطائف الى الاسلام. فكان القوم اعداءه بمحض
دعوته الناس الى الاسلام. وانفقوا على قتله
ولما اذن وقت الفجر فطعنه رجل من حيّ بني
مالك وأجرحه وصارت هذه الجراحة منجرّة
له الى الشهادة ولما عرف اهل بيته بامره وجاؤا
مسلّحين بالاسلحة يقولون نشهد كلّنا
دفعة بعد دفعة حتى اذا لم نقتل عشر رؤوس
بني مالك بعوض ابن مسعود. فقال عروة لا تفسدوا
في الارض بالقتل والجدال قد عفوت دمي
للمصالحة بينهم. وقد كان ابتداء التمدن
والتهذيب بصلة الرحم وان رفض الاب الابن

او الابنُ الابَ، او الاخُ الاخَ کان الحیوان افضل
من نوع الانسان قد کانت صلۃ الرحم اھمّ مقصودھم
فی معیشتھم وکان مسطح من قرابۃ ابی بکرؓ
ولھذا کان فی کفالۃ ابی بکرؓ وقد اعطت حفصۃؓ
بیتھا لبنت زید ابن الخطاب الی آخر عمرھا وکانت
زینب باھلھا وقرابتھا اشد صلۃ الرحم تقول عائشۃ
الصدیقۃ بھا لم ار امراۃ قط خیرا فی الدین من
زینب واتقی اللہ واصدق حدیثا واوصل الرحم،
وکان عمر الخطاب یقول وقت الصبح لاولادہٖ
العبوا متفرقا وان لعبتم مجتمعین تفسدوا و
تقطعوا الرحم ولما ھاجر اسماء رضی اللہ عنھا الی المدینۃ
فجاءت امھا التی کانت کافرۃ فسألت ان تعینھا
بالمال فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ،
ایجوز لی ان اعینھا فقالؐ بلی۔ ولما کانوا بالاحباب
بھذا الاتحاد وصلۃ الرحم فبوالدیھم اشدّ
صلۃ الرحم وبرا بوالدیھم وکذا کانوا یحبون احباب
والدیھم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابرّ البرّ ان
یصل الرجل ودّ ابیہ۔

وکان الاصحابؓ عاملین علی ھذا الحدیث
اشد عمل لانہ مرتبۃ کان عبداللہ ابن عمرؓ فی
السفر فصادف فی الشارع من اعرابی فوھبہ عمامتہ
ورکب علی حمیرہٖ فقال الناس اما ھذا۔ فبدویٌّ
ارتضی بنقیر شیئٍ قال کان ابوہ حبیبا لابن
الخطاب وقد جاء فی الحدیث حبُّ اولادِ احبابِ
الابِ خبیثٌ۔

وکان الاصحابؓ باخوانھم احبّ، تُوُفِّی عبدالرحمٰن
ابن ابی بکر فی مقام حبشی ودفن بمکۃ فجاءت
عائشۃ بفرط المحبت الی زیارتہٖ وانشد ھذہ
المرثیۃ ؎

وکُنّا کندمانی جذیمۃ حقبۃً
من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانّی ومالکًا
لطول اجتماعٍ لم نبت لیلۃً معا

کذالک یحبون الیتمی انھا یتہ محبتہ
وکفالتھم افضل الاعمال وقد جاء فی الحدیث
"انا وکافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ"۔

وکذالک محبۃ الازواج کانت موثقۃً فی
نساء الصحبۃ مخلوطۃً جدًا۔ وعاتکۃ زوجۃ
عمر ابن الخطابؓ ایما یکون زوجھا من القوم
تقبّل بفرط المودۃ رأسہٗ کانت عاتکۃؓ تحب
حبًا شدیدًا لزوجھا الاول فلما شھد فی
غزوۃ طائف فکتبت عاتکۃؓ مرثیۃ مؤلمۃً
وکان فی تلک المرثیۃ ھذا الشعر ؎

تألیتُ لا تنفکّ عینی حزینۃً
علیک ولا ینفک جلدی غبارًا

وکانت الصحابیات لازواجھن نھایتہ
محبّۃٍ یعلمن بان خدمت الازواج فرض علیھن
ویاتینھا بحقوقھا ومن الازواج المطھرات

كانت عائشة الصدّيقة اشد محبوبة
لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن لا يتأثر
فى خدمته شيئًا مّا قد حصلت لها من الشرف
بالخدمته مالم يحصل لغيرها، كانت الصحابة
بجيرانهم يعاشرون باطيب طراز ولا يفرقون
فيهم الكفار والمسلمين، وكان رجلٌ من
الناس تيعاشر من جاره بذم واذية فا
ستقبحهُ الصحابة وذات يوم جاء الرجل
الى جناب رسول الله ص فاشتكى الى رسول الله ص
بانّ جاره يؤذنيه فامره صلعم ان اذهبْ
الى بيتك واخرج من البيت كل اثاثك واسبابك
والقِ على الشارع العام فعمل بها فلما بصر بها
الناس سئلوه ما هذه التماثيل؟ قال جاري
قد آذانى فقال الصحابة لعنهُ الله فلما سمع
هذا الخبر اذا جاء فقال له إمشِ الى دارك
الّا لا اؤذينّك منذ اليوم ابدًا۔

وكانت بين الاصحاب فى عهد النبوة ﷺ
محبة والفة ولهذا ان بلغت لاحدٍ من الصحابة رض
رزيّة فيرحم عليه فيتمّم حوائجهُ ولما
اجرح ابن لولو عمر ابن الخطاب فقد كانوا قد
حزنوا عليه حزنًا شديدًا فكانما لم تنزل
عليهم مصيبة قبلها بكت عائشة امّ المومنين
وجاء صهيب رض وطفق يبكى قائلاً واخياه! واخياه!!
وذات يوم خرج الصحابة مع رسول الله ص لزيارة
الشهداء فلما صعدوا على الجبال بصروا القبور
فقالوا بلهجة المحبة يا رسول الله ص! هذه
القبور لاخواننا؟ فقال ص نعم قبور اصحابنا۔

كانوا فى الرزايا والشدائد والآفات يعينون
على نوائب الحق، يذكر كل من الناس فى الحرب
نفسه ولكن الاصحاب يلقون نفوسهم لوقاية
غيرهم وروى ابو قتادة نظرت فى غزوة الحنين
يصول الكافر على المسلم فجلتُ ودُرتُ من خلفه
وضربت من جانب ظهره بالسيف على قفاه فتقدم
علىّ وصال على حلقومى واكاد اشم رائحة الموت
وبالاخر قتلنى۔

وكانت الجوارى من النساء تعينون على نساء
مجاوريهن لسبب اتفاقهن وكانت اسماء رض لا
تعلم ان تشوى الخبز فكانت النساء من مجاورها
يطبخن لها الخبز۔

وانّما تشتكى النساء يشتكين عند عائشة
الصديقة وتقول هى لرسول الله ص بوجهٍ شديدٍ
تشفعُ عندهُ لهن ويومًا جاءت عندها امرأة لابسة
خمارًا مخضرًّا ونزعت ثيابها۔ وابصرت ظهرها وقالت
هذه العلامات من ضرب زوجى حتى انها كانت
خطاً ازرق فلما جاء صلى الله عليه وسلم فقالت
عائشة التكاليف اللتى، تحملها النساء لا
ادرى فى حيوتى مثلها يا رسول الله ص انظرت !
قد كان لون ظهرها من اثر الضرب ازرق من خمارها

وکانوا یشارکون فی الحزن والمصیبۃ اذا نزلت بغیرھم قد صیّرھم الاتحاد والمواخدۃ فی الرزیّۃ والمصیبۃ کمثل قلب واحد وروح واحدٍ، ولھذا کانوا یتحملون کثیراً من الشدائد اذا نزلت الرزیّۃ بغیرھم ویظنون ان الشدائد کانما نزلت بانفسھم وکانوا کالجسم الواحد اذا یجرح عضو تألم الجسم کلہ،

ولما قال اللہ تعٰ بشأن اھل الجنان" وحسن اولٰئک رفیقاً" کان الاصحابؓ عبیدۃ المخصوصین ولھذا انطبقت علیھم ھذہ الآیۃ فی الدنیا ولما طلب رافع ابن عمرؓ ابوبکرؓ رفیقاً صالحاً فی الغزوۃ وجد بحسن الاتفاق ابا بکرؓ الصدیقؓ رافع ابن عمروؓ لشرف الرفاقۃ یبیّن فی قولہ انہ کان ابوبکرؓ یرقدہ علی فراشہٖ ویغطی علیہ ویلفہ بردائہ فقلت لہ علّمنی قولاً استفید بہ فی الدنیا والاخرۃ قال ابوبکرؓ واعبداللہ ولا تشرک بہ شیئاً وصلّ صلاتک وتصدّق بما لک انکان لک مال واھجر من دار الحرب ولاتکن حاکماً علی شخصین، وقال صلعم من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا فلیس منا"، ولھذا کانوا اشداد بابا العالمین، وکانوا یحبون اصدقاءھم ویلاقون ھم وتتأثر باثر ملاقاتھم فی نھایۃ المحبۃ غایتھا وکانت بینھم اشد مودۃ، ویریدون ارتقاءھا ولذالک یکثرون الملاقاۃ بینھم۔

وکانت الصحابۃ رضی اللہ تعٰ عنھم یحسبون ان عیادۃ المریض فرض علیھم ودفعۃً مرض سعدؓ فقال صلی اللہ علیہ وسلم من منکم یعیدہ مع کونھم فی غربتھم وفقرھم لایجدون نعلاً ولا خفاً وما لھم طربوش علی رؤوسھم ولا ثوب علی ابدانھم ومع ذالک کلہ عادہ بضعتہ عشر صحابۃ ماشین علی الحرۃ الھجیرۃ۔

وقولہ عزوجل واذا حُیّیتم بتحیۃ فحیّوا باحسن منھا۔ وان کان ھذہ فقرۃ مختصرۃ لکن ھذہ لجلب المحبۃ یحکم عمل تسخیر ولھذا کثیر من الصحابۃ یکثر وبھا قال فی مقام آخر۔

یاایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اھلھا۔ ولھذا لما ھاجر النبی صلعم تعلم الناس اولاً ھذہ بقولہ یاایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وتدخلوا الجنۃ بسلام، وکانت معیشۃ الاصحاب عین ھذہ الآیۃ۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ وفی غزوۃ عطش الاصحاب شدیداً وخرجوا یطلبون الماء فلاقوا عجوزاً کان معھا الماءُ۔ فاستعملوہ واعطاھا صلعم عوضہٗ ومع کونِ اعطاءِ العوض کانوا یذکرون احسانھا ابداً وکانوا یحسنون الظن بکلٍ ودفعۃ اشتکی اھل الکوفۃ فی خدمتہ عمر ابن الخطاب ان سعید ابن ابی وقاصؓ لایصلی صلوۃ صحیحۃ فلما استظرفہ عمر ابن الخطاب قال اتبع کل المتابعۃ رسول اللہ صلعم فقال وھذا کان ظنی بکم۔

وکانوا یتعاشرون بطراز المساواۃ وان احد

بقیہ بصفحہ ۱۱۷

حضرات صوفیاء کرام میں حضرت قطب ویلور کا علمی مرتبہ

از
افضل العلماء مولانا الحاج محمد یوسف صاحب کوکن
M.A. ایم لٹ
صدر شعبۂ عربی فارسی اردو
مدراس یونیورسٹی مدراس

زبدۃ العارفین وعمدۃ السالکین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی المشہور بہ **قطب ویلور** قدس سرہ کے وصال پر آج پورے، **ایک سو سال** گزر چکے ہیں۔

آپ ۱۴ جمادی الاخری ۱۲۰۷ھ کو شنبہ کے دن ویلور میں پیدا ہوئے اور ۱۱ محرم ۱۲۸۹ھ کو پنجشنبہ کے دن مدینۂ منورہ میں وفات پائی

اُس وقت آپ کی عمر ۸۱ اکاسی سال کی تھی۔ گذشتہ ایک سو سال میں علمی تحقیقات وتدقیقات میں جو غیر معمولی ترقی ہوی ہے اس کا ہر ایک کو اندازہ ہے۔ علم تصوف پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے، مگر عملی تصوف باقی نہیں رہا۔ جب ہم ان علمی تحقیقات کے بلند مینار پہ کھڑے ہو کر ماضی کی تاریخ پہ ایک نظر ڈالتے ہیں تو صوفیاء کرام کی جماعت میں حضرت قطب ویلور کی حیثیت اب بھی بہت جگمگاتی نظر آتی ہے۔ آپ کا علمی مرتبہ بہت نمایاں ہے۔ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ کم از کم جنوبی ہند میں **قطبیت** آپ پہ ختم ہو گئی ہے۔ آپ کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس میں علمی اور عملی تصوف مجتمع پایا جاتا ہو۔

آپ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ شہر ویلور اپنا علمی وقار کھو چکا تھا۔ علماء و فضلا کھینچ کر مدراس پہنچ چکے تھے، ویلور کی بجائے اب شہر مدراس ایک بہت بڑا علمی مرکز بن گیا تھا۔ اُس وقت مدراس میں حضرت مولانا باقر آگاہ ویلوری کا طوطی بول رہا تھا۔ اسی سال شیعہ سنی بحث جاری ہوی تھی، جو پورے نو سال تک چلی۔ نہ صرف شہر مدراس میں بلکہ ویلور میں بھی ایک ہیجان برپا تھا۔

جب ۱۲۱۶ھ میں نواب عظیم الدولہ فرزند نواب امیر الامراء گدی نشین ہوئے تو سنیوں اور شیعوں کی یہ چپقلش یکلخت بند ہو گئی۔ اگرچہ قطب ویلور کا یہ بچپن کا زمانہ تھا، تاہم قیاس کہتا ہے کہ حضرت آگاہ کے ان علمی چرچوں اور بحثوں کا قطب ویلور پہ ضرور اثر ہوا ہوگا۔

آگاہ کے علاوہ شہر مدراس میں ایک اور عظیم الشان شخصیت حضرت ملا عبد العلی بحر العلوم کی تھی۔ آپ ۱۲۰۷ھ میں نواب محمد علی والا جاہ کی درخواست پر بوہر بہار سے مدراس تشریف

لائے تھے اور پھر یہاں مسلسل اکیس سال تک علم ودین کی خدمت کی اور ۱۳ رجب سنہ ۱۲۲۵ھ کو آگاہ کی وفات کے پانچ سال بعد انتقال کیا۔ مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر المتوفی سنہ ۱۲۳۸ھ دیوان نواب عظیم الدولہ بہادر انہی کے ایک نامور شاگرد تھے۔ بحر العلوم ایک منطقی اور اصولی کی حیثیت سے مشہور اور معروف ہو چکے تھے۔ علم تصوف سے بھی انہیں بڑی گہری دلچسپی تھی۔ مثنوی مولانا روم کی فارسی میں شرح لکھی تھی اس کے علاوہ وحدت الوجود اور تنزلات ستہ پر ان کے دو مشہور رسالے تھے۔ اکثر لوگ انہی سے علمی استفادہ کررہے تھے۔

قطب ویلور نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی اور پھر صرف و نحو، فقہ و عقائد، اخلاق و آداب منطق و فلسفہ و کلام، قصائد و انشاء، ہیئت و ہندسہ، حساب و مساحت، علم اصول و فرائض، حقائق و سلوک اور علم طبابت کی متداول کتابیں پڑھیں۔ جب سنہ ۱۲۲۶ھ میں ان سے فراغت حاصل کی تو دو سال تک قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے ساتھ تفسیر و حدیث، سیر رجال، ملفوظات بزرگان و تواریخ گزشتگان کا مطالعہ جاری رکھا۔ نیز فرق باطلہ اور اہل کتاب کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئی تھیں ان کا بھی مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور جب ان سے بھی علمی پیاس نہ بجھی تو سنہ ۱۲۳۴ھ میں مدراس آکر ملک العلماء مولانا علاؤ الدین احمد شارح فصول اکبری و داماد ملا عبد العلی بحر العلوم اور مدرسہ کلاں مدراس کے دوسرے اساتذہ سے مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ وہ آٹھ سال تک مختلف کتابیں پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ۵ شعبان سنہ ۱۲۴۲ھ کو فراغت کی سند حاصل کی۔

دوران تعلیم میں آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی تھی کہ دہلی جاکر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی المتوفی سنہ ۱۲۴۸ھ سے بھی استفادہ کریں۔ ان کی مشہور کتاب تحفۂ اثنا عشریہ سنہ ۱۲۲۶ھ سے پہلے مدراس پہنچ چکی تھی اور سراج العلماء مولوی محمد سعید اسلمی نے الصولة الحیدریہ کے نام سے اس کا عربی میں ترجمہ کردیا تھا۔ یہ ترجمہ ۵ شعبان سنہ ۱۲۲۷ھ کو ختم ہوا تھا۔ اسکی وجہ سے فطری طور پر بعض طلبہ کو یہ شوق پیدا ہوا تھا کہ دہلی جاکر ان سے تعلیم حاصل کریں۔ حضرت قطب ویلور کی والدہ ماجدہ بی بی آمنۃ المجید نے نصیحت کی اور کہا پہلے یہاں تمام علوم کی تکمیل کرلو اور پھر مزید تعلیم کے لئے دہلی کا قصد کرو لیکن جب فراغت علوم کے بعد دلی جانے کی ٹھانی تو اس درمیان میں ۲۶ جمادی الاخری سنہ ۱۲۴۳ھ کو آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ابو الحسن قادری صحوی کا وصال ہوگیا۔ رشد و ہدایت و تربیت کی ذمہ داری حضرت قطب ویلور پر عائد ہوگئی، اس طرح آپ کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا۔

شہر مدراس میں آپ کے معاصرین میں کئی ایک عالم ایسے تھے جو تصنیف و تالیف کے لحاظ سے بہت ممتاز تھے۔ افضل العلماء قاضی ارتضا علیخاں صفوی کی مایۂ ناز عربی و فارسی تصانیف ہر جگہ پھیل چکی تھیں۔ مولوی عبد الوہاب۔ مدار الامراء بہادر امام العلماء، قاضی بدر الدولہ بہادر اور حافظ احمد خان بہادر کی سی جلیل القدر شخصیتیں تھیں جن سے مدراس کا آسمان علم جگمگا رہا تھا۔ مگر علم تصوف پر حضرت شاہ عبد القادر مہربان

فخری میلاپوری المتوفی ۱۲۰۴ھ کی کتاب اصل الاصول اور
مفتاح العارف کے بعد کوئی ایسی تصنیف نظر نہیں آرہی
تھی جس میں علم تصوف پر کافی وضاحت کے ساتھ بحثیں
کی گئی ہوں۔ ویلور میں ۱۱۳۶ھ سے رشد و ہدایت کا سلسلہ
جاری تھا لیکن تصنیف و تالیف کا سلسلہ حضرت ذوقی
رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۱۹۴ھ کے بعد کچھ ماند پڑ گیا
تھا۔ حضرت قطب ویلور نے تصنیف و تالیف کے سلسلہ
میں ایک نئی روح پھونکی اور احیاء السنہ، احیاء التوحید
تنبیہ الجاہلین، صراط المومنین، اصل العلوم اور غایۃ التحقیق
کے نام سے کئی مفید کتابیں لکھیں۔ عوام اور خواص سب
کو ان سے بڑا فائدہ پہنچا۔ مگر آپ کی علمی منزلت
آپ کی مایۂ ناز تصنیفات جواہر الحقائق، فصل الخطاب
فی الفرق بین الخطا والصواب اور جواہر السلوک کی وجہ
سے ہے۔ جو بترتیب ۱۲۷۳ھ ۱۲۷۷ھ اور ۱۲۸۱ھ میں
لکھی گئیں۔ محققین علم و ادب شہادت دے سکتے ہیں، کہ
حقائق علمی، قوت دلایل، وضاحت بیان اور نفاست
ترتیب میں آج بھی ان کتابوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

جب احیاء توحید و سنت پر آپ کی زوردار تقریریں
ہونے لگیں تو بعض شریر النفس لوگوں نے ۱۲۵۵ھ
میں برطانوی حکام کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی کہ حضرت
قطب ویلور عام لوگوں کو حکومت کے خلاف جہاد پر برانگیختہ
کر رہے ہیں۔ حکام وقت نے ان پر مقدمہ چلایا اور کچھ
دن حوالات میں رکھا۔ تقریباً ایک سال یہ ہنگامہ جاری
رہا، مگر جب پورے الزامات جھوٹے ثابت ہوئے تو آپ کو عزت
و حرمت کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ آپ نے گنجائش ہونے کے باوجود
کسی کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر نہیں کیا اور سب
کو معاف کر دیا۔

حضرت قطب ویلور کے خلاف حکام وقت کو اس لئے
بھی شبہ ہوا تھا کہ انہوں نے ملکۂ انگلستان وکٹوریہ کو
عربی زبان میں ایک خط بھیجا تھا جس میں ملکۂ وکٹوریہ اور
دوسرے تمام عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی
تھی۔ کسی ہندی عالم نے اسطرح کی کوئی جرأت نہیں کی تھی۔
ملکۂ وکٹوریہ نے اس خط کا جواب دیا اور لکھا کہ مذہب اسلام
ایک دین برحق ہے مگر چند وجوہ کی بنا پر وہ اس دین کے
قبول کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت قطب ویلور نے دو حج کئے۔ پہلا حج ۱۲۶۰ھ
میں ہوا تھا اور دوسرا حج ۱۲۸۸ھ میں۔ وہ ۱۰ رشعبان ۱۲۶۰ھ
کو ویلور سے روانہ ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کافی مشہور
ہو چکے تھے۔ ہر جگہ عقیدتمند ان سے آکر ملتے تھے اور ان کے
دست مبارک پر بیعت کرتے تھے۔ وہ ہر ایک کے سوالات کے
جوابات دیتے تھے اور انکی رہبری کیا کرتے تھے۔ مکہ معظمہ
اور مدینہ منورہ میں بھی بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت
کی۔ حج سے فارغ ہو کر وطن لوٹے تو بھی رشد و ہدایت اور بیعت
و خلافت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ آخر وہ بخیر و عافیت ۹ ذی الحجہ
۱۲۶۲ھ کو ویلور واپس ہوئے۔ اس مبارک سفر سے جہاں دوسرے
لوگوں کو آپ کی ذات اقدس سے فائدہ پہنچا، آپ کو حرمین

کے دَوران قیام میں بھی بہت سے علمی و روحانی فیوض حاصل ہوئے۔

حضرت قطب ویلور کا پورا خاندان حنفی اور مشرباً قادری تھا علم روحانی آپ کے بزرگوں کا بہترین ترکہ اور سرمایہ تھا۔ آپ کو اس کی عملی تعلیم و تربیت بھی ملی تھی۔ صوفیانہ حقائق و عقائد و واردات کی افادیت سے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آرہا تھا۔ مگر مختلف حضرات کے پُرجوش مباحثوں اور مجادلوں کی بدولت اختلاف کی یہ خلیج اور وسیع ہو چکی تھی۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسئلوں پر بڑی گرماگرم بحثیں ہو رہی تھیں۔ زیارتِ قبور، نذرِ اموات، فاتحہ، دسواں بیسواں چہلم، میلاد النبی، گیارھویں، سجدۂ تحیت، ندائے رسول، استمداد بالقبور، علم غیب، تبرک وغیرہ کے سے بیسیوں مسئلے کھڑے ہو گئے تھے جن کے جواز اور عدم جواز پر رسالہ بازی ہو رہی تھی۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والوں کو کافر کہا جانے لگا تھا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کو شیخ اکبر کی بجائے شیخ اکفر یا شیخ ابتر لکھنے لگے تھے۔ وحدۃ الوجود کے ماننے والے صوفیہ کے خلاف عام الزام یہ تھا کہ وہ نماز روزہ کی پابندی کرنا ضروری نہیں سمجھتے اور محرمات کے درمیان کوئی تمیز نہیں کرتے تھے۔ جاہل اور نابکار نام نہاد صوفیوں کی وجہ سے صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بھی مطعون ہو رہے تھے۔ حالانکہ وہ ان کے قابل نہیں تھے۔ چند بے فکرے نام نہاد متصوفین کی بدچلن زندگی پر ان کی زندگیوں کو قیاس کرنا ہرگز روا نہیں تھا، ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسی کہ کسی کو لکڑیوں کے چیرنے کے لئے تیشہ دیا گیا تو اس نے اس کو مسجد ہی کے منہدم کرنے کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نگفتم کہ دیوارِ مسجد بکن

قطب ویلور نے صاف لکھا ہے کہ جو شخص اپنے بزرگوں کا نام عزت و حرمت کے ساتھ نہیں لیتا، وہ بزرگ نہیں سمجھا جا سکتا۔

بزرگش نخوانند اہلِ خرد
کہ نامِ بزرگاں بزشتی برد

قطب ویلور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں مولانا باقر آگاہ ویلوری اور ملا بحر العلوم بھی اسی قسم کے اعتراضات نہیں بچ سکے تھے۔ بعض لوگ آگاہ کو اس بنا پر کافر اور مشرک کہتے تھے کہ وہ دوگانۂ قادریہ "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کے پڑھنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب تحفۃ الاحسن فی مناقب السید ابی الحسن میں اپنے شیخ سید شاہ ابوالحسن قربی کو قبلہ و کعبہ لکھا تھا۔ ملا بحر العلوم کو بھی پکا بدعتی سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ وہ تنباکو استعمال کرتے تھے اور حقہ پیتے تھے۔ دسواں بیسواں، چالیسواں، برسی، سہ منی اور رجب وغیرہ کے فاتحہ کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ میلاد کی محفل میں شریک ہوتے تھے اور موئے مبارک کی زیارت کیا کرتے تھے۔ بحر العلوم وعظ نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ ان پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تارک ہونے کا الزام دھرتے تھے۔ ان دونوں نے حج

بھی نہیں کیا تھا۔

اگر محض ان باتوں کی بنا پر کسی کو کافر یا مشرک قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر وہ لوگ بھی اس الزام سے بچ نہیں سکتے، جن کو خود یہ طعنہ کرنے والے اپنا مقتدا سمجھتے ہیں۔ قطب ویلور نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام ربّانی نذر قبول کیا کرتے تھے حالانکہ طعنہ کرنے والوں کے نزدیک غیر اللہ کے لئے نذر حرام ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز خود بھی فاتحہ کرتے تھے اور شہنشاہ دہلی کے فاتحوں میں شریک ہوتے تھے۔ امام ربانی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید احمد بریلوی کبھی وعظ نہیں کیا کرتے تھے۔ امام ربانی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی نے حج بھی نہیں کیا تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی تمباکو استعمال کرتے تھے۔ اور ناس بہت لیتے تھے۔ اگر اس طرح طعنہ کرنے والے سوچیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا کوئی عالم بھی اس قسم کے الزامات سے کبھی بری نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک کے خلاف کچھ نہ کچھ الزامات لگائے گئے ہیں۔ حضرت سعدی شیرازی نے صحیح لکھا ہے:۔

اگر در جہاں از جہاں رستہ ایست	در از خلق بر خویشتن بستہ ایست
کس از دست جور زبانہا نہ رست	اگر خود نمائیست وگر حق پرست
اگر برپری چوں ملک ز آسمان	بدامن در آویزدت بدگمان
بکوشش تواں دجلہ را پیش بست	نشاید زبان بد اندیش بست

حضرت قطب ویلور نے پہلے جواہر الحقائق کے نام سے ایک عمدہ کتاب لکھی جس میں علم تصوف، اس کے موضوع، اور مبادی، مسائل، وجود اور اس کے اقسام، تنزلات ستہ اور اس کے سات مراتب، روح اور اس کے اقسام، عالم اجسام، حقیقت وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود، عقل کل نفس کل، یعنی لوح محفوظ، جوہر ہبا، جسم کل، شکل کل، عرش، فلک اطلس، فلک المنازل، ساتوں آسمان، کرۂ اثیر، کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ ارض، پھر جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کے متعلق عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں بحث کی ہے اور ہر ایک کو ایک ایک صفت الٰہی کا مظہر بتایا ہے۔ آخر میں حقیقت دنیا و آخرت سے بحث کی ہے۔ یہ پوری کتاب باریک قلم سے فلسکیپ سائز کے ۱۸۱ صفحوں پر آئی ہے۔ ہر صفحہ پر اکیس سطریں ہیں۔ ۱۱ رجب ۱۲۷۳ھ کو اس کی تسوید سے فارغ ہوئے تھے۔ یہ کتاب ۱۲۷۴ھ میں مطبع مظہر العجائب مدراس سے شائع ہوئی تھی۔

اس کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں مختلف انگریزی کتابوں کی مدد سے زمین کے کئی نقشے دئے ہیں اور نیز یہ بتایا ہے کہ کس کس علاقہ میں کون کون سے حکام ہیں، ان میں مسلمان کون ہیں اور غیر مسلم کون، گیارھویں جدول میں ہندوستان کے ان علاقوں کا ذکر ہے جن پر انگریزوں نے گزشتہ دو سو چند سال کے عرصہ میں اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ اس پر ایک نوٹ لکھتے ہیں فرماتے ہیں:۔

دریں جا ترقی و دانش و علو ہمت و اخلاق مردم انگلش باوجود قلت قوم و مسافرت و مغائرت زبان و	اس جگہ انگریز لوگوں کی ترقی و دانش و علو ہمت اور اتفاق قوم کی قلت اور زبانِ ملت کی مغائرت اور مسافرت

ملت در تسخیر بلدان دیدنی
است و اختلاط و غفلت
و دودلی و کم ہمتی و نا اتفاقی مردم
هند با وجود کثرت و توطن
و اتحاد زبان و ملت تماشا
کردنی، احکم الحاکمین فرماید
تؤتی الملک من تشاء و
تنزع الملک ممن تشاء

کے باوجود شہروں کو مسخر
کرنے میں دیکھنے کی چیز ہے۔
اور کثرت اور توطن و اتحاد
زبان و ملت کے باوجود ہندستان
کے لوگوں کا اختلاط اور ان کی
غفلت اور کم ہمتی اور نا اتفاقی تماشا
کرنے کی چیز ہے احکم الحاکمین فرماتا ہے
تو جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے
اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔

جب ان مسائل سے متعلق خود سنی فرقوں کے درمیان اختلافات بڑھنے لگے تو آپ نے فصل الخطاب بین الخطاء والصواب کے نام سے ۱۲۷۰ھ میں ایک زبردست کتاب لکھی۔ ابتدا میں بطور تمہید بیس مقدمات لکھے ہیں جن میں ادلۂ شرعیہ، ماہیت فقہ، اجتہاد فقہا و عرفاء و حکم الہام سرور انام و اولیاء کرام، و انواع علوم دینیہ کو بیان کرنے کے بعد یہ بتایا ہے کہ مقلد کے لئے کتاب و سنت سے احکام کا مجتہدانہ استنباط نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح مقلد کو بعض فقہا کے مذہب کو دوسروں پر ترجیح دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ شریعت کے ظاہری اور باطنی احکام سے متعلق اہلسنت جماعت کے آپس کے اختلافات کی بنا پر کسی کی تضلیل و تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ آنحضرت کے زمانہ میں شارع کے موجود ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس دور کے تمام احکام یقین پر مبنی تھے، ان پر اعتقاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا واجب تھا۔ مگر بعد کے ادوار میں جب کہ مسایل میں مجتہدین کی رائیں مختلف ہو گئیں کسی مقلد کو صاحب مذہب کی رائے کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

پھر قرآن مجید کی تفسیر، تاویل اور بدعات سے متعلق اختلافات کو واضح کیا ہے۔ پھر علم تصوف اور اس کے دقیق ترین مسایل سے متعلق جو نقد و تنقید ہو رہی تھی اس کو بیان کر کے لکھا ہے کہ صوفیوں کے کلمات کو سمجھے بغیر ان پر لعن طعن نہیں کرنا چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب، حیاکت و حجامت جیسے ظاہری علوم کسی استاد کی مدد کے بغیر حاصل نہیں کئے جا سکتے تو علم باطن کسی شیخ کی امداد و اعانت کے بغیر کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مولانا روم نے ٹھیک فرمایا۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغی نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد ملائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

قطب ویلوری نے لکھا ہے کہ اگر مشائخ سے کوئی ایسی چیزیں منقول ہیں جو بظاہر مخالف شریعت معلوم ہوتی ہیں تو ان کی تاویل کی جا سکتی ہے۔ محض ان کے ظاہری معنی کی بنا پر ان کے اقوال کا انکار کرنا اور ان پر لعن طعن کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

اس زمانہ میں ایک عام الزام یہ لگایا جاتا تھا کہ صوفیائے کرام کے مختلف نظریے دوسری قوموں سے ماخوذ ہیں۔ قرآن وحدیث سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً ہمہ اوست کا نظریہ انہوں نے ہندوستان کے آتش پرستوں سے لیا ہے، اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کی طرح احرام کا کپڑا پہنتے ہیں۔ اور زیارت کے مراسم کی ادائیگی کے بعد سر منڈھاتے ہیں، اس کی بناء پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں نے حج کے مراسم ہندوؤں سے لئے ہیں۔

حضرت قطب ویلور کو احساس تھا کہ مختلف کتابوں میں ضعیف روایات سے استدلال کیا گیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان ضعیف اور مرجوح روایتوں کے نقل کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ لوگوں کو قول ضعیف پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"ازیں نقل توہم نکنند کہ فقیر ترغیب بر عمل قول ضعیف می نماید و نقل مرجوح مبنی بر مذہب اوست حاشا وکلا۔" فصل الخطاب صفحہ ۱۴	اس نقل سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقیر قول ضعیف پر عمل کرنے کی ترغیب دے رہا ہے اور مرجوح روایات کا نقل کرنا اس کے مذہب پہ مبنی ہے۔ حاشا وکلا ایسا نہیں ہے۔

بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جب مسائل میں علماء کا اختلاف ہے تو جزم اور اصرار کے ساتھ یہ کہنا کہ یہی قول اور رائے درست ہے، ٹھیک نہیں ہے۔ قطب ویلور نے تمہیدی باتوں کے بعد چالیس عنوانات پر قلم اٹھایا ہے اور ہر ایک عنوان پر مختلف کتابوں سے دلیلیں پیش کی ہیں جن سے ان کے وسعت مطالعہ کا بھی بہترین اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے پوری کمال سنجیدگی کے ساتھ دلائل پیش کئے ہیں۔ حتیٰ یہ کہ مخالفین کے خلاف بھی کوئی سخت کلمہ استعمال نہیں کیا ہے۔ پہلے ہم ان عنوانات کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اس پر مختصر تبصرہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں وہ چالیس عنوانات یہ ہیں:-

(۱) در ادلۂ اربعہ شرعیہ ۲۔ در فعل مکلف
۳۔ در تکالیف شرعیہ ۴۔ در حکم حج
۵۔ در حکم طواف غیر کعبہ ۶۔ در اقسام ضیافت
۷۔ در حکم دعا و صدقہ برائے موتیٰ ۸۔ در حکم تعیین صدقات
۹۔ در حکم نذر ۱۰۔ در حکم سور آدمی و ذبیحۂ مشرک و کتابی و حکم طعام ہر دو
۱۱۔ در حکم تمباکو ۱۲۔ در حکم میلاد ۱۳۔ در زیارت موئے شریف
۱۴۔ در تذکرہ مناقب و فضائل صلحاً و اتقیاء
۱۵۔ در تذکرہ حسن وجمال خوبرویاں
۱۶۔ در مراتب دعوت و ادعائے حق ۱۷۔ در حکم تعمیر قبہ و قبر
۱۸۔ در حکم تکفیر اہل قبلہ۔ ۱۹۔ در حکم سجدۂ تحیت
۲۰۔ در آداب مصاحبت و مخالطت ۲۱۔ در سلام سنت
۲۲۔ در بیان تصوف ۲۳۔ در خلاف شاہ ولی اللہ

۲۴۔ دراحکام وخواص طورِ نبوت وطورِ ولایت
۲۵۔ درحکم رقی واوراد ۲۶۔ درخوبی تواضع وپستی
۲۷۔ درعشق ۲۸۔ درمراقبہ ربطِ قلب باشیخ
۲۹۔ درعلمِ غیب ۳۰۔ درعلامات انبیاؑ واولیاء
۳۱۔ درزیارتِ قبور وسفرِ زیارت ۳۲۔ درتبرک
۳۳۔ دراقسامِ ندا ۳۴۔ دربیان توسل واستمداد
۳۵۔ درنداء ارباب حاجات ازاعزۂ احیاء و اموات
۳۶۔ دردوگانۂ قادریہ ۳۷۔ درفرق بین النداء والدعا
۳۸۔ دروحدت الوجود ۳۹۔ دراختلاف معنی وجود ووحدت الوجود
و وحدت الشہود ۴۰۔ دراسانید وحدۃ الوجود

از چند علمائے قرآن سیزدہم۔

حضرت قطبِ ویلور نے ہر مسئلہ پر مختلف علماء کرام کے اتنے واضح بیانات نقل کئے ہیں کہ ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہیں جن پر صوفیہ کا عملی تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ باقاعدہ اوراد و وظائف کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ اگر کوئی ان صوفیہ کی اجازت سے ان کے طریقوں کے مطابق اوراد و وظائف کی پابندی کرے تو ان کا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ بیماروں کو شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ سانپ اور بچھو وغیرہ جیسے زہریلے جانوروں کا زہر یک دم میں اتر جاتا ہے بیہوش انسان فوراً اٹھ بیٹھتا ہے۔ برے خوابوں میں مبتلا عورتیں اچھی ہو جاتی ہیں اور ان کا جنون سنجیدگی میں بدل جاتا ہے۔ باکمال صوفیہ آئندہ ہونے والے واقعات کا پتہ دے دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی ان کی طرف اشارات ملتے ہیں مگر اہلِ ظاہر یہ

کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ سب آنحضرت کی شریعت کے آنے سے پہلے کی باتیں ہیں۔ ہمارے لئے ان کی پیروی جائز نہیں ہے۔ مگر سوچنے والے اس دلیل کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اگر ہماری زندگی میں ان کی زندگیوں سے مثال لینے کی ضرورت نہیں ہے تو پھر ہمارے سامنے ان کا بیان بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ لوگوں کے حالات کس لئے ہمارے سامنے بیان کئے؟ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ حضرت یوسفؑ نے خوابوں کی صحیح تعبیر بتادی۔ حضرت یوسفؑ نے اپنا پیراہن بھیجا اور حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں پر ڈالا گیا تو ان کی بصارت لوٹ آئی۔ بنی اسرائیل کے پاس تابوت آیا تو ان کو فتح نصیب ہو گئی۔ حضرت موسیٰ تیس دن کے لئے پہاڑ پر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے دس دن بڑھا کر چالیس دن پورے کر لئے۔ حضرت خضرؑ نے پہلے ہی سے جان لیا تھا کہ کشتی پر بادشاہ قبضہ کر لیگا اس لئے اس کو پھاڑ دیا۔ نوجوان بے راہ روی اختیار کر لیگا۔ اس لئے اس کی جان لے لی، دیوار کے نیچے ایک صالح شخص کا رکھا ہوا خزانہ تھا اس لئے گرتی ہوئی دیوار سیدھی کر دی۔ اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے درباری عالم نے طرفۃ العین میں بلقیس کا تخت لاکر سامنے پیش کر دیا۔ خود آنحضرت صلعم نے غارِ حرا میں مراقبہ کیا۔ مختلف مصیبتوں میں مختلف اوراد و وظائف اور نمازوں کی تعلیم دی۔

کعب بن زہیر نے قصیدہ لکھا تو آنحضرت نے ان پر اپنی چادر اڑھا دی جو بڑی برکت کی چیز سمجھی گئی۔ حضرت معاویہ نے تیس ہزار درہم دیکر ان کی اولاد سے یہ چادر خریدی۔

اور ان کے بعد خلفا میں منتقل ہوتی رہی۔ آنحضرت کے بعض ساتھیوں نے آپ کے سر کے بال بطور برکت اپنے پاس رکھ لئے۔ جو بعد میں ان کی اولاد میں منتقل ہوتے ہوئے چلے آئے۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس قسم کے معجزانہ کرامات انہی کی ذات پر ختم ہو گئی۔ اب بھی خدا کے ایسے بندے ہو سکتے ہیں جو اپنی غیر معمولی روحانی طاقت کے زور سے اس طرح کے کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔

ایک زبردست اختلافی مسئلہ توسل اور استمداد بالقبور کا مسئلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے انتہائی عقیدت و محبت تمام مومنین و مسلمین کا خاصہ ہے۔ علمائے تو علمائے بے عمل شعراء نے بھی اپنے اشعار میں عقیدتمندی کے وہ بے پناہ جذبات پیش کئے ہیں جن کو سن کر یا پڑھ کر لوگ جھوم جاتے ہیں۔ جب بے عمل قوال بھی ان کو اپنے ساز پر گانے لگتا ہے تو اس کی دلکش آواز دل کے پردوں میں سے پار ہو کر بدن کے ریشہ ریشہ میں سمو جاتی ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کا یہ شعر نہیں معلوم کتنے دلوں کو گرما چکا ہے۔

یا حبیب الالہ خذ بیدی
مالعجزی سواک مستندی

اے اللہ کے دوست میری دستگیری کیجئے۔ میری عاجزی کے لئے آپ کے سوا کون دوسرا ٹھکانا نہیں ہے۔

حضرت بوصیری فرماتے ہیں:۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ　　سواک عند حلول الحادث العمم

اے مخلوق میں سب سے زیادہ کریم آپ کے سوا کون ہے جس سے میں عام حادثوں کے اترنے کے وقت پناہ مانگوں۔

حضرت ملا نورالدین عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:۔

ز مہجوری بر آمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم!

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ایک قصیدۂ ھمزیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اذا ما حل خطب مدلھم
فانت الحصن من کل البلاء

جب کوئی تاریک ترین حادثہ آپڑے تو آپ ہی ہر بلا سے بچانے کے لئے قلعہ ہیں۔

الیک توجھی وبک استنادی
وفیک مطامعی وبک ارتجائی

آپ ہی کی طرف میری توجہ لگی ہوئی ہے اور آپ ہی پر میرا ٹیک ہے۔ آپ ہی میں میری ساری آرزوئیں منحصر ہیں اور آپ ہی کی بدولت میری خواہشیں ہیں۔

اس قسم کے توسل عربی اور فارسی ادب میں اتنے ہیں کہ ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

جب احادیث میں توسل کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ:۔

اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی لیقضی لی فی حاجتی ھذہ اللھم فشفعہ فی	اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد جو نبی رحمت ہیں ان کے وسیلے سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میں آپ ہی کے سبب سے اپنے پروردگار

کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری کر دے اے اللہ تو آپ کو میرا سفارش کرنے والا بنا۔

تو کیونکر جزم کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ توسل ناجائز ہے؟ اسی طرح استمداد بالقبور کا مسئلہ ہے۔ ہمارا عقیدہ

ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ اگر کوئی محبوب طریقہ ایسا ہے جس سے ان روحوں سے اتصال پیدا کیا جاسکتا ہے اور ان سے استمداد کی جاسکتی ہے تو اس کو کفر و شرک کے مترادف قرار دینا کسی حال میں بھی درست نہیں ہوسکتا۔

حضرت قطب ویلور نے خود اس کا تجربہ کیا ہے اور اس کے اثرات محسوس کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں" وچوں این فقیر بارواح مشائخ صوفیہ متوجہ شد، اثر آں توجہ درخود بجید وجہ یافت" (فصل الخطاب صفحہ ۱۲۲)

اس مختصر سے مضمون میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی کسی تعصب کے بغیر خالی الذہن ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کرے تو حضرت قطب ویلور کے دلائل کی صداقت واضح ہوجائے گی۔

یہ قابل قدر کتاب فلسکیپ سائز کے ۵۰ صفحوں پر چھپی ہوئی ہے۔ ہر صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۸۴ء میں ویلور ہی میں حاجی سید عبدالقادر قادری کے مطبع قادری میں چھپی ہے۔ مولوی سید شہاب الدین صاحب قادری عرف حسن بادشاہ صاحب شہاب، مولوی حاجی محمود حسین صاحب علام۔ مولوی محمد عبدالقادر صاحب صدیقی مصور نے بڑے دلچسپ اور معنی خیز تاریخی قطعات لکھے ہیں۔

آپ کی سب سے زیادہ اہم اور مشہور تالیف جواہر السلوک ہے جو ۱۲۶۱ھ میں لکھی گئی تھی۔ فصل الخطاب میں کئی جگہ اس کا نام لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کئی سال اس کی تالیف پر صرف کئے ہیں۔

عام طور پر علم تصوف کو ایک باطنی علم تصور کیا جاتا ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ مختلف مسایل پر تفصیلی طور پر کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کی جاتی اور جب کوئی سمجھنے کی غرض سے تفصیل چاہتا ہے تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ پہلے بیعت کرو۔ اس کے بعد ان مسایل کے راز خود بخود منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ اس لئے وہ لوگ بھی جو صدق دل سے ان مسایل کو سمجھنا چاہتے ہیں بیعت کے نام سے کتراتے ہیں اور بسا اوقات مخالف ہو کر صوفیوں پر لعن طعن شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت قطب ویلور نے ان تمام مسایل کا احاطہ کیا ہے جو علم تصوف کے دائرہ میں زیر بحث آتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں کل چالیس فوائد ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) در مراتب طبقات مردم علیٰ اختلاف درجاتہم۔
(۲) معرفت نفس کلید معرفت حق است
(۳) در انواع سفر (۴)
(۴) مسافران راہ حق بر دو قسم اند یکی حکماء و علماء دویم عرفاء و اولیاء۔
(۵) در سفر الحق و سفر العبد
(۶) در قوس نزولی و قوس عروجی وجود
(۷) در قوس عروجی و نزولی سفر العبد
(۸) در احکام و خواص طور ولایت و طور نبوت
(۹) در حب عشقی ای راہ ولایت و در حب ایمانی ای راہ نبوت۔
(۱۰) در اسفار اربعہ دائرۃ الوجود و ما یتعلق بہا۔
(۱۱) در سلوک سفر اول و طریق اکتساب ولایت
(۱۲) در مرتبہ نفس و مرتبہ قلب و مرتبہ روح۔
(۱۳) در ترقیات سالک
(۱۴) در بیان انسان و قرب نوافل و قرب فرائض
(۱۵) در تصویر توحید وجودی و دفع شبہات سالکان
(۱۶) تجلیات حق بر چہار گونہ است۔

۱۷) دراقسام توحید متضمن فوائد عجیبہ ' ۱۸۔ درانواع تجلی افعال
۱۹) درانواع تجلی اسماء ۲۰۔ درانواع تجلیات صفات
۲۱۔ در تجلی ذات۔ ۲۲۔ دربیان جہت معیت وجہت
سلسلۂ ترتیب ۲۳۔ ارباب صلاح وسلوک چہار اند
۲۴۔ دربیان راہ جذب وراہ سلوک۔
۲۵۔ دربیان جذبہ وسلوک وغیرہما۔
۲۶۔ دربیان ولایت واولیاء
۲۷۔ دراقسام ولایت ودیگر فوائد معیت وتجدد وحدۃ وجود و
اندراج ۲۸۔ درعقائد ۲۹۔ درامور ضروری سلوک مع
جواہر متعلقہ ۳۰۔ درآداب ذکر ہنگام مشغولی وقبل آں وبعد آں
۳۱۔ دربیان تبتل۔ ۳۲۔ درطریق سلوک مع فوائد متعلقہ
تفصیلاً ۳۳۔ درسلوک مقام عشرہ۔
۳۴۔ درسلوک دائرۃ الوجود ۳۵۔ درنصیحت سالک
۳۶۔ درمعمور داشتن اوقات باذکار وتلاوت وصلوۃ وغیرہا۔
۳۷۔ درصلوۃ وصوم وصدقہ وتلاوت وغیرہ۔
۳۸۔ درکیفیت ذکر وغیرہ۔
۳۹۔ درمراقبہ ۴۰۔ درمعارضات راہ ومعالجات آں۔

یہ کتاب امیر الدولہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ اس میں مختلف مستند تصنیفات کے حوالے سے تصوف کے مسائل پر عالمانہ بحث کی ہے جس سے آپ کا علمی مرتبہ بہت نمایاں اور واضح ہوتا ہے۔

ان مسائل مذکورہ پر تفصیلی بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہے لیکن ایک بات واضح ہونی چاہئے کہ صوفیائے کرام نے شریعت اور طریقت کو یکساں اہمیت دی ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ طریقت میں شریعت اور اس کے احکام کی پابندی کی اتنی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ شریعت کا علم بھی بیحد ضروری ہے۔

حضرت قطب ویلور نے سلوک کے طریقہ کے متعلق بتیسویں فائدے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مشہور رسالہ القول الجمیل کا ترجمہ مولوی خورم علی بلہوری کی زبان سے پیش کیا ہے۔ خورم علی نے شفاء العلیل کے نام سے اس رسالہ کا ترجمہ کیا تھا۔ مترجم نے جابجا حواشی لکھے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تحریر فرمایا تھا کہ مرشد کے لئے علم شرط ہے۔ کیونکہ بیعت کی غرض نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا اور مریدوں کو باطنی تسکین کا حاصل کرنا رذایل سے پاک کرانا اور محامد کا کسب کرانا ہوتا ہے۔ اگر مرشد عالم نہ ہو تو یہ غرض کیونکر پوری ہوسکتی ہے۔ اس پر خورم علی حاشیہ لکھتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"مترجم کہتا ہے سبحان اللہ کیا معاملہ بالعکس ہو گیا ہے۔ فقرائے جہال کو اس وقت یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضرور نہیں۔ بلکہ علم درویشی کو مضر ہے۔ اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور۔ حالانکہ صوفیان قدیم کے کتب اور ملفوظات میں مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین حضرت عبدالقادر جیلانی میں صاف مصرح ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اور تصوف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح شام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں ان کے کلام سے بھی غافل ہیں کہ وہ کیا فرما گئے ہیں"
(جواہر السلوک ۱۶۱-۱۶۲)

خود حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے: ۔

وقد اتفق کلمۃ المشائخ علی ان لا یتکلم علی الناس	مشائخ کا قول اس پر متفق ہے کہ کوئی لوگوں کے سامنے وعظ نہ

الا من کتب الحدیث و قرأ القرآن۔ اللھم الا ان یکون رجل صحب العلماء الاتقیاء دھراً طویلاً و تادب علیھم و کان متفحصاً عن الحلال والحرام وقافاً عند کتاب اللہ وسنۃ رسولہ فعسی ان یکفیہ ذلک واللہ اعلم۔

(جواہر السلوک ۱۶۲)

کرے گروہ جس نے حدیث کی کتابت کی ہو اور قرآن پڑھا ہو۔ ہاں اگر وہ علماء و اتقیا کے ساتھ ایک طویل زمانہ گذار چکا ہو اور ان سے ادب حاصل کیا ہو وہ حلال و حرام کو جانچا ہوا ہو اور کتاب و سنت پر ٹھہر جانے والا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے لئے اتنی تربیت کافی ہو جائے۔ خدا زیادہ بہتر جانتا ہے۔

جاہل صوفیہ کی مثالوں کو سامنے رکھ کر پاک باطن صوفیوں پر تنقید کبھی درست نہیں ہو سکتی۔ ایسے معترضین کو حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ صوفیہ کی تربیت قرآن و حدیث ہی پر مبنی ہے۔ ان دونوں سے الگ نہیں ہے۔ ہر ہر سانس میں صوفی کو ارشادات الٰہی وہدایات پیغمبری کا پورا پورا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔ معترضین کی اتباع شریعت فرائض کی پابندی سے آگے نہیں بڑھتی۔ مگر صوفی کے لئے سنن و نوافل و مستحبات تک کی پابندی لازم ہو جاتی ہے۔ ہر ہر سانس پر اپنے نفس کا محاسبہ کرنا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ان صوفیائے کرام کے علوم و معارف، اور ان کے اعمال و اشغال سلوک پر بلا وجہ اعتراضات کرنا کبھی درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ اس رسالہ میں قادریہ، چشتیہ سہروردیہ، نقشبندیہ وغیرہ کے تمام سلسلوں کے طرق سلوک پیش کئے گئے ہیں۔ چلہ کشی۔ کشف قبور، طریقہ مراقبہ، طریقہ ذکر جلی و ذکر خفی، حبس دم، کشف و تمائج آئندہ۔ اشغالِ مجددیہ وغیرہ پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے ان میں سے کوئی بات بھی خلاف شریعت نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ھمعات میں صاف لکھا ہے :۔

نخست چیزی کہ سالک را باید تصحیح عقاید است بر نہج عقائد صحابہ و تابعین وسائر سلف صالحین و اداء ارکان اسلام و اجتناب از کبائر و رد مظالم وسائر آنچہ شریعت غرا بیان فرمودہ کہ این ہمہ اصل کار ست بغیر وی سلوک صحیح نباشد۔

(جواہر السلوک ۲۳۶)

پہلی چیز جو سالک کے لئے ضروری ہے وہ صحابہ و تابعین اور تمام سلف صالحین کے نہج پر عقائد کی تصحیح ہے اور ارکان اسلام کا ادا کرنا اور کبائر سے بچنا اور مظالم سے رد کنا ہے اور وہ تمام چیزیں کرنا ہے جن کا شریعت غرا نے حکم دیا ہے کیونکہ یہی تمام کاموں کی اصل ہے اس کے بغیر سلوک صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔

حضرت قطب ویلور کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ پوری تلاش و جستجو کے بعد صوفیاء کبار کی تعلیمات و ارشادات کے تمام جواہر پاروں کو ایک نفیس اور پاکیزہ کتاب کی صورت میں جمع کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس جلیل القدر موضوع پر اتنا مواد بہیں کسی اور کتاب میں دستیاب نہیں ہوتا ہمیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کتابیں آپ کے پاس کہاں سے جمع ہو گئی تھیں کہ آپ نے ان کے ضروری اقتباسات پیش کر دئیے۔ حضرت شاہ عبد العزیز کا جن سے آپ خود براہ راست تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے ۱۲۳۹ھ میں انتقال ہوا تھا۔ اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تمام تصنیفات بلکہ حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبد القادر دہلوی اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تمام کتابیں بھی ویلور پہنچ گئی تھیں۔ ہر جگہ ان کی کتابوں کے موزوں و

مناسب اقتباسات پائے جاتے ہیں۔

جواہر السلوک فلسکیپ سائز کے ۲۴۳ صفحوں میں آئی ہے ہر ایک صفحہ پر ۲۳ سطریں ہیں۔ یہ کتاب مطبع مظہر العجائب مدراس سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوئی تھی۔ قطب ویلور کے ایک عقیدتمند شاگرد مرزا عبدالقادر علی نے عربی اور اردو دونوں میں قصیدے لکھے ہیں جن میں صراط موصل ھذا الی اللہ سے اس کی تاریخ تصنیف ۱۲۸۱ھ نکالی ہے۔

آخر میں ایک جدول تصوف کے سو مقامات کی ہے جن میں سے ہر ایک مقام دس اقسام پر مشتمل ہے۔ ان مختلف اقسام میں صوفیانہ احوال کی تشریح کی ہے۔ اس کے بعد حضرت قطب ویلور کے آباؤ اجداد پدری و مادری کے شجرے اور مختصر حالات ہیں جن سے اس مضمون کے لکھنے میں مدد لی گئی ہے۔

حضرت قطب ویلور نے دوبارہ ۱۲۸۸ھ میں حج کا قصد کیا۔ آپ مختلف جگہوں پر اپنے عقیدتمندوں سے ملاقات کرتے ہوئے حرمین روانہ ہوئے تھے۔ طبیعت کی ناسازی کے باوجود آپ نے حج کے مراسم پورے طور پر ادا کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی کشش انہیں مدینہ منورہ کھینچ لے گئی۔ وہاں آپ نے ۱۱ محرم ۱۲۸۹ھ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے آج آپ کی وفات پر **سو سال** ہو چکے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کی صد سالہ برسی منائی جاتی ——— اور آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی — تاہم ایک مختصر سے مضمون پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اب مجھے صرف ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اچھے اچھے مصنف بھی جوش اور جذبے کی حالت میں اکثر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور مخالفین پر کڑی تنقیدیں کرنے لگ جاتے ہیں ان کا واقعی احترام ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ اس کے برخلاف ہم قطب ویلور کی تصنیفات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ان کے اندر انتہائی تحمل اور بُردباری تھی۔ انہوں نے کسی وقت بھی سنجیدگی اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ وہ ہر جگہ یہی تعلیم دیتے ہیں کہ مسائل کے اندر اختلاف کی وجہ سے کسی پر لعن طعن کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے متعلق بھی ناروا اور ناسزا الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ آپ کا یہی وصف آپ کو دوسرے مصنفین سے بالکل ممتاز بنا دیتا ہے۔

آپ نے یہ ساری کتابیں فارسی زبان میں لکھی ہیں جو بہت ہی شستہ اور شگفتہ ہے۔ زبان میں پوری سلاست پائی جاتی ہے۔ دقیق سے دقیق مضامین بھی نہایت عمدہ زبان میں ادا کئے گئے ہیں جس سے دل و دماغ کو بہت بڑی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتابیں اس لائق ہیں کہ عربی مدارس کے باقاعدہ **نصاب** تعلیم میں داخل کی جائیں۔



۲۸۶/۹۲

امامِ اعظم کی شخصیت ایک نظر میں

خلاقِ کائنات کا یہ عظیم احسان رہا ہے کہ جب
بھی انسان اپنے کیے ہوئے وعدے کو فراموش کر کے غیر
اللہ کی پرستش شروع کی اور راہ تاریکی و غفلت شعاری
اختیار کی تو پروردگارِ عالم اپنے مقبول بندوں میں سے،
کسی نہ کسی کو مشعلِ ہدایت دے کر مبعوث فرماتا رہا۔ ان
ہی برگزیدہ اور مقبول بندوں میں ایک وہ جید ہستی بھی
شامل ہے جس نے اظہارِ حق کیلئے حکومتوں سے ناخوشی
مول لی اور اپنی زندگی کو نذر زندان فرمایا اور رہائی اس
وقت نصیب ہوئی جب کہ روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا
یہ وہ شخصیت ہے جسکو ساری دنیا اسم نعمان و لقب امام
اعظم سے یاد کرتی ہے۔ یہ ایسی جامع شخصیت ہے کہ اگر یہ نہ
ہوتے تو آج دنیا کے اندر علم فقہ ناپید رہتا۔ آپ نے فقہ کی
بنیاد ڈال کر ایک ایسا زندۂ جاوید کارنامہ انجام دیا جو
تا قیامت قائم رہیگا اور جب تک مذہب اسلام بحر و بر
پر محیط ہے آپ کا اسم گرامی زندہ رہیگا۔ اور ہر دور کے
مسلمان آپ کے عظیم الشان کارنامے سے اپنی زندگیوں
کی تشکیل میں اس سے استفادہ کرتے رہینگے اور ہر مسلمان
آپ کے اس کارنامے پر گلہائے تحسین و خراج عقیدت
پیش کرتا رہے گا۔

آپ کی ولادت باسعادت شہر کوفہ میں ۸۰ھ
کو ہوئی آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے اور آپ کنیت سے
ہی زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا شمار تابعین کرام میں ہوتا
ہے اور ابن سعدؒ کی ایک روایت بھی ہے کہ امام صاحب
نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انسؓ
بن مالک کو دیکھا تھا علاوہ ازیں اور بھی اصحاب رسول
آپ کے دور میں مختلف شہروں میں موجود تھے اور غالباً ابو
طفیل عامر بن واثلہ یہ سو ہجری تک رہے ہیں غرض ان وجوہات
سے یہ بات واضح ہوئی کہ آپ تابعی تھے۔

امام صاحب فارسی النسل تھے اولاً آپ کا
خاندان کابل میں تھا آپ کے دادا زوطی کسی جنگ میں گرفتار
ہو کر کوفہ آئے اور یہیں مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت
علی کرم اللہ وجہہ سے ان کے نہایت گہرے تعلقات تھے
ان کا پیشہ تجارت تھا اور ان کے فرزند ثابت بھی کوفہ ہی
میں تجارت کرتے تھے، امام صاحب کی ایک روایت بھی اس بات
کی شاہد ہے کہ شہر کوفہ میں ہماری روٹیوں BAKERY
دوکان تھی۔

ابتدا میں امام صاحبؒ نے "علم کلام" نحو، ادب
قرأت وحدیث، شعر" وغیرہ ان علوم کو حاصل کیا اور ان
فنون میں اس قدر ترقی کر گئے کہ لوگوں کی نگاہیں آپ کی جانب
اٹھنے لگیں اور آپ ایک عرصہ تک خوارج کے مختلف گروہوں
سے بحث و مناظرے میں آپ کامیابی حاصل کرتے تھے اور
علم کلام کی محفلوں میں آپ کثرت سے شرکت فرماتے تھے
حتی کہ وہ لوگ جن کو ان علوم میں درک حاصل تھا وہ لوگ
بھی آپ کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے سے جی چراتے تھے۔

الغرض ایک مدت تک اس میں مشغول رہے۔ اس
کے بعد امام صاحبؒ کا دل ان چیزوں سے بیزار ہوگیا۔ آخرکار
ان مسائل کلامیہ سے صرف نظر کرکے فقہ یعنی "اسلامی قانون"
کی جانب توجہ کی اور پوری عمر اس کے لئے نذر کردی اور فن فقہ کا
وہ لافانی کارنامہ انجام دیا۔ جس کو آج دنیا مذہب حنفی کے
نام سے یاد کرتی ہے۔

حسن اتفاق سے اسی زمانے میں امام صاحبؒ کو
ایک واقعہ درپیش ہوا۔ ایک عورت نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک
شخص اپنی بیوی کو طریقۂ سنت پر طلاق دینا چاہئے تو
کس طرح دے۔ خود جواب نہ دے سکے البتہ عورت کو
ہدایت کی کہ حماد سے دریافت کریں اور یہ بھی کہا کہ وہ جو
کچھ جواب دیں۔ مجھے بتا دینا۔ پھر وہ عورت دوبارہ حاضر ہوئی
اور حماد کا جواب سنایا۔ اس سے امام صاحبؒ کو خجالت
وعبرت ہوئی اور اسی وقت حماد کے حلقۂ درس میں شریک
ہوگئے۔

اس دور میں تمام اسلامی ممالک میں نہایت
شدومد کے ساتھ احادیث کے درس و تدریس کا سلسلہ
جاری تھا اکثر ائمہ حدیث نے جو صحابہ کرام کی صحبت سے
مستفیض تھے اپنی اپنی درسگاہیں قائم کررکھی تھی آپ نے
حمادؒ ہی کے حلقۂ درس پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ کوئی ایسا محدث
کوفہ میں نہ تھا۔ جس کی آپ نے شاگردی اختیار نہ کی ہو اور
مسائل شرعیہ کی تحقیق نہ کی ہو اس کے علاوہ آپ نے
علم حدیث حاصل کرنے کیلئے مختلف مقامات کا سفر کیا
اکثر آپ حرمین شریف جایا کرتے تھے اور مہینوں قیام
کرکے تحصیل حدیث کرتے رہتے بالخصوص حج کی تقریب
میں آپ مکہ شریف جانیکا خاص اہتمام کرتے کیونکہ اس
موقع پر دور دراز سے اہل کمال اور نامور علماء کرام کی آمد
ہوتی تھی آپ ان لوگوں سے ملاقات کرتے اور مختلف مسائل
پر تبادلۂ خیال اور بحث و مباحثہ فرماتے تھے۔

امام صاحبؒ کی مکہ میں امام مکحول شامی اور امام
اوزاعی جیسے جلیل القدر آئمہ سے ملاقات ہوئی اور ان
سے بہت کچھ استفادہ فرمایا اور ان حضرات سے آپ نے سند
حدیث بھی حاصل کیا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے
کہ جس شخص نے ایسے بڑے بڑے آئمہ حدیث سے حدیثیں
حاصل کی ہوں اور حرمین وحجاز جیسی بڑی بڑی درسگاہوں میں
برسوں احادیث سیکھا ہو۔ اور جس کو ایسے اکابر رجال کی
صحبتیں میسر ہوئی ہوں جو فن حدیث کے ارکان مانے جاتے
تھے تو اس شخص کا فن محدیث میں کیا پایہ ہوگا۔ امام صاحب

کو علم وفضل کی بخشش بہا دولت ملنے کا واحد سبب یہ ہے کہ
انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ طالب العلم سمجھا اور آخر زندگی
تک بھی تحصیل علم کو ترک نہ کیا۔ حالانکہ آپ کی شہرت وعظمت
ہر طرف پھیلی ہوئی تھی یہاں تک کہ آپ کے اساتذہ کرام
بھی آپ کا احترام واکرام کرتے تھے، آپ کی عظمت کا یہ عالم
تھا کہ جب بھی آپ سفر کا قصد فرماتے تو ہر طرف شہرہ
ہو جاتا کہ فقیہ عراق کی آمد ہو رہی ہے آپ کا گذر جن شہروں
سے ہوتا ہزاروں لوگ جوق در جوق جمع ہوتے اور مختلف مسائل
دریافت کرتے تھے باوجود اس قدر مقام اوج ورفعت
پر ہونے کے بھی آپ کو طلب علم میں کسی قسم کی عار نہ تھی
چنانچہ امام مالکؒ آپ سے عمر میں چھوٹے تھے مگر اکثر ان کے
حلقہ درس میں شرکت کرتے تھے۔ اور احادیث سنتے تھے۔

امام صاحبؒ کی ذہانت وذکاوت ضرب المثل ہے
بقول حفص بن غیاث ابوحنیفہ ایک نادر الوجود شخص تھے
میں نے ان جیسا ذکی و ذی فہم اور صاحب نظر شخص نہیں
دیکھا۔ ابن مبارک کا قول ہے کہ امام صاحب قوت حافظہ،
تفقہ، صیانت اور شدت ورع میں سب پر غالب تھے۔
(کشف رموز) امام صاحبؒ کے بچپن کا ایک واقعہ مشہور
ہے جس سے آپ کی عقل وکیاست کا پتہ لگتا ہے
ایک عیسائی شہر بغداد میں سڑک کے کنارے میز پر کھڑا
ہوا چیخ رہا تھا۔ ہے کوئی جو میرے ان چار سوالوں کے جواب
دے۔ ایک ہنگامہ برپا ہوا اور ہزاروں لوگ جمع ہوئے۔ مگر
کوئی شخص جواب نہ دے سکا۔ اچانک امام صاحبؒ کا گذر اپنے
چند طالب العلم رفقاء کے ساتھ ادھر سے ہوا۔ مجمع کثیر دیکھ
کر آپ قریب گئے اور حقیقت حال سے واقفیت حاصل
کر کے پادری سے کہا میں آپ کے سوالات کے جوابات دینے
کیلئے تیار ہوں۔ لیکن جواب دینے والا سائل سے افضل
ہوتا ہے لہذا تم نیچے اترو اور مجھے میز پر بیٹھنے دو۔ پادری
نے آپ کی بات مان لی اور آپ میز پر بیٹھ گئے۔ پادری
نے پہلا سوال یہ کیا کہ وہ خدا اس وقت کیا کر رہا ہے“؟

آپ نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ جواب دیتے
ہیں کہ خدا اس وقت کسی کو عزت بخش رہا ہے اور کسی
کو ذلت۔ دیکھئے ایک مجھ جیسے ناچیز طالب العلم کو بے شمار
اشخاص کے سامنے میز پر بٹھا کر عزت بخشا۔ اور آپ جیسے
عیسائیت کے جید عالم کو نیچے زمین پر اتار دیا۔ یہ جواب
سن کر عیسائی انگشت بدنداں ہو گیا۔ اور پھر دوسرا سوال
کرتا ہے کہ ”خدا سے پہلے کیا تھا“؟

آپ اسی کو عدد شمار کرنیکا حکم فرماتے ہیں اس
نے ایک سے پانچ تک شمار کیا۔ پھر آپ نے دوبارہ
شمار کرنے کیلئے فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اس سے
پوچھا ”ایک سے پہلے کیا ہے“ اس نے جواب دیا آپ
اتنا بھی نہیں جانتے کہ اعداد فرضی ہیں۔ ایک سے قبل کچھ
نہیں پھر آپ نے جواب دیا۔ جب اعداد فرضی ہیں اور
قبل ایک کے کچھ نہیں ہے تو اسی سے معلوم ہو سکتا ہے
کہ ایک معبود حقیقی سے پہلے کیا ہو سکتا ہے۔ وہ عیسائی
ہکا بکا رہ گیا۔ اور پھر تیسرا سوال کیا کہ خدا کا منہ کس

جانب ہے"؟ آپ نے اس سے پوچھا "شمع کا منہ کس
جانب ہے" اس نے کہا کسی جانب نہیں۔ آپ نے جواب
دیا کہ خدائے عزوجل کا حال بھی اسی کے مشابہ ہے۔ اللہ کا نور
کسی ایک طرف نہیں بلکہ ہر طرف ہے۔ اس کے بعد اس نے
آخر سوال کیا کہ "خدا کہاں ہے"؟ آپ نے اسی سے پوچھا
ہمارے جسم میں روح کہاں ہے۔ اس نے لاعلمی کا اظہار
کیا آپ نے فرمایا جب ایک چیز جو اس کی پیدا کی ہوئی ہے
اسی کے جاننے سے مخلوق قاصر ہے تو وہ ذات جو سب کا
خالق ہے اس کو کیسے جان سکتے ہیں کہ وہ کہاں ہے" دیکھئے
امام صاحب کی عقل وکیاست اور فہم وفراست کا کیا
عالم تھا باوجود کم سنی کے ایک پادری اور وہ بھی عیسائیت
کے جید عالم کو لاجواب کر دیا آپ کے جوابات سے عیسائی
اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت آپ کے دست مبارک
پر اسلام قبول کیا۔"

آپ بے حد ذہین تھے مشکل سے مشکل اور کتنے
ہی پیچیدہ مسائل کیوں نہ ہوں آپ فوری طور جواب دیتے
تھے۔ ایسے بہت سے مسائل جن کے حل کرنے سے آپکے ہم عصر
علماء عاجز رہتے۔ آپ فوراً اس کی پیچیدہ گتھی سلجھا دیتے
ایک مرتبہ ایک مجلس میں امام صاحبؒ، مع قاضی کوفہ اور
امام سفیان ثوری تشریف فرما تھے ایک شخص آیا اور مسئلہ
پوچھا کہ ایک جگہ چند اشخاص جمع تھے اچانک ایک سانپ
نکلا اور ایک آدمی پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر جھٹک دیا
وہ سانپ دوسرے شخص پر گرا انہوں نے بھی گھبرا کر جھٹک دیا
اسی طرح ایک دوسرے پر جھٹکتے رہے۔ آخر کار سانپ
نے ایک آدمی کو کاٹ لیا۔ اور وہ مر گیا۔ اب سوال
یہ ہے کہ اس کی موت کا کون شخص ذمہ دار ہے۔
حاضرین مجلس نے مسئلہ پر اپنی فہم وعلم کے مطابق
غور وخوض فرمایا اور مختلف رائے قائم کی۔ امام صاحبؒ
ان لوگوں کو دیکھتے اور چپ چاپ مسکراتے تھے آخر کار
سب نے متفق ہو کر آپ سے استفسار کیا آپ نے جواب
دیا جس شخص کو سانپ نے کاٹا۔ اگر سانپ نے جسم پر
پڑھتے ہی فوراً کاٹا ہو تو اس کے پہلے کا شخص ذمہ دار
ہوگا اگر سانپ نے کچھ دیر کے بعد کاٹا ہو تو وہ شخص خود
اپنی موت کا ذمہ دار ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے خود غفلت
کی۔ اس جواب کو سنتے ہی حاضرین مجلس کی زبان سے بے ساختہ
کلمات تحسین نکل پڑے کہ جو جواب آپ کو سوجھا وہاں تک
ہم لوگوں کے خیال کی رسائی تک نہ ہوئی تھی

امام صاحبؒ کو عبادات وریاضیات سے کافی شغف
تھا۔ کبھی عبادت سے تغافل نہیں برتتے تھے۔ زائدہ کا قول
ہے کہ وہ کوئی ضروری مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے
امام صاحبؒ کے پاس گئے۔ امام صاحبؒ نوافل ادا فرما رہے
تھے منتظر رہے کہ بعد فراغت دریافت کروں گا۔ امام صاحبؒ
قرآن کریم کی تلاوت فرماتے ہوتے جب اس آیت پر پہنچے
تو اسی آیت کی تلاوت برابر فرماتے
رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ الغرض یہ وہ شخصیت تھی جس
کو عالم رؤیا میں سو بار خدائے تعالیٰ کا دیدار ہوا تھا اور

آپ صاحب کشف تھے امام صاحبؒ معاش کیلئے تجارت کرتے تھے اور آپ کی تجارت بہت وسیع تھی بہت سے شہروں میں خرید و فروخت کیلئے ملازم مقرر تھے شہر کوفہ میں آپ کا بہت بڑا کارخانہ تھا جسمیں خز (ایک خاص قسم کا کپڑا) تیار ہوتا تھا آپ کے کارخانے کا کپڑا دور دراز ممالک میں جاتا تھا اس قدر وسیع تجارت ہونے کے باوجود آپ کی دیانت و امانت کا یہ عالم تھا کہ ایک پیسہ بھی ناجائز طور پر حاصل نہیں کیا۔ آپکے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ناتجربہ کار تاجر جب اپنا مال فروخت کرنے کیلئے آپ کی دکان پر آتے اور اپنے مال کی قیمت کم بتاتے تو خود امام صاحب فرماتے یہ تمہارا مال زیادہ قیمتی ہے اور ان کے مال کی صحیح قیمت ادا فرماتے۔ جب آپ کی امانت و دیانت داری شہرۂ آفاق ہوئی تو آپ کی تجارت کوٹھی "BANK" کی شکل اختیار کر گئی ہزاروں اشخاص کروڑوں روپے آپ کے پاس امانت رکھتے تھے۔ آپکی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ اپنی تجارت کا ایک حصہ شیوخ اور محدثین کیلئے مقرر کر رکھا تھا اس سے جو نفع ہوتا تھا سال بسال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ (سیرت النعمان)

اور آپ کے بہت سے شاگرد غریب و نادار تھے ان کے والد تعلیم سے چھڑا کر تحصیل معاش کے لئے کسی کام پر لگانا چاہتے تھے مگر امام صاحبؒ نے ان کے مکان کے اخراجات کی ذمہ داری خود لے لی۔ اور ابو یوسف کے شوق محنت ذہانت کو دیکھ کر ان کی تعلیم پر خاص توجہ فرمائی۔ امام صاحبؒ نہایت خلیق انسان تھے امام صاحب کے اخلاق و عادات اور اوصاف جاننے کیلئے صرف ابو یوسف کی یہ تقریر کافی ہے۔ "بخدا امام اعظم منہیات سے سخت محترز تھے اور احکام خداوندی کے بے حد تابعدار تھے اکثر خاموش اور غور و خوض میں مستغرق رہتے اہل دنیا سے سخت مجتنب، اور دوسروں کو بھلائی سے یاد کرتے اور ہمیشہ اپنے نفس کو لہو لعب سے محفوظ رکھتے تھے۔

امام صاحب کے یہ اوصاف گو کہ بظاہر چنداں وقعت نہیں رکھتے۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ ایسی طرز زندگی کا عادی ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔"

امام صاحب کی زندگی کا بہترین کارنامہ فقہ ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فقہ کوئی فن نہ آپ صحابہ اکرام کے سامنے نماز ادا فرماتے صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح نماز ادا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بکثرت ایسے واقعات پیدا ہوئے مثلاً کسی شخص نے نماز میں سہواً کوئی عمل ترک کیا نماز ہوئی یا نہیں؟ ایسی حالت میں صحابہ اکرام کو احکام اور مسائل کی تحقیق کرنی پڑی۔ ان میں حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ مشہور ہیں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اکثر کوفہ میں رہتے تھے ان کے بعد ان کی جگہ شریح نے سنبھالی اس کے بعد علقمہ وغیرہ اور پہنچتے پہنچتے یہ مسند خلافت حمادؒ کو ملی اور حمادؒ کے بعد اسی مسند خلافت پر امام صاحبؒ جلوہ افروز ہوئے اور درس و افتا کا وہ کام انجام دیا کہ چند ہی دنوں میں آپ کے حلقۂ درس کی اسقدر شہرت ہوئی کہ کوفہ کی بہت

سی درسگاہیں ختم ہوگئیں تمام آپ کے درس میں شرکت کرنے لگے یہاں تک کہ امام صاحبؒ کے اساتذہ کرام بھی استفادہ کیلئے آپ کے درس میں شرکت فرماتے تھے۔

امام صاحبؒ کے زمانے تک فقہ ایک مستقل فن کی شکل میں نہ تھا بعض مسائل لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے مگر تحریری شکل میں کوئی چیز مدون نہ تھی آپ نے اسی مسند پر بیٹھ کر تیس سال کی مدت میں فقہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت بخشی، امام صاحبؒ نے اپنے ہی معلومات پر فقہ کو مدون نہیں کیا بلکہ اپنے نامور شاگردوں کو جمع کرتے اور کسی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کرتے جب سب متفق ہو جاتے تو قلم بند کر لیتے جب متفق نہ ہوتے تو پھر بھی مختلف اقوال مذہب تحریر فرماتے تھے۔ بقول بعض کے تیس سال کے عرصہ میں جو مسائل امام صاحب نے مدون فرمایا ہے اس کی تعداد چھ لاکھ ہے اور بعض کا قول ہے ۸۳ ہزار ہے غرض اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مختصر سی مدت میں آپ نے ایسے ایسے اہم مسائل حل فرمائے ہیں جو قیامت تک مشعل ہدایت رہینگے۔ آپ کے اجتہادی مسائل بہ نسبت دیگر ائمہ کرام کے نہایت نرم اور سہل ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کو جتنا دنیا میں فروغ حاصل ہوا کسی اور مذہب کو یہ شرف حاصل نہیں اکثر سلاطین، علمائے کرام، اولیائے عظام اور بہت سے محدثین کرام نے اسی مذہب کی اتباع کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ یہ مذہب تا قیامت قائم رہیگا۔

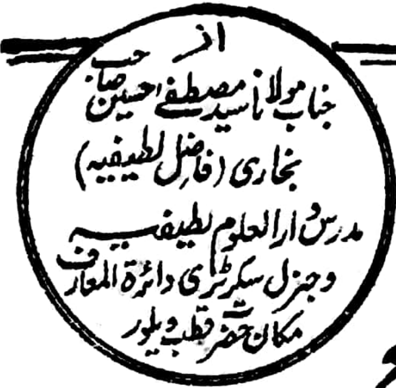
خلیفہ منصور نے ۱۴۶ھ میں آپ کو بغداد طلب کیا اور عہدہ قضاء "JUDGE" کی پیشکش کی آپ نے معذرت کے ساتھ انکار فرمایا۔ منصور نے جبراً یہ عہدہ منظور کرانا چاہا لیکن آپ انکار پر قائم رہے منصور نے غصہ میں آکر آپ کو قید کیا مگر پھر بھی آپ کی تعظیم کے خلاف کوئی کام نہ کرتا تھا اور ہمیشہ قید خانے میں ہی آپ سے علمی استفادہ کرتا رہا۔

آپ نے قید خانے میں بھی درس و تدریس اور فقہ کا کام جاری رکھا ہر طرف سے ہزاروں طالب علم بغداد کا قصد کرتے اور قید خانے ہی میں آپ سے استفادہ کرتے رفتہ رفتہ امام صاحب کے قید کی خبر ہر طرف پھیل گئی آخر منصور کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ایک شخص جس کے ایک اشارہ پر ہزاروں لوگ سر خم کرتے ہیں اور بغداد کے تمام علم دوست حضرات اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ جس کی وجہ سے ہم اپنی حکومت ہاتھ سے دھو بیٹھیں۔ آخر کار اس نے کسی حیلہ سے امام صاحب کو زہر دلوا دیا۔ جب امام صاحب پر زہر کا اثر ہوا تو بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہوئے اور اسی حالت میں رحلت کی آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

امام صاحب کی رحلت کی خبر آن واحد میں ہر جگہ پہنچ گئی ہر طرف سے سیکڑوں لوگ آنے لگے اور تمام بغداد ٹوٹ پڑا۔ لوگوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ پہلی مرتبہ نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار لوگوں کا اجتماع ہوا اور پھر بھی لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آپ کے جنازہ کی چھ مرتبہ پڑھی گئی اور مؤرخ خطیب نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد بھی بیس روز تک نماز جنازہ ہوتی رہی صرف اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحبؒ کو اسلام میں کیا رتبہ حاصل تھا۔

الغرض یہ ایسی عظیم شخصیت تھی جسکے ہر پہلو پر قلم کا جنبش کرنا اور اسکے کارناموں کا احاطہ آسان نہیں، بہر کیف ہدیہ ہست پیش خدمت است۔

ادم



سفر بنگارپیٹ اور افتتاح مسجد اصغر



مسلمانانِ بنگارپیٹ نے شہر کی بڑھتی ہوی آبادی اور لوگوں کی سہولت کے پیش نظر نیو ٹاؤن میں ایک حسین اور دلکش عبادت گاہ بنام مسجد اصغر قائم کی۔ جماعت اہل اسلام بنگارپیٹ نے اپنی پوری جد و جہد سے اس کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ انشاءاللہ تعالٰی ان کا یہ عظیم کارنامہ دین و دنیا میں سرخروئی کا باعث ہوگا خدا ان کے اس عمل صالح کو قبول فرمائے۔ آمین۔

دورانِ سفر آنکھوں دیکھا حال ھدیۂ ناظرین ھے :-

بنگارپیٹ ہندوستان کے تاریخی اور خوبصورت شہر میسور کا ایک علاقہ ہے جس میں ہر قوم و ملت کے افراد آباد ہیں متعدد خوبیوں کے علاوہ غلّہ کی تجارت میں اس کو آج امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

عرصۂ دراز سے وہاں کے مسلمانوں کو یہ خیال دامنگیر تھا کہ تقدس مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز ان کے وطن بنگارپیٹ تشریف لائیں اور اپنے فیوض و برکات سے نوازیں۔ جب مسجد اصغر کی تعمیر مکمل ہوگئی تو جماعت اہل اسلام بنگارپیٹ کی جانب سے جناب الحاج عبدالقادر صاحب مالک نائیلو ٹریڈنگ کمپنی اور جناب محمد ضیاء الدین صاحب سکریٹری اہل اسلام نے اعلیٰحضرت قبلہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر جماعت کی جانب سے دلی عقیدت و دیرینہ تمناؤں کے ساتھ مسجد اصغر کی رسم افتتاح کی دعوت پیش کی۔ آپ نے اپنی کثیر مصروفیات کے باوجود ان کی اس دعوت کو شرف قبولیت بخشا۔

۳ر آگسٹ اتوار کا دن تھا۔ ٹھیک تین بجے عزت مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی، آپ کے برادر عزیز عالیجناب حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری دامت برکاتہم العالی (بی اے) ناظم دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور، عالیجناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھہ شریف فیض آباد (یو۔پی) مدرس دار العلوم لطیفیہ اور اس ناچیز کے علاوہ جناب مولوی سید محمد انوار اللہ صاحب تورگلی مدرس دار العلوم لطیفیہ، جناب محمد نور اللہ صاحب جو ہمارے سفری انتظامات کے لئے تشریف لائے تھے بذریعۂ کار روانہ ہوئے۔

سفر انتہائی پرلطف تھا۔ ابر آلود موسم خنک ہوائیں

روح کو تازگی بخش رہی تھیں۔ ہماری کار فراٹے بھرتی ہوئی ملنیبر کی پُرپیچ گھاٹیوں سے گذرتے ہوئے گارڈن سٹی آف انڈیا کی سرحدوں میں داخل ہوئی یہاں کی دلکش اور فرحت بخش فضا نے طبیعت میں مزید کیف و سرور پیدا کر دیا۔ بیت منگل کا عظیم تالاب جس کا پانی سارے علاقے کے لئے آب حیات سے کچھ کم نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ہماری کار گولڈ فیلڈ کولار کے چند میل دور ہی سے بنگلور ہیٹ کی طرف آگے بڑھ گئی۔ ہم راستے بھر حسین و دلچسپ مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پونے چھ بجے شام میں بنگاراپیٹ پہنچے۔ عوام و خواص نے بڑھ کر پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ نماز عصر کے بعد حاجی صاحب نے محترم اعلیٰ حضرت قبلہ اور آپ کے برادر عزیز کے اعزاز میں پُرتکلف عصرانہ دیا۔ موصوف کے مکان پر بڑی تعداد میں لوگ ملاقات کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ جناب مولوی ناصر حسین صاحب خطیب و امام مسجد اعظم اور معززین نے آپ سے مسجد اعظم میں نماز مغرب پڑھانے کی درخواست کی۔ لہٰذا وہاں سے آپ مذکورہ مسجد تشریف لے گئے۔ ایک کثیر جماعت نے آپ کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کی۔ دعا کے بعد عقیدتمندوں نے پھول پہنائے اور جلوس کی شکل میں مسجد اعظم سے مسجد اصغر کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ یہ جلوس فلک شگاف اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعروں کے ساتھ شاہراہ سے نکلتا ہوا مسجد اصغر پہنچا۔ یہاں سے فاتحہ اور دعا کے بعد ہم لوگ اپنی قیامگاہ واپس لوٹے۔ شب میں حاجی صاحب کے مکان پر عشائیہ سے فارغ ہو کر دوبارہ مسجد اصغر روانہ ہو گئے۔ اسی شب فضیلت

مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی صدارت میں شاندار طریقے سے جلسۂ میلاد النبی منعقد ہوا قرأت و نعت خوانی کے بعد جناب یم۔ عنایت اللہ صاحب ایڈوکیٹ یم۔ اے۔ بی۔ یل۔ بی صدر جماعت اہل اسلام بنگاراپیٹ نے تقدس مآب اعلیٰحضرت وغیرہم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت قطب ویلور کا مقدس خاندان مسلسل تین صدیوں سے جنوب ہند میں خدمت دین کے فرائض انجام دے رہا ہے اور آج بھی اس خاندان سے اعلیٰ پیمانے پر رشد و ہدایت کا کام جاری ساری ہے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے آپ نے کہا کہ آج ہم آپ کی تشریف آوری سے انتہائی خوش ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے کثرت کار کے باوجود ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے قدم رنجہ فرمایا اور ہماری مدتوں کی خواہش و دیرینہ تمناؤں کی تکمیل فرمائی۔ تعارف کے بعد راقم الحروف کے علاوہ عالیجناب مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھہ شریف فیض آباد (یوپی) جناب مولوی سید انوار اللہ صاحب تورنگلی مدرس دار العلوم لطیفیہ اور جناب مولوی ناصر حسین صاحب خطیب و امام مسجد اعظم نے جلسہ سے خطاب فرمایا۔ شکریہ کے بعد شب میں ٹھیک تین بجے جلسہ سلام و دعا پر اختتام پذیر ہوا۔ وہاں سے ہم اپنی قیامگاہ پر چلے آئے۔ کچھ وقفے کے بعد مسجد اصغر چلنے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ صبح میں اس کا افتتاح فضیلت مآب اعلیٰحضرت سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور نماز فجر سے فرمانے والے تھے۔ ہم لوگ ٹھیک پانچ بجے مسجد پہنچے۔

اذاں کے بعد لوگ جوق درجوق مسجد میں جمع ہونے لگے، آخر وہ وقت آگیا جس کے سب منتظر تھے۔

مؤذن نے تکبیر کہی، صفیں درست ہوگئیں۔ شیخ وقت نے خدا کے نئے گھر میں نماز کا آغاز کر دیا۔ وہ لوگ بہت ہی خوش نصیب ہیں جنہوں نے مسجد صغریٰ میں پہلی نماز ادا کی اور خدا کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئے۔ حضرت والا نے انتہائی سوز وگداز کے ساتھ تمام کے لئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علیم نقشبندی استاذ اردو زبان ایس۔ بی۔ ڈی ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بنگارا پیٹ ضلع کولار کے لکھے ہوئے مندرجۂ ذیل قطعات پڑھے گئے۔

پہنچی مسجد پایۂ تکمیل کو
یہ ترا احسان ہے ربّ العلا
کر کے منہا نو عدد تاریخ یوں
مسجد صغرا کہی بے ساختا
۱۳۸۹ھ

۲

بخشا ہے اعلیحضرت سعادت
فرما کے آج مسجد صغریٰ کا افتتاح
وا کر دیا ہے بڑھ کے ویلور نے شرف
وابستگانِ حق کے لئے بابِ فلاح

بعد ازاں آپ کی خدمت عظیم البرکت میں مسلمانان بنگارا پیٹ کی جانب سے ہدیۂ تشکر پیش کیا گیا:۔

شکر و امتنان

آج کے مبارک دن ۴ر آگسٹ ۱۹۶۹ء روز دوشنبہ حضرت ممدوح اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود ہماری درخواست کو منظور فرماتے ہوئے تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے مسجد کا افتتاح فرمایا اور نماز صبح پڑھائی جس کے لئے ہم بجان و دل ممنون ہیں اور بجناب باری التجا کرتے ہیں کہ خدائے قادر وقیوم آپ کو ہمارے سروں پہ بدیر سلامت باکرامت رکھے اور آپ کے روحانی فیوض و برکات سے ہمیں مستفید و مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ہم ہیں آپ کی دعاؤں کے حاجتمند
جمیع مسلمانانِ بنگارا پیٹ ضلع کولار

صبح میں ناشتے پہ جناب نصیر پاشاہ صاحب نے مدعو کیا۔ جناب الحاج عبد القادر صاحب اور آپکے فرزندان سعادت نشان محمد کلیم اللہ صاحب و جناب محمد نور اللہ صاحب وغیرہم اور آپکے داماد جناب نصیر پاشاہ صاحب کا خلوص و اظہار محبت قابل قدر ہے۔ عقیدتمند حضرات محترم اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی کو اپنے اپنے مکان لے جانے پر بضد تھے۔ ہر کسی کی یہ خواہش تھی کہ آپ اپنے قدوم میمنت لزوم سے ان کے مکانوں کو شرف بخشیں جس میں سے قابل ذکر جناب ڈاکٹر سید یعقوب بابا صاحب اور آپکے فرزند ارجمند سید جمیل احمد صاحب ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی محبت و بیقراری اور بے چینی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ جیسے ہی آپ کے فرزند بلند اقبال کے ساتھ مکان پہ پہنچے خوشی سے آپ کی باچھیں کھل گئیں۔

اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ اسی طرح ہم لوگ خلوص مند احباب سے ملتے ملاتے تقریباً ۱۱ بجے عازم ویلور دارالسرور ہوئے۔ روانگی کے وقت لوگوں کے دل بے قرار اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ وہ کسی صورت اس قدر جلد چھوڑنے پر رضامند نہیں تھے۔

بحمد اللہ تعالیٰ ہم لوگ ٹھیک دو بجے اہل بنگارپیٹ کی خلوص آگیں یادوں کو لئے ہوئے خیر و عافیت کے ساتھ ویلور پہنچے۔

باشندگانِ بنگاراپیٹ کی سادہ لوحی، منکسر المزاجی اور محبت و عقیدت آپ اپنی مثال ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ بنگاراپیٹ کو دین و دنیا میں سرخروئی عطا فرمائے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از
حافظ بی۔ بی۔ عبد الماجد
عاقل سرا
متعلم زمرۂ رابعہ
دار العلوم لطیفیہ مکان
حضرت قطب ویلور

اسلام میں عورت کے اوصاف و احکام

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ — اسی کے ساز سے ہے زندگی میں سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی — کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں

علامہ اقبال

عورت کا لفظ جوں ہی ہماری نظروں سے گذرتا ہے تو مرد کا تصور دماغ میں خود بخود آنے لگتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے لئے لازم و ملزوم قرار دئے گئے ہیں۔ مضمون چونکہ عورت سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا پہلے میں عورت کی حقیقت و اہمیت پر کچھ خامہ فرسائی کی سعی کروں گا۔ (عاقل سرا)

عورت مرد کے لئے قدرت کا ایک بیش بہا اور انمول عطیہ ہے عورت ہی کی وجہ سے دنیا کی ہر شئی میں رنگینی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر عورت نہ ہوتی تو یہ صحرا، یہ دشت و کوہسار یہ خاندان نہ ہوتے نہ اولاد ہوتی نہ دلفریب وادیاں ہوتیں۔ اور نہ گل و بلبل کی داستانیں ہوتیں یہ آبشار، یہ صحن و گلشن، چمن و نشیمن ساقی و میخانے، ساغر و پیمانے، سب اسی کی بدولت موجود ہیں بقول حضرت داؤد علیہ السلام اگر عورت کی تخلیق نہ ہوتی خدا کی خدائی کا عمل آشکارا نہ ہوتا۔ عورت کی حقیقت پر اور زیادہ غور کریں تو یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ اسی عورت کی خاطر فرہاد نے چٹانوں سے سر ٹکرایا، مجنوں صحرا میں مارا مارا پھرتا رہا شاہجہاں نے ممتاز محل کی یاد میں لاکھوں روپئے صرف کر کے "تاج محل" تعمیر کیا جو آج بھی زندہ و جاوید یادگار ہے۔ اور ہر ناپیدار محبوب کے لئے احساس عبرت ہے۔

عورت کی وجہ تسمیہ اور اس کے روپ

دنیا میں ہر شئی کی وجہ تسمیہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتی ہے۔ اسی طریقہ سے عورت بھی اپنے نام ہی سے اسم بامسمیٰ ہے۔

ع سے عاقبت اندیش۔ و سے وفادار۔ ر سے رضامند۔ ت سے تحمل پرست۔ بفضل خدا عورت میں یہ چاروں چیزیں بدرجہ اتم جمع ہو رہی ہوں تو عورت دنیا میں کئی روپ لے کر نمودار ہوتی ہے اور اپنے نور سے دنیا کو منور کرتی ہے لیکن ان میں سے چار روپ اصل اور اہم ہیں۔

پہلا روپ ماں کا ہے دوسرا روپ بیوی کا ہے اور تیسرا روپ بہن کا چوتھا روپ بیٹی کا ہے۔

قدرت نے ماں کی رگ رگ میں اولاد کی محبت اس طرح پیوست کر دی ہے کہ اپنے لختِ جگر کی خاطر ہر تکلیف برداشت کر لیتی ہے۔ چنانچہ قرآن شاہد ہے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۵

اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا تکلیف کے ساتھ جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑائی میں تیس مہینے صرف کیئے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ

اس کی ماں نے اس کو جھٹکے پر جھٹکے اٹھا کر پیٹ میں رکھا۔ پھر دو سال کے بعد ماں کی چھاتی سے جدا ہوا یہی سبب ہے کہ ماں کے حقوق بھی باپ سے زیادہ بتلائے گئے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلعم نے فرمایا جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَیْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ ۔ اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام کر دی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ خدا اور رسول کے بعد تعظیم و تکریم کی مستحق تمہاری ماں ہے۔ ایک شخص نبی کریم صلعم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا زیادہ مستحق کون ہے۔ آپ نے فرمایا! تیری ماں۔ اس نے پھر پوچھا کون؟ آپ نے فرمایا! تیری ماں اس نے پھر پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا! تیری ماں اس نے پھر پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا! تیرا باپ۔

بیوی۔ جو اپنے میکہ کے آرام و سکون اپنے ماں باپ کے پیار بھائی بہنوں کی محبت اور عزیز سہیلیوں سے جدا ہو کر ایک اجنبی شخص کی شریکۂ حیات بن جاتی ہے اور اس کی زندگی میں قوس و قزح کے رنگ بکھیر دیتی ہے۔ مرد کے ہر دکھ درد میں برابر کی شریک رہتی ہے۔ بنابریں حضور اکرم صلعم نے فرمایا کہ نیک بیوی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔ لیس من متاع الدنیا شیئ افضل من المراۃ الصالحۃ۔ دنیا کی نعمتوں میں کوئی چیز نیک بیوی سے بہتر نہیں ہے۔ گولڈ اسمتھ نے کہا ہے کہ جس طرح کانٹوں بھری شاخ کو ایک پھول خوبصورت بنا دیتا ہے اسی طرح مرد کے دل اور گھر کو نیک شعار عورت جنت بنا دیتی ہے۔

بہن۔ بہن کی بے پایاں محبت کے آگے دنیا کی ساری چیزیں ہیچ ہیں بڑی بہن کا درجہ ماں کے برابر ہوتا ہے اور چھوٹی بہن اپنے بڑے بھائیوں کی شفقت و مہربانی کی خواہشمند ہوتی ہے۔ بہن اپنے بھائیوں کی خوشی اپنی خوشی سمجھتی ہے

بیٹی۔ جس کے بارے میں حضور صلعم نے واذا الموؤدۃ سئلت کی لرزہ خیز خبر سے ہر بربریت کا قلع قمع کرتے ہوئے ایک باپ سے فرمایا کہ بیٹی کا وجود تیرے لئے ننگ و عار نہیں ہے بلکہ اس کی پرورش اور اس کے حقوق کی ادائیگی تجھے جنت کا مستحق بنا رہی ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتی کہ وہ سن بلوغ تک پہنچ گئیں تو قیامت کے دن میں وہ اس طرح آئینگے

جیسے میرے ہاتھ کے دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔ بہرکیف عورت سراپا چشمۂ راحت ہے کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ؎

فردوس مسرت ہے عورت جسے کہتے ہیں۔
سرچشمۂ راحت ہے عورت جسے کہتے ہیں

مولانا حالی فرما گئے ہیں۔ عورت دنیا کی زینت ملکوں کی آبادی اور قوموں کی عزت ہے۔ مغربی مفکر ویبسٹر نے کہا دنیا میں اگر عورت نہ ہوتی تو لفظ مسرت کسی زبان کی لغت میں نہ ملتا۔ مسرت عورت ہی کے دم سے ہے۔ عورت کا جملہ وہ کام کرتا ہے۔ جو بڑے سے بڑے مقرر کی تقریر بھی کر نہیں سکتی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے ہمیشہ مرد کے شانہ بشانہ سپاہیانہ کارنامے انجام دیئے ہیں جس کو یاد کر کے آج بھی انسان انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے اپنا سارا اثاثہ اسلام کی راہ میں صرف کیا۔ انسؓ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ حنین میں دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ زخم خوردہ سپاہیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھیں۔ اور مشکیزے بھر بھر سپاہیوں کو پانی پلا رہی تھیں حضرت ام سلمہؓ غزوۂ احد میں کافروں پر تیر و تلوار چلا رہی تھیں حضرت فاطمہؓ کی سیرت مقدسہ پر نظر دوڑائیے کہ جس کی بدولت آپ کو عورتوں پر فضیلت عطا کی گئی۔ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔

حضرت رابعہ بصریؒ کا اسلام میں جو بلند مرتبہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔ المحبۃ والشوق نامی کتاب میں آپ کے بارے میں لکھا گیا کہ۔ ایک مرتبہ آپ حج کو چلیں جنگل میں کعبہ کو دیکھا کر ان کے استقبال کے لئے حاضر ہے حضرت رابعہ نے فرمایا القمر ارب البیت می باید بہشت راچہ" یعنی مجھ کو گھر کا رب چاہیئے نہ کہ گھر وہ کہاں ہے۔ وہ جس نے فرمایا۔ من تقرب الی شبرًا تقربت الیہ ذراعًا یعنی جو میری طرف ایک بالشت چلے گا میں اس کی طرف ایک گز چلوں گا

بہرحال دنیا میں جب کہ ہر سو ضلالت و گمراہی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی ظلمتوں کے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ ایسے ظلمت کدہ عالم میں باری تعالےٰ نے ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا آپؐ نے تاریکی کو روشنی سے ضلالت کو ہدایت سے مصیبت کو رحمت میں تبدیل کر دیا دنیا میں عدل و انصاف محبت و مساوات رحم و کرم امن و سلامتی کا پرچم لہراتے ہوئے عورت کو وراثت کا حقدار ٹھہرایا۔

للرّجال نصیبٌ ممّا ترك الوالدان والاقربون والنساء نصیب ممّا ترك الوالدان والاقربون ممّا قلّ منه او كثُر نصیبًا مفروضًا ۝

مردوں کے لئے والدین اور عزیزوں کے ترکہ میں جس طرح حق مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ایک حصہ ہے خواہ وہ ترکہ قلیل ہو یا کثیر۔

ایک طرف داعئ اسلام نے طلبُ العلم فریضۃٌ علی کلّ مُسلم و مُسلمۃٍ ارشاد فرما کر عورتوں کی تعلیم و ترقی کے دروازے کشادہ کر دئے تو دوسری جانب مردوں کو اخلاقی تعلیم دیتے ہوئے یہ بھی واضح کر دیا کہ عورت کا دل

نرمی ونازکی میں آبگینہ کے مانند ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ لطف وشفقت کا برتاؤ کریں۔ جس مالک حقیقی نے عورت کو بلند مقام عطا کیا اور رسول خدا نے جہاں عورت کے بارے میں شفقت ومہربانی جیسے برتاؤ کی ہدایت فرمائی وہاں عورت کی زندگی کے لئے چند قوانین وضوابط مقرر فرمائے ہیں جن میں سب سے اہم قانون پردہ ہے۔

یا ایها النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذالک ادنی ان یعرفن فلا یوذین اے نبی اپنے بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہدو کہ اپنی چادروں کے گھونگٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع ہے کہ وہ پہچانی جاینگی اور کوئی ان کو تکلیف نہیں پہنچائیگا

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی

اور اپنے مکانوں میں رہا کریں زمانہ جاہلیت کے بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھریں چنانچہ اس کے تحت ایک نیک خاتون کا واقعہ قابل تحریر ہے اور ہر عورت کے لئے نصیحت آموز ہے۔

ھارون رشید کی بیوی محترمہ زبیدہ خاتون جو مشہور ومعروف ہے۔ اس کے ایثار اور جود وفیاضی کو کون فراموش کر سکتا ہے۔ بغداد سے لے کر مکہ تک نہر کھدوائی جو آج بھی مخلوق کو سیراب کر رہی ہے۔ اس ملکہ کی یہی فیاضی اور زندگی بخش یادگار ہے جس کا خیال فرما کر سعدی کی نوک قلم نے جنبش کی

ع وو نہ نشل زبیدہ است بر بوہ"

مختصر اینکہ زبیدہ خاتون ایک بار محل میں بال بنا رہی تھی کہ اچانک ایک خواجہ سرا محل میں داخل ہوا اور تعجب خیز نگاہوں سے زبیدہ کے کالے کالے بادل کے مانند گھنے لمبے اور خوبصورت بالوں کو دیکھنے لگا زبیدہ نے آئینہ کے ذریعہ اس کو دیکھ کر فوراً باہر ہوجانے کا حکم کیا تھوڑی دیر کے بعد دریافت کرنے پر اس نے جواب دیا کہ آپ کے سیدھے رخسار پر جو گھنے بالوں کی لٹیں پڑی ہوئی تھیں میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ اتنا سننا تھا کہ زبیدہ نے کنیز سے قینچی منگوائی اور وہ بال کتر دئیے۔ زبیدہ کے اپنے گھنے اور خوبصورت بالوں کا کترنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وہ اپنے بناؤ سنگار اور زینت کو غیر محرم شخص کو دکھانا بالکل ناپسند کرتی تھیں لیکن جب انسان دنیا میں بسیگا تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی رہینگی اور ہر چیز پر اس کی نظر واقع بھی ہوگی یہ تو محال ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کو اور کوئی عورت کسی مرد کو کبھی دیکھے ہی نہیں۔ احادیث نبویؐ سے پتہ چلتا ہے کہ اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔ چنانچہ حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلعم سے پوچھا اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں آپؐ نے فرمایا نظر پھیر لو۔ حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو پہلی اتفاقیہ نظر تمہیں معاف ہے دوسری نظر کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن بعض وقت ایسے بھی آتے ہیں کہ اجنبیہ کو دیکھنا لازم ہوجاتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر کسی مریض کو یا اس عورت کو جو قاضی کے آگے بطور گواہ پیش کی گئی ہو۔ اسی طرح اجنبی عورت کو نکاح کے لئے دیکھنا جائز ہے۔ اور خود آنحضور نے اس غرض سے دیکھا ہے۔

سہل ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ میں اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں دینے کے لئے آئی ہوں. تو آپؐ نے نظر اٹھائی اور اس کو دیکھا۔

غضِ بصر کا حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے۔ اسی طرح عورتوں کیلئے بھی ہے کہ وہ غیر محرم مردوں کو نگاہیں اٹھا کر نہ دیکھیں. چنانچہ حسب ذیل واقعہ سے آپ بخوبی پتہ لگا سکتے ہیں حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہ حضور صلعم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں حضرت ابن مکتوم (جو نابینا تھے) آئے حضورؐ نے فرمایا کہ پردہ کرو حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں ہم کو پہچان بھی نہیں سکتے حضور صلعم نے جواب دیا کیا تم بھی نابینا ہو؟ وہ تمہیں نہیں دیکھتے تو کیا تم بھی نہیں دیکھتیں۔؟

پھر تو مذہب اسلام نے پردے کے جو احکام عطا کئے ہیں اگر ان پر سبھی طریقے سے غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بڑے اور اہم مقصد ہیں اوّل یہ کہ عورتوں اور مردوں کے اخلاق کی حفاظت کی جائے اور ان خرابیوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ جو مخلوط طبقے میں مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول سے پیدا ہوتی ہیں. دوم یہ کہ عورتوں اور مردوں کا دائرہ عمل الگ کیا جائے۔ تاکہ فطرت نے جو فرائض عورتوں کے ذمے کیے ہیں. وہ ان فرائض کو سکون قلب کے ساتھ ادا کر سکے اور جو فرائض مرد کے ذمے کئے ہیں ان کو وہ اطمینان کے ساتھ بجا لا سکے۔ سوئم اپنا گھر مکان اور خاندان نظم و ضبط کو محفوظ کیا جائے۔ تاکہ ان پر برے اثرات اپنا اثر نہ ڈال سکیں لہٰذا یہ میری دلی امنگ ہے کہ عورت کو اسلام نے جو بلند بلند مقامات عطا کئے ہیں ان کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور اپنے بہادرانہ کارناموں کے ذریعہ آج بھی دنیا پر یہ آشکارا کر دے کہ عورت ان تمام بلند مقامات کی حامل ہے۔ جن پہ مذہب اسلام نے اس کو فائز کیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ

بقیہ صفحہ ۱۶۵ عملِ صالح

سے اونچ نیچ، اعلیٰ ادنیٰ، ذات پات کی تفریق ختم ہو جب ہی اخوت و مساوات کی حقیقی روح پیدا ہو سکتی ہے اور امتیازی حیثیت حاصل کرنے کے لئے اعمال خیر کا جذبہ ابھر سکتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

بقیہ صفحہ ۱۲۴ اسلامی معاشرہ

ملیگی اللہ کا فضل و رحمت کس طرح دستگیری کرتا ہے۔ بس اس پر وہی شعر صادق آتا ہے جس کو علامہ اقبالؔ نے فرمایا تھا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں



زمرۂ ثالثہ
از عبد الرزّاق جولیالیہ
متعلم لطیفیہ عربک کالج مکان حضرت
قطب ویلور

نیک اعمال سے صاحبِ ایمان بنئے
ہے مسلمان کو لازم کہ مسلمان بنئے

انسان کی طبیعت مختلف ومتضاد کیفیات کی حامل ہے۔ اللہ نے اس میں ایک ایسا مادّہ رکھا ہے کہ انسان اس سے صالحات وسیئات دونوں اخذ کرسکتا اس کی مثال ایک زمین کی سی ہے کہ اس میں کانٹے بھی اگتے ہیں اور گلاب بھی یہ مالی کو اختیار ہے چاہے پھول اگالے یا کانٹے لیکن جس طرح کانٹے اگانے کی صورت میں جسم میں زخم وخراش یا دامن وگریبان کے الجھنے اور تارتار ہونیکا اندیشہ ہے اسی طرح معاصی سیآت بھی اخروی زندگی کے لئے مہلک وخطرناک ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے دنیا کی مخلوق کو ایک خاص طبیعت وفطرت پر پیدا کیا ہے۔ مثلاً فرشتوں میں حسنات وصالحات کی صفت رکھا ہے۔ شیاطین کی جبلت میں شر اور بدی ہے اور حیوانات میں صرف نفسانی خواہشات کا غلبہ ہے اور نباتات بھی ایک خاص نظام کے پابند ہیں صرف ایک انسان ہی ہے جس کی طبیعت میں مختلف خواص واثرات ہیں یعنی حسنات بھی سیئآت بھی خیر بھی شر بھی جب انسان کی طبیعت متضاد صفات کی صلاحیت رکھتی ہے تو اگر وہ صفات واعمالِ حسنہ کو اختیار کرے تو اس کی مثال اس باغباں کی ہے۔ جو اپنی زمین میں سیلا، جوہی، اور چنبیلی کی کاشت کرے اور اس سے خوشبو اور عطریات بنا کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائے کیونکہ اعمالِ صالحہ کی کاشت کا ثمرہ باغ جنت ہے جہاں دائمی آرام وراحت ہے کسی ضرر یا گزند کا اندیشہ نہیں لیکن اس کے برخلاف اگر اس نے برائی کا راستہ اختیار کیا۔ تو اس کا نتیجہ بھی خطرناک ہے کیونکہ وہ شیطانی راہ ہے اور شیطان کی دشمنی سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ کردیا ہے۔ یا بنی آدم ان لا تعبد الشیطان انہ لکم عدوّ مبین

کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان کے فریب میں پڑکر بدی کی راہ اختیار کرلو ورنہ اس کا نتیجہ ہلاکت وبربادی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنا نائب وخلیفہ بنایا۔ فرشتے اس منصب پر فائز نہیں کئے گئے ہیں حالانکہ فرشتے ہر لمحہ شب وروز اس کی تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے ہیں کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے اس کی وجہ یہ

فرشتوں میں اللہ نے گناہ اور بدی کا مادہ نہیں رکھا ان کی خلقت نورانی ہے جس میں شہر و معصیت کا شائبہ تک نہیں ہے اس لئے اگر ان سے محض نیکیوں کا صدور ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی فطرت خیر و شر کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا اگر انسان شر کے تقاضوں سے بچ کر خیر کے مطالب و مقتضیات پر عمل کرتا ہے تو یہ واقع اس کا مجاہدہ اور کمال ہے اور جاھدوا فی اللہ حق جہادہ پر عمل کرنیکی وجہ سے بیش از بیش مراتب و درجات قرب کا مستحق ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں کہئے کہ آگ سے حرارت کا ظہور یا پانی سے برودت کا ظہور کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کیونکہ یہ اس کا فطری وصف ہے البتہ اگر آگ سے برودت کا ظہور یا پانی سے حرارت کا تو ضرور تعجب خیز ہے کیونکہ یہ اس کے مقتضائے فطرت کے خلاف ہے۔

انسان جوں جوں نیک اعمال کا پابند ہوتا جاتا اس کا دل ظلمت و کدورت سے صیقل ہو کر صاف و شفاف آئینہ کے مانند ہو جاتا ہے۔ جس میں گناہ و معصیت کا کوئی داغ دھبہ نہیں رہتا اور پھر حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اس کو معاصی و منکرات سے بالکل تنفر ہو جاتا ہے۔ مرتکب شر اور خیر کی مثال اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے، اور دونوں کا فرق واضح کیا ہے وما یستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات یعنی جو لوگ نیک عمل اور ہدایت ہیں ان کی مثال بینا، نور، سایہ اور صاحب حیات کی ہے اور جو لوگ بدکردار اور راہ ہدایت سے دور ہیں ان کی مثال نابینا، ظلمت، حرارت اور مردوں کی سی ہے۔ اس آیت میں احیاء و اموات کے لفظ سے معلوم ہوا کہ زندہ حقیقتاً وہی لوگ ہیں جن کے دل زندہ ہیں اور دل کی زندگی ایمان اور ہدایت سے ہے جو لوگ ایمان اور ہدایت سے محروم ہیں وہ اگرچہ بظاہر چلتے پھرتے ہیں لیکن در حقیقت مردہ ہیں کیونکہ اللہ کے نزدیک ان کا وجود و عدم برابر ہے جو لوگ پرہیزگاری ایمان اور عمل نیک کی زندگی رکھتے ہیں وہی صالحین ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں انواع اقسام کی مہمانی کا سامان تیار کر رکھا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ ایسے ہی اللہ کے نیک بندوں کی صحبت عبادت سے بھی بہتر بتائی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان عبادت کو ترک کر دے بلکہ مطلب یہ ہے عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ والوں کی صحبت ضرور اختیار کیجئے کیونکہ ان کی صحبت قلب کی اصلاح میں بہت زیادہ موثر ہے بقول علامہ روم ؂

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبت کی تاثیر کے متعلق ایک واقعہ یاد آیا ملاحظہ ہو۔

ایک طالب علم انتہائی عقیدت کے ساتھ حضرت شیخ شاہ کلیم اللہ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا آپ بھی اس پر مہربانی اور شفقت فرماتے تھے ایک مرتبہ اس طالب العلم نے کہا کہ اے حضرت جب بھی میں نماز پڑھتا ہوں تو ہر نماز کی نیت کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ میرا منہ کعبہ شریف کی طرف لیکن میں نے آج تک کعبہ نہیں دیکھا، میرے لئے ایسی دعا فرمائیے کہ

جب بھی یہ جملہ میرے منہ سے نکلے تو کعبہ نظر آجائے۔ آپ نے جواب میں فرمایا آنکھیں بند کر لو طالب العلم نے آنکھیں بند کر لیں آپ نے فرمایا آنکھیں کھول دو طالب العلم نے تعمیل حکم اس کے بعد آپ نے فرمایا اب تمہیں کیا نظر آتا ہے؟ طالب العلم نے کہا کہ میں کعبہ دیکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا آنکھیں کھولدو طالب العلم نے تعمیل حکم کی اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر تقوی و پرہیزگاری اور نیک کام اختیار کروگے تو ہر وقت ایسا ہی ہوگا۔ وہ شیخ کی اس نصیحت سے راہِ سلوک کی منزلیں طے کرنے لگا حتیٰ کہ درویش کامل بن گیا۔ دیکھئے نیک صحبت کا اثر کیا ہو! ؎

سگِ اصحابِ کہف روزِ چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

اب صحبتِ طالع کی مثال لیجئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کی صحبت سے کیا سے کیا ہو گیا۔ حالانکہ وہ ایک پیغمبر کا بیٹا تھا اگر وہ بروں کی صحبت چھوڑ کر اللہ کے احکام کو باپ کے اقوال کو بجالاتا تو ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی پیغمبری عطا کر دیتے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو۔ لیکن اس کو بروں کی صحبت نے اللہ کے احکام اور پیغمبر کی نافرمانی پر آمادہ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب قوم نوحؑ پر اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیجا تو حضرت نوحؑ نے ازراہِ شفقت پدری اپنے فرزند کو بھی کشتی میں سوار ہونے کے لئے بلوایا لیکن وہ نہ مانا اور کہدیا کہ میں طوفان کی زد محفوظ کر لونگا۔ لیکن آخر کار وہ بھی دوسرے نافرمانوں کے ساتھ اسی طوفان میں غرق ہو گیا۔ یہ صحبت بد ہی کا اثر تھا کہ جس نے اس کو برباد کر دیا ؎

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

پس ہم کو چاہئے بری صحبت سے ہمیشہ گریز کریں فقط ایمان بھی اگرچہ فی الجملہ نجات کے لئے کافی ہے یعنی جس کے دل میں توحید و رسالت اور تمام ضروریات دین کی تصدیق ہے اس کے علاوہ اعمال کا کوئی ذخیرہ اس کے پاس نہیں ہے تو اگرچہ اللہ کی رحمت سے وہ بھی ایک نہ ایک دن جہنم سے رہا ہو گا لیکن مکمل اور رابندائی سے نجات کے لئے ایمان کے ساتھ اعمال کا ہونا بھی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ ایمان کے ساتھ اعمال کا بھی مطالبہ کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض ائمہ اکرام نے اعمال کو مانا ہے اس کا جزء۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان اس وقت تک موجود ہی نہیں ہو سکتا جب تک اعمال کا وجود نہ ہو اس طرح بنیاد کے بغیر مکان کی تعمیر نہیں ہو سکتی اسی طرح اعمال کے بغیر جنت کا بھی داخلہ نہیں ہو سکتا۔

دنیا ایک سرائے فانی کی طرح ہے اور یہاں کے رہنے والے سب مسافر کی طرح ہیں جیسے مسافر کیلئے مستقل قیام نہیں ہوتا اسی طرح یہاں کے رہنے والوں کے لئے مستقل قیام نہیں ہے بہت سے لوگ کوچ کر چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی آگے پیچھے کوچ کرنے والے ہیں اس لئے اگر ہم آخرت کا توشہ مہیا نہیں کر لئے تو وہاں حسرت و ندامت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہو گا اور کف افسوس

ملتے رہ جائیں گے۔ دوست واحباب، اعزّہ، اقارب، کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اگر کوئی چیز کام آنے والی ہے تو وہ انسان کے اعمال ہونگے ؎

کیا کیا دنیا سے صاحبِ مال گئے
دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہنچا کے لحد تلک پھر آئے سب لوگ
ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

نیک لوگوں کے اجر کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاما الذین امنوا وعملوا الصالحت فیوفیھم اجورھم ویزیدھم من فضلہ واما الذین استنکفوا وفیعذبھم عذابا الیما ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کاموں کے پورے بدلے دیگا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ نوازیگا۔ لیکن جنہوں نے اس کے فرمانبرداری سے انکار کیا اور غرور وتکبر اختیار کیا تو انہیں بڑا دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا کارساز و مددگار نہیں پائینگے۔ یعنی جو اللہ کے احکام کو ٹھکراتا ہے اور اپنے دولت یا مملکت کی بنا پر غرور وتکبر کرتا ہے جس طرح فرعون خود کو انا ربکم الاعلیٰ کہتا تھا آخر اس کے غرور وتکبر کا نتیجہ وہی ہوا جو معلم الملکوت کا ہوا یعنی عزازیل جو تمام ملائکہ کا معلم تھا۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرماکر تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو تمام فرشتے فوراً سجدہ میں چلے گئے تعمیل حکم کی وجہ سے وہ تمام معزز ومقرب ہوگئے لیکن عزازیل نے انکار کیا۔ اور کہنے لگا کہ میری پیدائش آگ سے ہے اور آدم کی مٹی سے خلقتنی من نار وخلقتہ من طین۔ تو میں اس کو کیسے سجدہ کروں جب کہ برتر وافضل میں ہوں۔ اس عجب وکبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیطان خوار وذلیل ہوکر راندۂ بارگاہِ الٰہی ہوا۔ یہ سب صرف اس کے تکبر وغرور کی وجہ سے ہوا ؎

تکبّر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

خدا کی بارگاہ میں بادشاہ، وزیر، نواب، فقیر، سب برابر ہیں وہاں فرق وامتیاز کا سبب سلطنت وامارت نہیں نہ پیشہ نہ خاندان نہ حسب ونسب بلکہ صرف اچھے اور برے اعمال ہیں۔ قرآن فرماتا ہے وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم یعنی ہم نے تمکو مختلف خاندان وقبیلوں میں تقسیم کردیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک باعظمت وجلیل القدر وہ ہے جو زیادہ متقی وپرہیزگار ہے اس سے معلوم ہوا کہ باعثِ اعزاز وافتخار انسان کے اچھے اعمال ہیں خواہ وہ نسلاً حبشی ہو یا غلام، رومی ہو یا یونانی، عجمی ہو یا عربی کوئی بھی ہو اسلام نے اپنے اس پاکیزہ تعلیم سے تمام دنیائے انسانیت کو ایک سطح پر کھڑا کردیا ہے۔ اور دراصل اخوت ومساوات پیدا کرنے کی پہلی شرط یہی ہے کہ دنیا

بقیہ برصفحہ ۱۶۹

گناہ کرنے کی طاقت انسان میں کہاں سے آئی

از
مولوی محمد ابوبکر
ملیباری زمرۂ تاسعہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

دنیا میں جس قدر مذاہب ہیں وہ سب گناہ کو بڑا سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ انسان گناہوں سے بچکر پاکیزہ زندگی بسر کرے لیکن یہ سوال کہ گناہ کیا چیز ہے اور گناہ کرنیکی طاقت انسان میں کہاں سے آئی اور اس سے بچنے کا کیا علاج ہے۔ اس صحیح اور واقعی جواب بجز اسلام کے اور کوئی مذہب نہیں دیتا۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ منجملہ دیگر خوبیوں اور کمالات کے اسلام کی ایک خوبی اور کمال یہ بھی ہے کہ وہ پاکیزہ حیات کا ایک کامل و مکمل ضابطہ اور پروگرام ہے جو انسان کو اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر پہنچاتا اور اس کو فرشتہ صفت بناتا ہے۔

حضرات: کسی چیز کی حقیقت و ماہیت جاننے اور اس کے نفع و نقصان سے واقف ہونے سے پہلے اس کی تعریف کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ اس لئے گناہ کی تعریف اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن حکیم نے گناہ کو لفظ اثم، جرم، اور فسق سے تعبیر کیا ہے اور ان تینوں لفظوں کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ کسی فعل کو گناہ اس وقت کہا جائیگا جب کہ انسان اس کے ذریعہ خدا کے حکم اور ضابطہ کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے یعنی خدا کے حکم اور ضابطہ کو گناہ کہتے ہیں۔ گناہ کی وجہ سے انسان مستحق سزا اور عذاب اس وقت ہوگا جب وہ گناہ کا ارتکاب بالقصد و بالارادہ کرے اگر بغیر قصد و ارادہ اس سے ایسا فعل سرزد ہوجائے یعنی لاعلمی و بے خبری کی حالت میں تو اس پر گناہ کا اطلاق نہ ہو مثلاً دیکھئے کہ خودکشی کو اسلام نے ایک زبردست گناہ یعنی حرام بتلایا ہے۔ اب اگر ایک شخص زہر کو زہر سمجھتے ہوئے پی لے۔ اس کا لازمی نتیجہ موت ہوگا۔ اور وہ شخص گناہ کا مرتکب ٹھیریگا۔ لیکن اگر وہ لاعلمی میں زہر کو پی لے تو اگرچہ اس فعل کا نتیجہ تو بھگتنا پڑیگا مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گناہ کیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بے خبری میں شراب کو دوا سمجھ کر پی لئے تو وہ مخمور ضرور ہوجائے گا۔ لیکن اس کو گناہ نہ سمجھا جائے گا مختصراً یہ کہ عمداً ترک فرائض اور ارادۃً ارتکاب نواہی کو گناہ کہتے ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور دنیا کے پیشوائے اعظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ کیسی عمدہ اور جامع و مانع تعریف کی ہے۔ فرمایا۔ الاثم ما حاك في صدرك یعنی گناہ یہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے یعنی اس کے کرنے اور نہ

میں طبیعت متردد ہو۔

ناظرین: آپ نے گناہ کیا چیز ہے معلوم کرلیا ہے۔ اب یہ بھی معلوم کرلو کہ گناہ کی طاقت آئی کہاں سے خدا نے تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں دو جاذبے یا داعیے رکھے ہیں۔ ایک کو داعیِ خیر یا جاذب خیر کہتے ہیں اور دوسرے کو داعیِ الی الشر یا جاذب شر کہا جاتا ہے۔ یعنی انسان میں ایک قوت تو ایسی ہے جو اس کو نیکی کی طرف مائل کرتی ہے۔ اور ایک ایسی قوت ہے جو بدی کی طرف کھینچتی ہے۔ اس کو لسان شریعت میں لمۂ ملک بھی کہا گیا ہے اور بدی کی قوت کو لمۂ شیطان۔ نیکی کا تقاضا فرشتہ یا روح القدس کرتا ہے۔ اور بدی کا شیطان یا ابلیس یہ دونوں قوتیں خدا نے ہی انسان میں رکھی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ انسان میں گناہ کرنے کی طاقت خدا کی طرف سے آئی ہے۔

برادران ملت اس پر شاید کوئی گستاخ دبے ادب زبان یہ کہہ اٹھے کہ جب ہمارے اندر گناہ کا مادہ خدا ہی نے رکھا ہے۔ تو وہ ہمیں گناہوں کے ارتکاب پر کیوں سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ یہ اعتراض بہت سے نوجوانوں اور اسلام سے ناواقف لوگوں کے دلوں میں کھٹکتا ہے۔ اس کا جواب ذرا غور سے سامعین کی اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے۔ تاکہ ارتکاب معاصی کی پہلی بنیاد منہدم ہوجائے۔ اور اطاعتِ الٰہی کی بنیاد استوار ہو اب سنئے انسانی فطرت میں گناہ کا مادہ رکھنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے لئے چند ابتدائی باتیں سمجھ لینے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تاکہ وہ اپنی صفت خالقیت سے شناخت کیا جائے پھر پیدا کرنے کے بعد ان پر اپنے لطف وکرم کی بارشیں اس لئے کیں کہ اس کی صفت رحیمی اور کریمی کا ظہور ہو مگر یاد رہے کہ مطالب و مقاصد دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو اس طرح کہ کسی فعل کا کرنے والا نتیجۂ افعال اور مقاصد اعمال کا محتاج ہو جیسے بیمار طبیب سے اس لئے نسخہ لکھوانے جاتا ہے کہ وہ اس کا محتاج ہے اور دوسرے یہ کہ افعال کا کرنے والا نتائج اعمال کا خود محتاج نہ ہو۔ بلکہ دوسرے کا برآمد مقصود ہو۔ مثلاً اگر طبیب نسخہ لکھتا ہے تو بحیثیت طبیب اس کو اس کی حاجت نہیں تھی بلکہ دوسروں کی حاجت روائی مطلوب ہوتی ہے ایسے ہی خداوند عالم کو عالم کے پیدائش سے یہ لازم نہیں کہ اس کا محتاج تھا بلکہ صرف بندوں کی حاجت روائی اور صفت خالقیت سے شناخت کیا جائے اسی طرح سے خدائے واحد نے گناہ کا مادہ انسان میں اس لئے نہیں رکھا کہ اس سے عذاب میں ڈالدے بلکہ اس لئے رکھا ہے کہ گناہ بخشنے کی جو صفت خدائے قدوس میں ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے ایک موقع نکالا جائے پھر بھی تو دیکھو کہ اس حکیم و عادل نے جہاں انسان میں بدی کی قوت رکھی ہے۔ اگر وہ صرف بدی کی قوت رکھتا تو البتہ مذکورہ بالا اعتراض ہوسکتا تھا گناہ بیشک ایک زہر ہے۔ مگر ساتھ ہی توبہ استغفار کا تریاق بھی تو بتلادیا ہے شرم وندامت اور توبہ و پشیمانی کے بعد بھی گناہ کا مادہ اخلاقی اور روحانی ترقیات کا موجب ہوجاتا ہے۔ نیکی اور بدی کی کشمکش میں پڑکر دینداری اور پرہیزگاری کے جوہر کھلتے ہیں اور وہ جزا اور سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رشد وہدایت اور اصلاح عالم کیلئے

اپنے آخری کلام اور مکمل دستور العمل قرآن کو نازل کر دیا
ہے جس کے ساتھ اسوۂ رسول کی روشنی و رہنمائی بھی ہے
یہ دونوں روشنیاں نفسیاتی و شیطانی تاریکیوں سے بچا کر پاکیزگی
و نجات کی طرف لیجاتی ہے یہ واقعہ ہے کہ انسان کی استطاعت
میں ہے کہ وہ ان رہنماؤں کا اتباع کر کے نیکی کی راہ پر
گامزن ہو اس انعام و احسان پر مزید احسان یہ کہ اللہ تعالیٰ
نے یہ دونوں طاقتیں انسان میں رکھ کر بندوں پر واضح کر
دیا کہ فلاں راستہ سیدھا ہے جس پر چل کر انسان دینی و
دنیاوی فلاح و نجات حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ انسان
کو کسی ایک راستے کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا
بلکہ اختیار دیا ہے کہ وہ جس راستہ کو چاہے اختیار کرلے چاہے
نیکی کی راہ پر چل کر دین و دنیا کو بنالے اور چاہے بدی کا
راستہ اختیار کر کے دین و دنیا کو تباہ و برباد کرلے چنانچہ
ارشاد باری ہے۔

فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر انا اعتدنا
للظالمین کہ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے اس کا
انکار کر دے مگر جو لوگ اس کا انکار کرینگے وہ ظالم ہونگے
ان کے لئے ہم نے آگ تیار کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندوں
کو ارادہ و اختیار نہ دیتا بلکہ ان کو کسی ایک راستہ کو اختیار
کرنے پر مجبور و مضطر کرتا تب البتہ جزا و سزا کا اصول
خلاف عقل اور خلاف عدل ہو سکتا تھا۔

ہم گناہ سے کیسے بچ سکتے ہیں

ناظرین! آپ کو معلوم ہو گیا کہ انسان میں گناہ کی طاقت کہاں
سے آئی اور اس میں کیا حکمت ہے اب یہ بھی سن لو کہ گناہ کا علاج
کیا ہے جس خدا نے انسان میں یہ کمزوری رکھی ہے اسی نے اس کی
سزا کی بچاؤ کی صورت بھی بتلادی ہے۔ خوبی اور کمالی صرف اسلام
ہی کا ہے کہ اس نے گناہ کی سزا سے بچنے اور اجتناب کرنے
کے طریقے بھی بتلادئے ہیں انسانیت کے اردگرد نیکی و پاکیزگی کا
ایک ایسا مضبوط حصار کھینچ دیا ہے کہ اگر انسان ذرا بھی اپنی عقل
سے کام لے تو بآسانی نفس و شیطان کے پھندوں اور غلامی کی
زنجیروں کو توڑ کر متقی و پرہیزگار بن سکتا ہے۔ گناہ علاج بتانے
سے باقی تمام مذاہب ساکت ہیں اور ان کے ماننے والوں نے مختلف
طریقے اختیار کئے ہیں مثلاً عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ
علیہ السلام ہمارے لئے مصلوب ہو کر کفارہ ہو چکے ہیں یعنی گناہگاروں
کا بوجھ ایک مقدس بے گناہ پر ڈالدیا گیا اس کے ماننے سے عقل
بالکل انکار کرتی ہے۔ اسی طرح ہمارے آریہ بھائیوں نے بھی بڑا
سخت ٹھوکر کھائی ہے اور اصل حقیقت کو بھولے بیٹھے ہیں۔ آریوں
کے عقیدہ کی رو سے کہتے ہیں کہ توبہ و استغفار فضول چیز ہے۔ جب
تک انسان گناہ کے عوض میں وہ تمام جونیں نہ بھگت لے جو اس گناہ
کی سزا کے لئے مقرر ہیں تب تک نجات غیر ممکن ہے۔ پرمیشور
اس بات پر قادر ہی نہیں کہ گناہ بخشدے وہ صفت عفو و کرم
سے محروم ہے۔

برادران اسلام

گناہوں سے بچنے اور صفت
ارتقاء و حاصل کرنے کے لئے صرف مذہب اسلام ہی راہ بتا
سکتا ہے۔ یہی ایک پاکیزہ مذہب ہے کہ ہم اس کو سمجھیں اور اس
کے احکام پر عمل پیرا ہوں تو اس جامۂ انسانی میں فرشتے بن
سکتے ہیں اور دین و دنیا میں ہر طرح فائز المرام و شادکام ہو سکتے ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین



فرد ملت سے ہے ملت جو نہیں تم بھی نہیں۔

جذب باہم جو نہیں محفلِ انجم ۔ بھی نہیں

انسانی زندگی کی عمدگی اور صحت کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اس کے ظاہری و باطنی دونوں پہلوؤں میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی و مناسبت پیدا ہو کیونکہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا کہنا ہے۔ المؤمن مألف ولا خیر فیمن لا یألف ولا یولف یعنی صاحبِ ایمان سراپا الفت و محبت ہے اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ کسی سے محبت رکھتا ہے چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اس لئے وہ زندگی بسر کرنے میں غیر کا محتاج ہے۔ اس احتیاج و افتخار کی وجہ سے تمدن و معاشرہ کا وجود ہوتا ہے۔ اور اسی متمدن زندگی سے انسان کی ظاہری و باطنی خوبیاں اجاگر ہوتی ہیں۔ دنیا میں ہزاروں تہذیبیں گزر چکیں ہیں ان میں کم و بیش ہر ایک نے اپنے اپنے زمانہ میں انسان کے اصلاح و تربیت کی کوشش کی ہے اور یہ چاہا ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن قول و عمل سیرت و صورت کردار گفتار رنگ اور ڈھنگ تواضع و ہم آہنگی پیدا ہو

چونکہ انسان کی شخصی و پرائیویٹ زندگی جماعت و معاشرہ کی زندگی سے مربوط ہے ۔ مثلاً والدین خویش و اقارب دوست و احباب خاص و عام جن سے روزانہ زندگی میں سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے ایک کی زندگی کا عکس و پرتو دوسرے کی زندگی پر پڑتا ہے۔

بچہ اپنے ایام طفلیت ہی سے دوسروں کا اثر قبول کرنے لگتا ہے اسی طرح ہر ایک اپنی زندگی خوشگوار اور جامع اور بہترین بنانے کے لئے رنگ و ڈھنگ چال و چلن میں اپنے سے بہتر شخصیت کی اتباع کرتا ہے تاکہ دوسرے کی زندگی کے دلکشی و رنگین عناصر اپنی زندگی میں بھی جذب و نقش ہو جائے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی معاشرہ جس قدر پاکیزہ اور صالح و نیک کردار ہوگا تو اس انسان کی شخصی زندگی کس قدر حسین و جاذب قلب و نظر ہوگی انسانی معاشرہ کی اصلاح و درستگی کے لئے اسلام نے جیسے زرین اصول پیش کئے ہیں اور اسلام کی فدائیوں نے اپنی سیرت و صورت کردار و گفتار سے جو اس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ اور ان بیش قیمت اصولوں کو اپنی زندگی میں* بلند استعمال کر دکھایا ہے دنیا کے تمام مذاہب کی تعریف اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

معاشرت کی پاکیزگی اصلاح و درستگی کے لئے۔

اسلام نے جو جامع اصول پیش کئے ہیں اس کی جامع تعلیم یہ ہے کہ۔

ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل اور احسان اور قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا اور روکتا ہے بے حیائی اور منع کی ہوئی چیزوں اور بغاوت سے نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اس سے۔

تو معلوم ہوا کہ اس آیات کریمہ میں چھ۶ باتوں کا حکم کیا گیا ہے۔ جس میں تین۳ ایجابی ہیں اور تین سلبی۔ ایجابی احکام یہ ہیں ایک۱ عدل و انصاف دوسرا۲ احسان و سلوک۔ تیسرا۳ قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی اس کے بعد تین۳ سلبی احکام ہیں۔ فحشا۱ یعنی ہر گناہ سے اجتناب کیا جائے اور منکر۲ یعنی اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف جو بھی قول و عمل ہو اس سے بچا جائے۔ بغاوت۳۔ گو یوں سمجھنا چاہئے کہ اسلامی معاشرہ کے چھ۶ عناصر ہیں جس طرح جسم انسانی کی ترکیب عناصر اربعہ سے ہے۔ خاک، باد، آب، آتش، اور ان عناصر اربعہ کے بغیر جسم انسان کا وجود ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح عناصر ستہ کے بغیر ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کا وجود ہو نہیں سکتا اور یہ دعویٰ اس طرح واضح ہے جو کسی دلیل یا برہان کا محتاج نہیں دنیا کے تمام اقوام و ملل کی تاریخ اس کی صداقت پر شاہد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب کسی قوم میں عدل انصاف کے بجائے ظلم و جور کا دور دورہ ہوا احسان و سلوک یا قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی بجائے دوسروں کی حق تلفی غصب و خیانت، بخل و حرص کا غلبہ ہوا اور بغاوت فتنہ اٹھ جائے اور اسی طرح جب پارسائی و پاکبازی کی بجائے بدچلنی و بدکرداری شیوع و فروغ ہوا تو بالآخر قہر و غضب خداوندی ان پر نازل ہوا۔ اور وہ دنیا سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔ قوم لوط و عاد وغیرھم کا جو حال ہوا۔ خیر ان تمام واقعات کی تفصیل کی ضرورت نہیں اور نہ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش ہے۔

عدل و انصاف کا پرچار ہر مذہب کے مصلحین و قائدین نے کیا لیکن عملی حیثیت سے اس کا کامل نمونہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اس کے بعد آپؐ کے صحابہ و متبعین اسلام کو بھی حاصل ہے۔ ان کی سیرت و طرز زندگی اسلامی تعلیمات کی کسوٹی و مکمل آئینہ دار ہے اسلام نے اخوت و مساوات کی تعلیم دی۔ ذات، پات، کالے گورے، عربی عجمی کے فرق کو مٹا دیا اور بتایا کہ یہ چیزیں مابہ الامتیاز نہیں ہیں بلکہ اصل شرف و فضیلت کا معیار خدا ترسی و پرہیزگاری ہے چنانچہ متبعین اسلام کی زندگیوں میں ان تعلیمات کا پورا پورا عکس جلوہ گر نظر آتا ہے ایسا نہیں کہ صرف دلفریب اصول و قوانین ہیں۔ جو صرف کتابوں کے صفحات پر محفوظ و محدود ہیں۔ اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کر کے اخوت و مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا۔

اپنے مرض وفات کے موقع پر تمام جلیل القدر صحابہ

جس میں مہاجرین و انصارِ مدینہ بھی شامل تھے۔ ان کا سپہ سالار حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بنایا جو آپ کے آزاد کردہ غلام کے فرزند تھے۔ اس سے بڑھ کر اخوت و مساوات کا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عدل و انصاف کے معاملے میں اپنے بیگانے دوست و دشمن مسلم غیر مسلم فرق کو ختم کر دیا۔ اور ایک قانون کو نافذ کیا کہ فیصلہ ہمیشہ عدل و انصاف کے مطابق ہو۔ خواہ وہ اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو کیونکہ اسلام عدل و انصاف کا بہت بڑا حامی ہے۔ دیگر قوموں کی طرح یہ نہیں چاہتا کہ عدل و انصاف اپنے ہم قوموں ہی تک محدود رہے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ غیر مسلموں اور دنیا کے ہر گوشہ گوشہ میں عدل و انصاف کے ساتھ قائم کیا جائے۔ چنانچہ اس واقعہ سے بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک معزز خاندان کی ایک عورت فاطمہ مخزومیہ نے چوری کی۔ بہت سے لوگوں نے اس کی معافی کے لئے سفارش کرنی چاہی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر میری صاحبزادی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ اللہ کے حدود و قصاص میں سب برابر ہیں نیز آپ نے فرمایا کہ تم قوم بنی اسرائیل کا طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہو کہ اگر ان میں سے دنیاوی اعتبار سے معزز آدمی کوئی بڑا جرم کرتا تو اس کو معمولی سزا دیتے اور درگزر کر دیتے تھے اور اگر کوئی غریب یا معمولی آدمی اس جرم کا مرتکب ہو جاتا تو اس کو سنگسار کر دیتے تھے۔

غرض انہیں مظالم و ناانصافیوں کی وجہ سے قوم بنی اسرائیل خدا کی سزا و عذاب کے مستحق ہوئی۔ بہرحال گذارش کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی زندگی اسلامی تعلیمات کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی آپؐ کی ہر ہر ادا درس قرآن و حدیث کی مکمل تشریح و تفسیر تھی جو باتیں قرآن و حدیث میں قانون و ضابطہ کی شکل میں ہیں وہی چیزیں آپ کے طرزِ زندگی میں عملی حیثیت نمایاں ہیں۔ آپ کے بعد صحابہ اکرامؓ کی زندگیاں کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی یہی نقشہ نظر آتا ہے لہٰذا عدل و انصاف اخوت و مساوات کے سلسلہ میں صحابہ اکرامؓ کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت سفیان بن اُمیہؓ ایک بڑے پیالے میں کھانا لائے اور آپؓ کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو بلایا اور تمام کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد فرمایا! خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جو غلاموں کے ساتھ کھانا کھلانے میں عار آتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش جا سکتی ہے۔

آپؓ کے ایوانِ عدالت میں شاہ و گدا ادنیٰ و اعلیٰ خویش بیگانہ مسلم و غیر مسلم غرض تمام کے ساتھ برابری و مساویانہ سلوک برتتے تھے نیز ایک اور واقعہ ہے کہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ سے ملنے گئے۔ ضروری گفتگو کے بعد وہ مجلس سے اٹھنے گئے تو لوگ تعظیماً اُن کے ساتھ ہو گئے اتفاقاً اُس وقت کسی طرف حضرت عمرؓ بھی نکل آئے اس تعظیمی شان کو دیکھ کر آپؓ نے حضرت ابی بن کعب کو کوڑا لگانا چاہا تو

انہوں نے متحیر ہو کر سبب دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔ کیونکہ اس کے اندر عجب و کبر پیدا ہونیکا اندیشہ ہے اسی طرح ایک حاکم کو آپؓ نے صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے ایک غلام کی عیادت نہیں کی تھی

مذکورہ بالا واقعات اخوت و مساوات کی عملی مثالیں ہیں غرض آپ کی زندگی کے ایسے ایسے واقعات مل سکتے ہیں لیکن طوالت کا خوف تحریر سے مانع ہے۔ نیز حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں بھی بلا امتیاز مذہب و ملت امیر و غریب مسلم و غیر مسلم سب کے ساتھ یکساں منصفانہ سلوک تھا۔ لہٰذا ایک مرتبہ کا ذکر ہے آپؓ کو ذرہ کے مقدمہ میں عدالت میں ہونا پڑا تھا۔ دراصل واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودی کا ذرہ نیچے گرا تو مدعی علیہ یہودی تھا جس کے قبضہ میں وہ ذرہ تھی قاضی نے امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے گواہ طلب کیا لیکن آپ قانون شرع کے مطابق گواہ نہ پیش کر سکے تو فیصلہ قاضی نے یہودی کے حق میں کر دیا۔ اس فیصلہ سے یہودی اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت مشرف با اسلام ہو گیا اور تعجبانہ طور سے کہا کہ سبحان اللہ یہ فیصلہ تو انبیاء علیہم السلام کے فیصلوں کی طرح ہے کہ جس میں کسی کی بھی اہانت نہیں ہو سکتی خلیفۂ وقت امیر المؤمنین مجھے اپنے عدالت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور قاضی امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسا فیصلہ انہیں نفوس قدسی صفات کا ہو سکتا ہے جو عارضۂ نفس و شائبہ غرض سے پاک ہو۔ ہمارے اسلاف کی شان تھی کہ دوست دشمن سب ان کی سیرت و کردار کی بلندی و برتری کا اعتراف کیا کرتے تھے

دیگر صحابہ کرام کی حالاتِ زندگی کا اگر پتہ چل جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر فرد عظمت و بلندی کا آسمان تھا جس میں اخلاقِ عالیہ و صفاتِ فاضلہ کے روشن ستارے جگمگاتے تھے جو اپنی نورانی شعاعوں سے تمام عالم کو ضیاء بخشتے تھے۔

خلفائے راشدین کے بعد جب ملوکیت کا زمانہ آیا تو ان میں بھی بہت سے ایسے سلاطین گذرے ہیں جن کے روشن کارنامے لوحِ تاریخ میں ثابت ہیں اور کتب تاریخ میں واضح ہیں جو اپنی نیک نفسی و خدا ترسی کی وجہ سے آج بھی مرجع عقیدت و محبت ہیں مثلاً خلیفہ ہارون رشید و مامون رشید اور سلطان صلاح الدین ایوبی۔ اور فاتح سندھ محمد بن محمد قاسم اور سلطان محمود غزنوی، اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ وغیرہ۔

اور بھی ایسی شخصیتیں گذر چکی ہیں جو اپنے عدل و انصاف اور بے نظیر کارناموں کی وجہ سے آج بھی ان کا نام زندۂ جاوید ہے اور اگر ان کے کارناموں پر نظر دوڑائیے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خیر یہاں ہر ہر ایک کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اس سے اندازہ لگائیے کہ یہ حضرات کیسے صفات عالیہ کے پیکر تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی جو اپنے زمانے کے با جبروت

بادشاہ تھے انہوں نے ہر کسی مسلم و غیر مسلم پر عدل و انصاف مساویانہ طریقے پر کیا کرتے تھے ان پر کسی غیر مسلم نے ناحق قتل کی بنا پر قصاص کا دعویٰ کیا تھا۔ جب قاضی کی عدالت میں صلاح الدین ایوبی کی بے گناہی ثابت ہونے کی وجہ سے مقدمہ خارج ہوگیا تو سلطان نے اپنے خصم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا اور اس کی غلطی کو درگزر کردیا۔ اس واقعہ سے یہ واضح کرنا ہے کہ سلاطین کا زمانہ بھی عدل و انصاف کا کیسا مبارک زمانہ تھا کہ عدالت کا حکم اور فیصلے پر بے چوں چرا کہ سر خم کر دیتے تھے کسی طرح کی نفسانیت، رعونیت، تحکم و اقتدار کے جذبہ کو دخل نہ دیتے تھے۔ حالانکہ ان حضرات کو حکومت و اقتدار کی اتنی زبردست طاقت حاصل تھی کہ ان کے سامنے کوئی دم اٹھانے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے مگر اللہ و رسول کے حکم کے سامنے ایسے مجبور بے بس تھے کہ جرم ثابت ہونے پر معمولی آدمی بھی ان سے قصاص لے سکتا تھا۔ یہ ان کی پاکیزہ نفسی خدا ترسی و عدل و انصاف ہی کا جوہر تھا جس کی وجہ سے ان کی سلطنت و حکومت دنیا کے لئے امن و سلامتی کا گہوارہ تھیں ہر طرف خیر و برکت کا نزول تھا لیکن جب۔ دنیا والوں کا حال بدل گیا اور ضمانت داری شروع ہوگئی ملک قوم، خاندان، معاشرہ ہر طرف خرابیاں و برائیاں عام ہوگئیں لوگوں کے اخلاق و عادات بگڑ گئے عدل و انصاف رخصت ہوگیا نیک چلنی و خدا ترسی کی جگہ بدچلنی و خدا فراموشی نے لے لیا تو دنیا سے خیر و برکت امن و سکون سب کچھ رخصت ہوگیا جیسا کہ فارسی مقولہ مشہور ہے کہ "خود کردہ را علاج نیست" کہیں زلزلے کہیں سیلاب کہیں خشکی، و قحط سالی ہے کہیں وبا و آفات و امراض کہیں لوٹ مار ہے کہیں نزاع و فساد کہیں جنگ و جدال بہرحال ایک عالمگیر آفت و بلا ہے جو تمام دنیا پر محیط ہے غرض ہر انسان ایک سفر طے کرتا ہوا آرہا ہے۔ جو راستہ طے کرلیا تو بس۔

دنیا اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے بہت سے منصوبے بنائی ہے کروڑوں عربوں روپئے ہر سال خرچ کرتی ہے مگر سب بے سود ہے حالات میں کوئی تبدیلی اور فرق نہیں ہوتا اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے ہم نے منہ موڑ لیا ہے۔ اللہ و رسولؐ سے منہ موڑ کر جدھر رخ کرینگے تو کامیابی و کامرانی کہاں حاصل ہوسکتی ہے۔

حضرت سعدی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

آج ہم پھر جینے کی تمنا کرتے ہیں۔ اور پھر دنیا میں عزت و سربلندی چاہتے ہیں تو ہمیں صرف اللہ رسول کے ساتھ وفاداری کا عہد پھر سے کرنا چاہیئے اور اس کے احکام کی۔ تعمیل سرگرمی و تندہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من
والدہ وولدہ والناس اجمعین

کہ نہیں ایمان دار ہوگا تم میں سے کوئی اس وقت تک کہ ہو جاؤں میں سب سے زیادہ محبوب والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے۔ اس کے بعد پھر دیکھیئے کہ عمل کی جزا

اقوالِ زرّین

از
حافظ ایس پی
عبدالماجد فلاحی
عاقل سرا
متعلم زمرۂ رابعہ
دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

۱۔ بُرا گمان کرنے، جاسوسی کرنے اور غیبت کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ گناہ ہیں۔ (قرآن حکیم)

۲۔ کسی کو بُرے القاب سے نہ پکارا کرو (قرآن حکیم)

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ (")

۴۔ مصافحہ کیا کرو کیونکہ اس سے کینہ دُور ہوتا ہے اور ہدیہ و تحفہ بھیجا کرو، کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور عداوت ختم ہوتی ہے۔ (حدیث شریف)

۵۔ جھوٹی گواہی اتنا بڑا گناہ ہے جو شرک کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ (حدیث شریف)

۶۔ جو تاجر قیمتیں بڑھانے کے لئے مال روک رکھے وہ ملعون ہے۔ (حدیث شریف)

۷۔ سب سے اچھا وہ انسان ہے جس سے انسانوں کو فائدہ پہنچے۔ (حدیث شریف)

۸۔ علم پیغمبروں کی میراث ہے اور مال کفار، فرعون اور قارون کی میراث ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

(۹) سخی حبیب خدا ہے اگرچہ کہ فاسق ہو۔ بخیل دشمن خدا ہے اگرچہ کہ زاھد ہو۔ (حضرت عمرؓ)

۱۰۔ بڑھاپے کے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے بڑھاپے کو غنیمت جانو۔ (حضرت عمرؓ)

۱۱۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتا ہے لیکن انسان اپنے خدا خالق کو نہیں پہچانتا۔ (حضرت عثمانؓ)

۱۲۔ علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو (حضرت علیؓ)

۱۳۔ ایسے دوست سے بچو، جو تمہاری خوش حالی کا دوست ہو اور آڑے وقت پہ کام نہ آئے (حضرت امام غزالیؒ)

۱۴۔ حریص کی آنکھ کا کوزہ کبھی نہیں بھرا جب تک سیپ نے قناعت نہ کی، موتیوں سے مالا مال نہیں ہوی۔ (مولانا رومیؒ)

۱۵۔ زبان پہ قابو رکھو۔ تاکہ بعد میں تاسف نہ ہو۔ (امام جعفر صادقؓ)

۱۶۔ جہاں تمہاری عزت کا لحاظ نہ ہوتا ہو، وہاں ہرگز نہ جاؤ۔ (سید علی ہجویریؒ)

۱۷۔ طالب العلم کو پانچ باتیں ترک کردینی چاہیے:
عفصہ^۱ ۔ آرائش تن^۲
زیادہ کھیل^۳ ۔ زیادہ سونا^۴
اور جھوٹ^۵ ۔ (نامعلوم)

ایک دلچسپ بات چیت

از
سید محبوب باشاہ
عیدروس سنگولی
(رجاپیور)
متعلم
دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان
ویلور

شکیب کیوں بھائی عاقل! آج کدھر سے چاند نکلا جو تمہاری صورت نظر آئی۔ خیریت تو ہے نا۔ اتنے دن آخر کس کھوہ میں چھپے رہے۔

عاقل: نہیں بھائی! میں تو ہر دن خیال کرتا کہ آج آپ کی خدمت میں ہو آؤں اور آپ سے دلچسپ و مفید معلومات حاصل کروں، مگر کیا کروں میرا خواب شرمندۂ تعبیر ہو پاتا تھا۔

ش آخر اسکی کوئی وجہ تو ہوگی، کیا میری طرف سے کوئی تکلیف پہنچی ہے؟ بھائی اگر ایسا ہو تو پھر میں معافی کا خواستگار ہوں۔

ع: نہیں بھائی۔ ایسی کوئی بات نہیں، خیر ان باتوں کو چھوڑئیے شکیب صاحب! میں چاہتا ہوں کہ حسبِ سابق آج بھی آپ سے معلومات کے لئے چند سوالات کروں۔

ش شوق سے سوالات کیجئے۔ حتی الامکان مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

ع اچھا تو پہلے یہ بتلائیے کہ اُردو کا آغاز کب ہوا۔ اور پھر صحیح معنوں میں اردو زبان کب وجود میں آئی؟

ش دراصل اردو کا آغاز ۹۲؁ھ میں محمد بن قاسم کے عہد میں ہوا۔ لیکن اس کو باضابطہ زبان کی شکل ۳۹۳؁ھ میں محمود غزنوی کے عہد میں حاصل ہوئی۔

ع اچھا یہ بتائیے اردو نثر کی پہلی کتاب کے مصنف کون ہیں۔

ش اردو نثر کی پہلی کتاب کے مصنف حضرت خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی ہیں۔

ع: اچھا جناب! علم ہندسہ کے موجد کون ہیں؟

ش ایسا یاد پڑتا ہے کہ علم ہندسہ کے موجد حکیم بطلیموس ہیں۔

ع ہاں پھر ہندوستان میں موسیقی اور راگنیوں کے موجد کون؟

ش جناب من! ہندوستان میں موسیقی اور راگنیوں کے موجد حضرت امیر خسروؒ ہیں۔

ع ہندی زبان کی پہلی کتاب کس نے لکھی اور کب؟

ش دیکھئے صاحب! ہندی زبان کی پہلی کتاب للولال نے ۱۸۰۵ء میں لکھی ہے۔

ع اچھا جناب! اب یہ بتائیے کہ دنیا میں سب سے بڑا باغ کہاں؟

ش دنیا کا سب سے بڑا باغ امریکہ (کیوبک) میں ہے جس میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہریں، نالیاں اور حوض ہیں۔

ع اب یہ بتائیے کہ دنیا میں سب سے زیادہ بارش کہاں ہوتی ہے

ش ہاں جناب! دنیا میں سب سے زیادہ بارش چیراپونجی (برما) میں ہوتی ہے۔

ع شکیب بھیا! دنیا کا سب سے بڑا بحیرہ کونسا ہے؟

ش مسٹر عاقل! دنیا کا سب سے بڑا بحیرہ بحر الکاہل ہے جو 164,000,000 سکوائر میل پر محیط ہے

ع ہمارے ہندوستان میں سب سے لمبا ریلوے پلاٹ فارم کہاں ہے۔

ش اجی حضرت! سب سے لمبا پلاٹ فارم سورن پور (اتر پردیش) میں ہے

ع اوہو! مسٹر شکیب! توں باتوں میں کافی وقت گزر چکا اب چلتا ہوں گھر پہ شدید انتظار رہا ہوگا۔ خدا حافظ!





ناظرین سے عرض ہے کہ صرف ڈیڑھ مہینے کی قلیل مدّت میں اس رسالۂ اللطیف کا طبع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ جانا بزرگانِ حضرت مکان وقطب ویلورؒ کے غائبانہ دستِ کرم و تعاون ہی پر منتج ہوسکتا ہے۔ ورنہ

این خیال است و محال است و جنوں۔

اور یہ امر واقعہ ہے کہ جنوبی ہند میں اُردو طباعت کی مشکلات کا صرف انہیں کو علم ہوسکتا ہے جو اس راہ سے گذر چکے ہوں۔ اسی بنا پر طلباء کے آخری مندرجہ مضامین میں جنکی کاپیوں کی دیکھ بھال و اصلاح کا موقعہ نہ ملنے کی وجہ غلطیوں کا بھی کچھ احتمال ہے،

شکر گذار: محمد عبدالمقتدر، الکٹرک قومی پریس بنگلور